خدابخش لائبریری

جرنل پٹنہ

۱۰۵ - ۱۰۶

خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ

رجسٹریشن نمبر : ۳۳۴۲۴/۷۷
شمارہ : ایکسو پانچ ۱۰۵

سالانہ : ۳۰۰ روپے
(۴۰ ڈالر ایشیا، ۱۲۰ ڈالر غیر ممالک
اس شمارے کی قیمت : پچھتر روپے

ایڈیٹر
حبیب الرحمن چغانی

۶۱۹۹۶

مصطفیٰ کمال ہاشمی نے پاکیزہ آفسیٹ، شاہ گنج، پٹنہ ۶ میں چھپواکر خدابخش لائبریری پٹنہ سے ش

حرفِ آغاز

یہاں آئے ہوئے مجھے ابھی چند ہی مہینے گزرے ہیں کہ اس مختصر مدت میں کئی خط ملے، انھوں نے ہماری توجہ خدا بخش لائبریری جرنل اور دیگر مطبوعات کی کتابت، طباعت اور معیار کی طرف منعطف کرائی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ہمارے قارئین کسی خاص ملے کے انتظار میں تھے۔ بہرحال ہمیں خود بھی اس کا احساس ہے اس لیے ہم کوئی توجیہ پیش کرنا مناسب نہیں سمجھتے۔ یہ شمارہ جو اس وقت آپ کے سامنے ہے گرچہ ہماری ہی ادارت میں شایع ہوا ہے، ہم اس کی طباعت سے مطمئن نہیں۔ اسکے مندرجات میں بھی ہمارا دخل برائے نام ہی کیونکہ سارا مواد پہلے ہی سے جمع تھا اسلیے اسمیں اخلاقاً تبدیلی مناسب نہیں سمجھی۔ ہماری کوشش ہے کہ اس لائبریری کی مطبوعات کا معیار ہر اعتبار سے بہتر ہو۔ یہ وقت ہی بتلائے گا کہ ہم اپنے اس ارادے میں اور آپ کی توقعات کو پورا کرنے میں کہاں تک کامیاب ہیں۔ اس شمارے کے بارے میں ہمیں آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

مراسلہ نگاروں سے ہماری ایک گزارش ہے کہ جب مراسلہ طویل ہوتا نظر آئے تو اسے مضمون کی شکل دے دی جائے تاکہ وہ دیگر مضامین کے ساتھ جگہ پا سکے۔ اس طرح ہم کئی مراسلے شامل اشاعت کر سکیں گے۔ اہل قلم سے درخواست ہے کہ ہمارے جرنل میں اشاعت کے لیے اپنی تخلیقات ارسال فرمائیں۔ یہ بتانا چنداں ضروری نہیں تاہم اس کا اعادہ بہتر ہے کہ اسلامیات، شرقی علوم؛ عربی، فارسی اور اردو ادبیات؛ تاریخ و ثقافت ہمارے خاص موضوعات ہیں۔ مسلمانوں کے مسایل پر اگر تحقیقی

انداز میں کچھ لکھا جائے تو وہ بھی اس جرنل میں شائع ہو سکتا ہے۔ ایک گزارش ان حضرات سے بھی ہے جن کی تحویل میں معروف ہستیوں کے خطوط یا مخطوطات ہیں اور وہ انھیں فروخت کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے رجوع کریں۔

اس وقت ہمارے سامنے ایک اہم مسئلہ ہے اور وہ ہے مخطوطات میں سربستہ معلومات کا ابلاغ۔ اس کے لیے ان کی توضیحی فہرستوں کا مرتب ہونا ضروری ہے۔ ہمیں ایسے افراد کی تلاش ہے جو عربی و فارسی کی اچھی استعداد کے ساتھ مخطوطات کی توضیحی فہرست سازی کا تجربہ بھی رکھتے ہوں۔ جو لوگ اس قومی اور ملی ورثہ کو منظر عام پر لانے میں ہماری معاونت کرنا چاہتے ہیں اور مطلوبہ صلاحیتوں سے متصف ہیں ہم سے رابطہ قائم کریں۔

یہ اطلاع آپ کے لیے باعث مسرت ہوگی کہ اس لائبریری کے ذخائر کو کمپیوٹرائز کرنے کا خاکہ مرتب کیا جا رہا ہے۔ مخطوطات کو خاص کر Compact Discs (CDs) پر منتقل کرنے کا پروگرام بھی زیر غور ہے۔ یہ خوشی کی بات ہے کہ لائبریری کی ترویج و اشاعت میں حکومت ہر ممکن تعاون دینے کے لیے آمادہ ہے۔ توقع ہے کہ مستقبل قریب میں جدید کاری کے اس عمل کو نافذ کیا جا سکے گا۔

حبیب الرحمن چغتائی

فہرست

تدوین و تحقیق

- کلام رنجور عظیم آبادی — مرتبہ پروفیسر معین الدین عقیل — ۱

فلسفہ

- وجود اور ہستی — محمد عبدالسلام خان — ۷۹

فارسی ادب

- دیوان حافظ (نسخۂ شاہان مغلیہ) — پروفیسر سید امیر حسن عابدی — ۹۱
- ایران میں فارسی غزل اسلامی انقلاب کے بعد — پروفیسر ظہیر احمد صدیقی — ۱۱۱

علاقائی ادب

- گجرات کی اردو بولی : ایک جائزہ — غلام رازق شیخ — ۱۳۵

آزاد ہند فوج

- آزاد ہند فوج کی کہانی کرنل محبوب احمد کی زبانی — مرتبہ اروِن سنگھ — ۱۴۹

جہانِ آزاد

- مولانا آزاد کے تیس صفحات — تقی رحیم — ۱۵۹
- دیوان ابوالکلام آزاد مرتبہ عبدالغفار شکیل پر ایک استدراک — ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری — ۱۸۰

تذکرے

- صادق علی شاہ : ایک گمنام لیکن اہم صوفی شاعر — ڈاکٹر حسین الحق — ۱۸۸

سفرنامے

- حیدرآباد، دکن کے ممتاز علی صاحب مرحوم کا روزنامچۂ سفر پٹنہ (۱۹۲۰) عطیہ عبدالصمد خاں — ۲۰۱

رسالے

- دلگداز : اردو کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ مرتبہ عبدالحلیم شرر — ۲۲۵

خدابخش لائبریری میں آڈیو کیسٹ

- خدابخش لائبریری میں محفوظ دکنی زبان کے آڈیو کیسٹ — ۲۲۹

نقد و تبصرہ

- "ذاکر صاحب کے خط" مطبوعہ خدابخش لائبریری: ایک تبصرہ — نقی احمد ارشاد — ۲۳۱
- "بابر کا وصیت نامہ" اور "پٹنہ کے قدیم مسلم کتبات" مطبوعہ خدابخش لائبریری جرنل ۱۰۱ پر ایک نظر — ضیاء الدین ڈیسائی — ۲۳۶
- "دیوان مصحفی ہشتم" مطبوعہ خدابخش لائبریری پر ایک استدراک — پروفیسر نورالحسن نقوی — ۲۴۰
- دیوان مصحفی ہشتم : ایک استدراک از پروفیسر نورالحسن نقوی : ایک جائزہ — حبیب الرحمن چغانی — ۲۴۹
- مراسلات — نظیر صدیقی — ۲۵۲
  — الطاف حسین خاں شروانی — ۲۵۳
- اعتذار — ادارہ — ۲۵۴

انگریزی حصہ

- ۱۹۲۲ء میں بی اماں کا بہار کا دورہ: ایک روداد — پیشکش: سری کانت — I

✿✿

کلام رنجور عظیم آبادی

مرتبہ

معین الدین عقیل
مہمان پروفیسر
"جامعہ ٹوکیو برائے مطالعات خارجہ جاپان

تعارف

محمد یوسف جعفری رنجورؔ عظیم آبادی اپنی علمی و ادبی حیثیت میں ہماری تاریخ کے ان اکابرین گزرے ہیں، جنھیں ان کی اہمیت کے لحاظ سے وہ شہرت اور ناموری حاصل نہ ہوئی، جس کے وہ مستحق تھے۔ حکومتِ برطانیہ نے انھیں ان کی خدمات کے صلہ میں شمس العلماء اور خان بہادر کے خطابات دیے، ہمعصر ادبی دنیا میں ان کی کچھ شہرت ایک ایسے شاعر کی رہی، جس کا کلام اور چند مضامین بیسویں صدی کے اوائل میں ادبی رسالوں میں چھپتے رہے اور چند معاصر تذکرہ نویسوں نے اپنے تذکروں میں انھیں جگہ دی[2] ان کی رباعیات کا ایک مجموعہ بھی شائع ہوا لیکن مشہور نہ ہوا۔ کلکتہ یونیورسٹی میں وہ چیف مولوی اور بورڈ آف اگزامنرز کے رکن کی حیثیت میں فائز رہے، درسی نوعیت کی چند مفید کتابیں بھی تالیف کیں اور ایک دو سال فارسی کے لیکچرر بھی رہے۔ لیکن ان سب کے باوجود ان کی گوشہ نشینی اور سنجیدہ طبیعت انھیں شہرتِ عام نہ دے سکی۔ اب حالیہ کچھ برسوں میں ان کے نام مولانا ابوالکلام آزاد کے مکاتیب کی اشاعت نے انھیں کسی حد تک گمنامی کے گوشہ سے باہر نکالا ہے اور یہ بات عام ہوئی ہے کہ مولانا آزاد کے لیے وہ کیا کیا تھے۔ نہ صرف ایک بزرگ، ایک استاد، ایک دوست اور ایک بھائی بلکہ ابتدائی عمر میں ان کے ذہن و فکر کی تعمیر میں سید احمد خاں اور شبلی نعمانی کے علاوہ ایک اور جس شخص کی کارفرمائی رہی ——— وہ رنجورؔ تھے۔ رنجورؔ کے نواسے پروفیسر قدرت اللہ فاطمی کی عنایت سے یہ مضامین رنجورؔ کے نام سے خدا بخش لائبریری جرنل نمبر[3] میں شائع ہوئے ہیں اور اس زمانے کے ہیں جب رنجورؔ اور آزادؔ دونوں کلکتہ میں ہی مقیم تھے۔

ان کا سلسلۂ نسب سید احمد شہید کی تحریک سے تعلق رکھنے والے مجاہدین صادقپور سے ملتا ہے۔ صادقپور (پٹنہ) میں مقیم ایک خاندان کے افراد مولانا یحییٰ علی (متوفی ۱۸۶۸ء)، مولانا احمد اللہ (متوفی ۱۸۔۔ء) اور مولانا عبدالرحیم (متوفی ۱۹۲۳ء) حکومت برطانیہ کی نظر میں، تحریک مجاہدین میں سرگرم رہنے کے باعث معتوب ہوئے مولانا یحییٰ علی کو پھانسی کی سزا سنائی گئی جسے حبسِ دوام بعبور دریائے شور میں تبدیل کر کے ۱۸۶۶ء میں کالا پانی (جزیرۂ انڈیمان) بھیج دیا گیا، جہاں وہ ۱۸۶۸ء میں فوت ہوگئے[1]۔ یہ رنجورؔ کے والد تھے۔ مولانا احمد اللہ، مولانا یحییٰ علی کے بھائی اور رنجورؔ کے

---

[1] تحریک مجاہدین میں ان کی سرگرمیوں کے لیے، متعدد مآخذ سے قطع نظر: غلام رسول مہرؔ "سرگزشتِ مجاہدین" (لاہور، ۱۹۵۶ء)، صفحہ ۳۶۲-۳۶۵، ۳۸۱-۳۸۲، ۳۸۵، ۳۹۲، ۴۰۰ وغیرہ۔

چچا تھے۔ نام احمد بخش تھا، لیکن سید احمد شہید سے وابستگی[2] کے بعد رد بدعت کے تحت تبدیل کرکے احمد اللہ رکھ لیا۔ مولانا یحییٰ علی کی گرفتاری کے بعد تحریک کی تنظیمی ذمہ داریاں ادا کرنے کے باعث حکومت نے انھیں بھی پھانسی کی سزا دی اور حبس دوام بعبور دریائے شور میں تبدیل کرکے کالا پانی بھیج دیا۔ مولانا عبدالرحیم رنجور کے ماموں تھے۔ تحریک میں حصہ لینے کی پاداش میں تقریباً ۱۸ سال جزیرۂ انڈیمان میں گزارے۔ اپنے خاندان کے احوال میں ۱۹۰۱ء میں "الدر المنثور فی تراجم اہل صادقپور المعروف بہ تذکرۂ صادقہ" تصنیف کیا۔

ان سزاؤں کے ساتھ ساتھ حکومت نے سارے خاندان کی جائیداد ضبط کرلی اور پورا محلہ صادق پور مسمار کردیا۔[1] لیکن لارڈ رپن (LORD RIPON) کے عہد (۱۸۸۰ء-۱۸۸۴ء) میں مصلحتوں اور حکمت عملیوں میں تبدیلیوں کے باعث اپنے اس طرز عمل کو قدرے ترک کیا اور دل جوئی کے لیے کچھ تلافی کرنی چاہی۔ چنانچہ اس خاندان کے اکابر علماء کی قدردانی بھی ہوئی۔ کچھ کو شمس العلماء کا خطاب دیا۔ پھر اس خاندان نے بھی جدید تعلیم میں دلچسپی لی۔ اسی کے ایک فرد شمس العلماء مولوی محمد حسن ذبیح نے ۱۸۸۲ء میں علی گڑھ تحریک سے متاثر ہوکر علاقہ کا پہلا جدید طرز کا محمڈن اینگلو عربک اسکول، قائم کیا "پٹنہ انسٹی ٹیوٹ گزٹ" کے نام سے "علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ" کی پیروی میں ایک اصلاحی رسالہ جاری کیا۔ اپنے عزیزوں کو اعلیٰ تعلیم کے لیے لندن بھیجا۔ مولانا یحییٰ علی کے ایک علاتی بھائی محمد عیسیٰ عرف امجد علی نے انگریزی اور لاطینی سیکھیں اور ایم اے کیا۔ علیگڑھ کالج میں اور پھر گورنمنٹ میور سنٹرل کالج الہ آباد میں پروفیسر رہے اور شمس العلماء کا خطاب پایا۔[2]

رنجور ۲۶ ذیقعدہ ۱۲۷۹ھ/۱۸۶۳ء کو پیدا ہوئے۔[3] یہ وہ وقت تھا کہ وہ اپنے والد کی گرفتاری اور عبور دریائے شور کے باعث ان کے سایہ سے محروم تھے۔ چنانچہ ان کی تعلیم و تربیت شمس العلماء مولوی محمد حسن کی زیر نگرانی شروع ہوئی، جو ان کے چھوٹے خالو تھے۔ ابتدائی روایتی تعلیم کے بعد ان کے لیے جدید تعلیم کی تحصیل کا اہتمام کیا گیا۔ ابتداءً پٹنہ کالج میں پڑھا پھر علیگڑھ کالج بھیج دیے گئے۔ جہاں اپنے علاتی بھائی پروفیسر امجد علی کی زیر نگرانی رہے اور انٹرنس کامیاب کیا۔[4] جب مولوی محمد حسن نے پٹنہ میں محمڈن اینگلو عربک اسکول قائم ہوا تو رنجور کو اس میں عربی کا مدرس اول مقرر کیا۔ اور

---

1. مولانا احمد اللہ کے فرزند حکیم عبدالحمید علم و فضل میں کمال رکھتے تھے اور شاعر تھے۔ "سرگزشت مجاہدین" ص ۲۷۳ ؛ انھوں نے ایک شہر آشوب لکھا تھا، جس میں اس واقعہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اس کے اقتباسات ایضاً، ص ۲۰۶ تا ۲۰۷ و نیز شیخ محمد اکرام "موج کوثر" (لاہور، سن ندارد) ص ۵۵ میں ہیں۔
2. "تذکرۂ صادقہ" (الہ آباد، ۱۹۲۷ء)، ص ۱ تا ۴۳ 3. ایضاً میں ان کے حالات قدرے تفصیل سے ملتے ہیں، ص ۱۰۵ تا ۱۰۷ 4. سید احمد اللہ ندوی "تذکرہ مسلم شعرائے بہار" کے مطابق انھوں نے انٹرنس کلکتہ یونیورسٹی سے کامیاب کیا، حصہ دوم (کراچی، سن ندارد) ص ۳۵

جب (غالباً) ۱۸۸۴ء میں "پٹنہ انسٹی ٹیوٹ گزٹ"[1] جاری کیا تو اس کی ادارت بھی ان کے سپرد کردی[1]۔ رنجور ۶ برس تک اس کے مدیر رہے، پھر کلکتہ منتقل ہوگئے اور کلکتہ یونیورسٹی کے بورڈ آف اگزامنرز کے چیف مولوی مقرر ہوئے۔ یہاں ۳۰ سال تک اس خدمت کو انجام دے کر ۱۹۲۰ء میں سبکدوش ہوگئے۔ اسی اثنا میں ۱۹۱۹ء کے نصف سے ۱۹۲۱ء تک دو سال کلکتہ یونیورسٹی کے شعبۂ فارسی میں لیکچرر رہے[2]، اور پھر غالباً[3] اپریل ۱۹۲۱ء میں وطن مالوف پٹنہ واپس چلے گئے[4]۔ عمر کا آخری دور پٹنہ ہی میں گزرا، جہاں سے وہ ۲۲ شوال ۱۳۴۱ھ/ ۷ جون ۱۹۲۳ء کو بوقت ظہر اس دار فانی سے رخصت ہوگئے[5]۔

۱۹۰۴ء کے آخر میں انھیں گلوکوما کا مرض لاحق ہوگیا تھا اور پھر مختلف صدمات کے باعث اس میں شدت پیدا ہوگئی جو ۱۹۰۹ء میں بصارت کی یکسر محرومی پر منتج ہوئی۔ لیکن ان کی خدمات کی وجہ سے کلکتہ یونیورسٹی نے انھیں علیحدہ نہ کیا اور ان کے بھتیجے عبدالقدیم جعفری کو ان کا معاون مقرر کردیا تاکہ ان کے فرائض منصبی ادا ہوتے رہیں۔ ان کی ایسی ہی خدمات کے باعث حکومت نے انھیں جنوری ۱۹۰۵ء میں "شمس العلماء" اور جون ۱۹۱۰ء میں "خان بہادر" کے خطابات سے نوازا[6]۔

رنجور کو علم و ادب سے بے حد شغف رہا۔ نثر اور نظم دونوں میں ان کی نگارشات اس کا مظہر ہیں۔ نثر میں ان کے تحریر کردہ کئی مضامین مختلف رسائل میں راقم کی نظر سے گزرے ہیں۔ اپنے فرائض منصبی کے ذیل میں نصابی کتابیں بھی انھوں نے تالیف کیں۔ مثلاً "کلام اردو" مجموعۂ مضامین نظم و نثر، جو الہ آباد سے ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا۔ اس پر بطور مہتمم لیفٹننٹ کرنل ڈی سی فلوٹ (D.C. Phillott) سکریٹری بورڈ آف اگزامنرز کا نام درج ہے۔ اس مجموعہ میں خود رنجور کا ایک طویل مضمون "اسلام اور رسوم" شامل ہے[7]، جس پر درج حوالہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ مضمون اس سے قبل "لسان الصدق" (کلکتہ، زیر ادارت مولانا آزاد) میں چھپ چکا تھا۔ نظموں کے گوشہ میں رنجور کی نظم "انگریزی لباس" شامل ہے[8]۔ یہ نظم قبل ازیں "مخزن" کے شمارہ جولائی ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کا انگریزی نسخہ بھی

۱۔ اس گزٹ اور اس سے ان کی وابستگی کا ذکر اردو صحافت سے متعلق ماخذ میں موجود نہیں، لیکن یہ خاندانی شہادت ہے، جس کی تصدیق معاصر رسالہ "مخزن" جولائی ۱۹۰۴ء کے اس شذرہ سے ہوتی ہے جو ان کی نظم "انگریزی لباس" کے ساتھ درج ہے۔ اس میں انھیں ایڈیٹر "پٹنہ انسٹی ٹیوٹ گزٹ" بتایا گیا ہے۔

۲۔ "تذکرۂ صادقہ" ص ۱۰۱ ۳۔ ۱۱ مئی ۱۹۲۰ء کو وہ اپنی ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ مکتوب رنجور بنام عبدالعلی شوق سندیلوی، مورخہ ۱۲ مئی/ ۲ رمضان ۱۳۳۸ھ، شمولہ "اصلاح سخن" مرتبہ شوق سندیلوی (علیگڑھ، ۱۹۲۶ء) ص ۱۸۳-۱۸۴ ۴۔ "تذکرۂ صادقہ" ص ۱۰۶ ۵۔ ایضاً، ص ۱۰۵-۱۰۶ ۶۔ صفحات: ۱-۲۲ ۷۔ صفحات: ۲۳۵-۲۵۱؛ اس نظم سے ظاہر ہوتا ہے کہ رنجور لباس کے معاملہ میں یکسر قدامت پرست نہ تھے۔ یہی نقطۂ نظر ان کے حقیقی بھائی امجد علی کا بھی تھا، جو غالباً خاندان میں سب سے پہلے مغربی لباس پہننے لگے تھے۔ "تذکرۂ صادقہ" ص ۱۰۳۔

مرتب ہوا تھا اور ساری تحریریں انگریزی میں ترجمہ کرکے ترمیم کے ساتھ اس میں شامل کی گئی تھیں[1]

ایک کتاب "نظم منتخب" رنجور نے مولوی سید علی سجاد کے ساتھ مل کر مرتب کی تھی، جو کسی زمانہ میں ان کے قائم مقام چیف مولوی کے طور پر کام کرتے تھے۔ یہ کتاب کلکتہ سے ۱۹۰۹ء میں چھپی تھی اور اس پر قائم مقام سکریٹری بورڈ آف اگزامنرز کیپٹن سی ایل پرٹ (C. L. Peart) کا نام بطور مہتمم درج ہے۔ یہ انتخاب نظم آنرز اردو کے لیے ترتیب دیا گیا تھا۔ اس میں آتش، مومن، ذوق، غالب، انیس، امیر، داغ، حالی اور اکبر کی غزلیں اور نظمیں شامل کی گئی ہیں اور ہر شاعر پر ایک خاصہ جامع تعارف بھی تحریر کیا گیا ہے، جو خود رنجور کے تنقیدی خیالات کو اخذ کرنے میں معاون ہو سکتا ہے۔

ایک کتاب رنجور نے فلوٹ کے ساتھ مل کر بھی مرتب کی تھی اور اغلب ہے کہ سارا کام رنجور ہی نے کیا، لیکن بطور مرتب انکا نام سرورق پر درج نہیں۔ ہاں فلوٹ نے اپنے پیش لفظ میں ان کے تعاون کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کیا ہے۔ یہ کتاب "ANNOTATED ENGLISH TRANSLATION OF URDU ROZMARRA" کلکتہ سے ۱۹۱۱ء میں شائع ہوئی اور یہ وسطی درجہ کے طلبہ کے لیے ترتیب دی گئی تھی۔ اسی کتاب کا ایک اگلا مرحلہ رنجور ہی نے سر کیا، اس سلسلہ کی خود ان کی مرتبہ کتاب: "ANNOTATED GLOSSARY TO THE URDU ROZMARRA" کلکتہ سے ۱۹۲۱ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے سرورق پر انھیں سابق چیف مولوی بتایا گیا ہے۔

رنجور کے مولانا ابوالکلام آزاد سے ربط و تعلق کی نوعیت کا علم مولانا آزاد کے ان خطوط سے ہوتا ہے، جو حالیہ چند برسوں میں شائع ہوئے ہیں[2]۔ مولانا آزاد کے لیے وہ ایک "سچے دوست"، "شفیق"، "مکرم"، "عنایت فرما"، "برادرم"، "برادر شفیق" وغیرہ رہے ہیں۔ انھوں نے مولانا آزاد کی شخصیت کی تعمیر میں، اس زمانہ میں جب ذہنی سطح پر مولانا آزاد نے اپنے والد اور اپنے بڑے بھائی سے الگ راہ اختیار کرنا چاہی تھی تو رنجور ہی نے "ان کے باپ اور بڑے بھائی کا خلا پر کیا"[3]۔ مولانا آزاد سے ان کے روزمرہ کے روابط رہے اور ابتدا سے وہ "احسن الاخبار" انجمن اور دارالاخبار کی تجویز اور انتظام کے ایک شریک اور معاون رہے تھے[4]۔ مولانا آزاد نے انگریزی انہی

---

۱ راقم کے پیش نظر اس کا نسخہ مطبوعہ کلکتہ، ۱۹۱۸ء رہا ہے، جس کو رنجور نے منشی شہاب الدین احمد صدیقی کے ساتھ مل کر انگریزی میں لفظی و معنوی تشریحات کے ساتھ ترجمہ کیا تھا۔ اس پر ناشر کے طور پر رنجور کا پتہ: ۴۱ گارڈنر لین، کلکتہ تحریر ہے۔ ۲ مرتبہ سید قدرت اللہ فاطمی، "خدا بخش لائبریری جرنل" (پٹنہ)، ۴۷، ۱۹۸۸ء؛ و نیز "خطوط ابوالکلام" جلد اول، مرتبہ: مالک رام (دہلی، ۱۹۹۱ء) صفحہ ۲۴-۷۷

۳ سید قدرت اللہ فاطمی، صفحہ ۔ ۴ عبدالرزاق ملیح آبادی "آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی" (دہلی، ۱۹۶۵ء) صفحہ ۲۸

سے سیکھی تھی[1] اور وہ مولانا آزاد کو مشورہ اور اصلاحِ سخن بھی دیا کرتے تھے[2]۔

رنجور کا کلام اگرچہ پختہ اور شاعری کے محاسن و رموز سے آراستہ ہے، لیکن وہ شاید اس سے مطمئن نہ تھے۔ انھوں نے لکھا ہے: "ایک تو پورب کا رہنے والا اور اس پر شاعری کچھ میرا مشغلہ نہیں۔ سرکاری کاموں سے کبھی فرصت مل گئی تو اپنے دلی جذبات کو سادہ الفاظ میں موزوں کر لیا اور بس۔ لوگوں نے مجھے خواہ مخواہ شاعروں کے زمرے میں شامل کر دیا ہے[3]"۔ ان کے اس بیان کو انکی انکساری پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ ایک گھریلو روایت کے مطابق وہ اپنی شاعری پر نادم ہو گئے تھے اور اپنا ضخیم دیوان نذرِ آتش کر دیا تھا[4]۔ اگرچہ اس اقدام کا واقعی سبب معلوم نہیں، لیکن جس خاندانی پس منظر سے ان کا تعلق تھا اور مغربی تعلیم حاصل کرنے اور حکومت برطانیہ کی ملازمت اختیار کرنے کے باوجود جب اپنی آمدنی کا ایک حصہ وہ ان مجاہدین تک بالالتزام پہنچاتے رہے، جو شمالی سرحدی علاقوں میں انگریزوں سے کسی طرح برسرِ پیکار تھے ——— اور جب کبھی اپنے وطن پٹنہ جاتے تو خاندانی مسجد میں نماز کی امامت کیا کرتے[5] تو ان کا یہ اقدام قابلِ فہم نظر آتا ہے۔ پھر ان کی شاعری میں معاملہ بندی اور ریختی جیسے کلام کی موجودگی انکے اس اقدام کے ممکنات کو قرینِ مصلحت قرار دیتے ہیں۔

شاعری میں رنجور غزل کی طرف زیادہ مائل تھے، لیکن نظم، رباعی اور قطعات بھی کہتے تھے۔ "تذکرۂ مسلم شعرائے بہار" مصنفہ سید احمد اللہ ندوی کے مطابق ان کی سو رباعیوں کا ایک مجموعہ "گل صد برگ" ستارۂ ہند پریس، کلکتہ سے چھپا تھا[6]۔ غزلیں اور نظم اس وقت کے مختلف رسائل میں شائع ہوتے رہے۔ "مخزن" کے علاوہ

---

[1] ہمایوں کبیر، مقدمہ "INDIA WINS FREEDOM" مصنفہ: ابوالکلام آزاد (بمبئی، ۱۹۵۹ء) ص۳۔ [2] قدرت اللہ فاطمی، ص ستره

[3] مکتوب بنام شوق سندیلوی، مشمولہ "اصلاحِ سخن" ص۱۴۳؛ اس مکتوب سے پتہ چلتا ہے کہ رنجور کے شاعرانہ مرتبہ و معیار سے متاثر ہو کر شوق سندیلوی نے ان سے اصلاحِ سخن کی درخواست کی تھی، جسے رنجور نے قدرے رد و کد کے بعد قبول کر لیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں: "آنکھوں سے معذور ہوں، آپ کی غزلیں پڑھوا کر سنیں، ماشاء اللہ کیا کہنا ہے، زبان تو آپ لوگوں کے خاص حصہ کی ہے۔ اس پر نازک خیالی سونے پر سہاگہ کا کام دیتی ہے ... آپ کا اپنے کلام کی اصلاح کے لیے مجھے منتخب کرنا محض آپ کا حسنِ ظن ہے، قدر دانی ہے، بہرکیف آپ کی دونوں غزلیں بعد نظرِ ثانی ملفوف کی جاتی ہیں۔ ... میں تو اپنے کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ آپ کی غزلوں پر اصلاح دوں، لیکن اگر آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کے کلام پر دوستانہ نظرِ ثانی کر دیا کروں تو میں شکریہ اور فخر کے ساتھ اس خدمت کو بجا لانے کے لیے تیار ہوں"۔ ایضاً۔

[4] قدرت اللہ فاطمی، ص دس؛ لیکن کب کیا، اس کی جانب کوئی اشارہ نہیں۔ دیوان کو نذرِ آتش کرنے کے بعد انھیں شاعری ترک کر دینی چاہیے تھی، لیکن اس طرح کا کوئی اظہار ان کے مذکورہ خط میں جو ۱۹۲۰ء کا تحریر ہے، نظر نہیں آتا۔ راقم نے ۱۹۲۶ء کے آس پاس تک رسائل میں ان کی غزلیں مطبوعہ دیکھی ہیں۔ ممکن ہے ۱۹۲۰ء کے بعد ہی انھوں نے یہ اقدام اٹھایا ہو۔ "تذکرۂ صادقہ" اشاعت سوم (پٹنہ، ۱۹۶۴ء) ص۱۳۳ پر مندرج اضافات سے بھی اس اقدام کی تصدیق نہیں ہوتی۔

[5] ایضاً ص چار، پانچ

[6] حصہ دوم، ص۵۶ و نیز تذکرۂ صادقہ، اشاعت سوم ص۱۳۳؛ رنجور کے نواسے قدرت اللہ فاطمی کا بیان ہے کہ رنجور کی ایک بیاض میں ۱۶۹ رباعیاں اور ۱۴۹ قطعاتِ تاریخ شامل ہیں۔ ص دس۔

شمس" (کلکتہ) اور "العلم" (حیدرآباد دکن) میں بھی ان کا کلام راقم کی نظر سے گزرا ہے۔ جن تذکروں میں ان کا ذکر ملتا ہے انھیں سے "خمخانۂ جاوید"[1] اور "مسلم شعرائے بہار"[2] میں ان کے منتخب اشعار نسبتاً زیادہ شامل کیے گئے ہیں۔ اس آخرالذکر تذکرہ سے ان کے ایک ضخیم دیوان کی موجودگی کی شہادت ملتی ہے[3]۔ ان کے ضخیم مجموعۂ کلام کے نذرِ آتش ہو جانے کے باوجود، ایک روایت کے مطابق ان کے ورثا کے پاس کراچی میں ان کی چند بیاضیں محفوظ ہیں[4]۔

چند برس قبل راقم نے کراچی کے ایک کمیاب کتاب فروش سے دو ایسی بیاضیں خریدی ہیں، جن میں سے ایک (بیاض = ا) تمام تر رنجور کے کلام پر مشتمل ہے اور دوسری (بیاض = ب) میں دیگر شعرا کے متنوع کلام کے ساتھ ایک گوشہ رنجور کے کلام کیلیے مخصوص ہے۔ اس کتاب فروش نے مجھے بتایا تھا کہ ان دو بیاضوں کے ساتھ ایک بیاض اور بھی لیکن وہ انھی کے ساتھ کی تھی یا کوئی اور، وہ وضاحت نہ کر سکا۔ وہ یہ بھی نہ بتا سکا کہ اس تیسری بیاض کو اس نے کسے فروخت کیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ڈاکٹر محمد ایوب قادری مرحوم نے دوران گفتگو ذکر کیا کہ اس کتاب فروش سے انھوں نے بھی ایک بیاض خریدی تھی لیکن اس وقت تک انھوں نے اس کا جائزہ نہیں لیا تھا، چنانچہ وہ یہ نہ بتا سکے کہ اس میں کس شاعر یا کن شعرا کا کلام شامل ہے۔ پھر چند ہی دنوں بعد (نومبر ۱۹۸۳ء) وہ ایک حادثہ میں ہلاک ہو گئے۔ اب کچھ اندازہ نہیں کہ وہ بیاض ان کے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے بھی یا نہیں۔ ایک ملاقات میں مرحوم کے فرزند سعید حسن قادری اس بیاض کی بابت دریافت کرنے پر اس کے بارے میں کچھ نہ بتا سکے۔

مذکورہ دونوں بیاضیں بہت معمولی حالت میں، درسی کاپیوں پر مشتمل اور غیر مجلد ہیں۔ کلام کو بھی کسی خاص اہتمام اور نفاست سے نقل نہیں کیا گیا ہے۔ صرف بیاض = ا کی ابتدائی کچھ غزلیں قدرے پختگی سے تحریر کی گئی ہیں، باقی سارا کلام، دونوں بیاضوں میں بہت معمولی خط اور روارَوی میں نقل ہوا ہے۔ چند مقامات پر املائی غلطیاں بھی ملتی ہیں۔ ایک دو غزلیں دوبارہ بھی مکمل یا ادھوری نقل ہو گئی ہیں۔ بعض اشعار خط کشیدہ بھی ہیں، جیسے انھیں حذف کرنا مقصود ہو۔ ان دونوں بیاضوں میں سے بیاض = ب کے بارے میں تو یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ نامکمل ہے، لیکن بیاض = ا وسط میں مجروح ہو گئی ہے۔ اس میں شامل غزلوں پر نمبر شمار درج ہے۔ ان کے مطابق غزل نمبر ۴۵ کے بعد، جو ردیف 'الف' میں ہے، اچانک غزل ۷۷، اور ردیف 'ر' کی غزلیں شروع ہو جاتی ہیں۔ غزل ۷۷ کی پیشانی پر دوسرے قلم سے "جلد دوم" تحریر کیا گیا ہے۔ آخری غزل پر نمبر شمار ۹۷ درج ہے، اس طرح ۳۱ غزلیں درمیان سے یقیناً

---

۱ ازلالہ سری رام، جلد اوّل (لکھنؤ، ۱۹۰۹ء)، ص ۵۰۹-۵۱۲
۲ حصہ دوم، ص ۸۳-۸۴
۳ ایضاً ص ۸۳
۴ قدرت اللہ فاطمی، ص دس۔

ضائع ہوگئی ہیں۔ اور آخر سے ضائع ہونے والے کلام کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

جو بیاض = ا تمام تر رنجور کے کلام پر مشتمل ہے، اس میں ۶۶ غزلیں شامل ہیں، لیکن آخری غزل کے صرف دو شعر نقل کرکے غزل نامکمل چھوڑ دی گئی ہے۔ اس سے گمان گزرتا ہے کہ شاید یہیں اس بیاض کا اختتام کردیا گیا ہو۔ اور آخر سے یہ بیاض مکمل ہو۔ بیاض = ب کے گوشہ "غزلیات رنجور" میں ۱۴ غزلیں اور ایک نظم "ریختی" شامل ہے۔ لیکن انکے علاوہ دو غزلیں ایسی بھی ہیں، جنمیں مقطع یا تخلص موجود نہیں۔ انہیں سے ایک غزل طنزیہ اور دوسری بطرز ریختی ہے۔ انھیں کے ساتھ مزید تین غزلیں جو طنزیہ ومزاحیہ اسلوب میں ہیں، اور ایک ریختی میجر تخلص کے تحت ہے۔ پھر غزلیات رنجور کے اس گوشہ سے باہر دیگر شعرا کے کلام کے درمیان میں ایک گیت "چودھویں صدی کا بردگ" نقل ہوا ہے، جس پر شاعر کے طور پر رنجور عظیم آبادی تحریر ہے۔

بیاض = ب میں مذکورہ ۱۴ غزلوں کے علاوہ تقریباً سارا کلام، جو "غزلیات رنجور" میں شامل ہے، طنز و مزاح کا رنگ لیے ہوئے ہے۔ اور اس کا اسلوب رنجور کے اسلوب سے مشابہ ہے۔ خیال کیا جاسکتا ہے کہ رنجور نے طنز و مزاح پر مبنی اس طرح کے کلام میں، جو مغربی تہذیب و سیاست پر طنز و تشنیع سے تعلق رکھتا ہے، مصلحتاً رنجور نہیں، میجر تخلص استعمال کیا ہے۔ ان دونوں بیاضوں میں چند غزلیں ایسی ہیں، جو دونوں بیاضوں میں شامل ہیں، لیکن اشعار کی کمی بیشی کے ساتھ۔

ذیل میں بیاضوں کو نقل کرتے ہوئے ایسی غزلوں اور ان کے ایسے اشعار کی نشاندہی کردی گئی ہے۔ پھر ہر بیاض کا کلام علیحدہ علیحدہ نقل کیا گیا ہے۔ اور آخر میں ایک ضمیمہ ترتیب دیا گیا ہے، جس میں وہ کلام شامل کیا گیا ہے، جو مقطع و تخلص کے بغیر یا میجر تخلص کے تحت ہے۔

پس نوشت

"یہ سطور قلم بند کی جاچکی تھیں کہ رنجور کی ایک اور تصنیف کا علم ہوا۔ لیفٹیننٹ کرنل ڈی۔ سی۔ فلوٹ کی مرتبہ ایک درسی کتاب "اردو روزمرہ" مطبوعہ کلکتہ ۱۹۱۱ء، جامعہ ٹوکیو برائے مطالعات خارجی (جاپان) کے کتب خانہ میں موجود ہے، جو فوجی افسران کے لیے ہندستانی زبان کی ذیلی سطح کے منظور شدہ نصاب کے تحت ترتیب دی گئی تھی۔ یہ کتاب تین حصوں میں تقسیم ہے، جس کا دوسرا حصہ "وزیر لنکران کی سرگزشت" ایک ڈرامے پر مشتمل ہے، جسے فارسی سے اردو میں رنجور اور فلوٹ نے مل کر منتقل کیا اور ضروری حواشی لکھے۔ دراصل یہ ڈراما آذربائیجانی ترکی میں مرزا فتح علی اخوند زادہ نے ۱۸۵۰ء میں تخلیق کیا تھا اور اسے فارسی میں مرزا جعفر ساکن قرچہ داغ نے ترجمہ کیا تھا۔ اس کا ایک مصحح نسخہ HAGGARD اور LE STRANGE نے ۱۸۸۲ء میں شائع کیا تھا، جسے اردو ترجمہ کے لیے پیش نظر رکھا گیا۔
حواشی انگریزی میں تحریر کیے گئے ہیں۔ گمان غالب ہے کہ اصلاً ترجمہ کی ذمہ داری رنجور نے اور حواشی کی فلوٹ نے انجام دی ہوگی۔
ڈرامے کا متن ۸۴ صفحات پر مشتمل ہے۔"

عقیل

بیاض-۱

رقم ہے وسعت اس میں ابروئے خمدار جاناں کا
ہلال عید کا مطلع ہے میرے دیواں کا

نظر آیا ہے جلوہ جب سے اس کو روئے جاناں کا
خجالت سے ہے چہرہ زرد خورشید درخشاں کا

نہ کیوں نظارگی ہوں مصحف رخسار جاناں کا
کہ قرآں کی تلاوت شیوہ ہے ہر اک مسلماں کا

کیا ہے قصد آج اس چور نے گنج شہیداں کا
وہاں کھنچتا نظر آتا ہے نقشہ باغ رضواں کا

رہا کچھ اختلاف اے بت! نہ تیری دور میں باقی
ہوا بس ایک مذہب ہندو و گبر و مسلماں کا

ملاحت تیری اے ظالم نمک پاشی کو کیا کم تھی
کہ زخموں کے لیے تجھ کو خیال آیا نمکداں کا

چلے آئے ہیں دوڑے طالب دیدار ٹڈی دل
نمونہ کوچۂ دل دار ہے محشر کے میداں کا

بلا سے سر برا ہو اے خدا، گنج سیہ بختی
مگر سودا نہ ہو اس میں کبھی زلف پریشاں کا

جو کرنی ہو تو کر دستِ جنوں! جامہ دری پوری
لگا رہنے نہ دے اک تار بھی میری گریباں کا

مرے دل میں محبت گلرخوں کی ہے لڑکپن سے
کہ از بر جب سے اب تک باب پنجم ہے گلستاں کا

تمہیں کیونکر جگہ دوں آج اپنے خانۂ دل میں
مجھے ہے انتظار اے یاس و حرماں ایک مہماں کا

زمین و آسمان و کوہ سب کے سب رہے قاصر
امانت کا اٹھایا بار یہ گردہ تھا انساں کا

عنایت سے تری اے جاں کمی کس چیز کی مجھ کو
مرا سینہ نہیں گنجینہ ہے اندوہ و حرماں کا

بتوں میں کیوں کسی کی چشم رعنا کا تماشائی
میرے دل میں نہیں اب شوق سیر نرگستاں کا

جگہ دی جب سے ان آنکھوں میں نے شمع رویوں کو
میرے پیشِ نظر ہر وقت عالم ہے چراغاں کا

جنوں نے مجھ کو بخشی ہے عجب پوشاک عریانی
بکھیڑا ہے گریباں کا نہ جھگڑا جیب و داماں کا

ملا دربار استغنا سے ہے وہ بوریا مجھ کو — کہ آگے اس کے رتبہ ہیچ ہے تخت سلیماں کا
ڈراتا مجھ کو کیا ہے فتنۂ محشر سے اے واعظ — قیامت اک کرشمہ ہے کسی کی چشم فتاں کا
کتاب عشق سے اے گل رخو! کیا کام اب مجھکو — ہوئی مدت کہ بھولا باب پنجم میں گلستاں کا
شب وصل اے دل شوریدہ! ہوتی ہے بہت چھوٹی — کہیں رہنے بھی دے تو اب بیاں شب ہائے ہجراں کا
سنی تھی وصل کی شب کل مؤذن کی اذاں میں نے — اثر ہو! کیا پوچھنا اللہ اکبر! اس کے الحاں کا
اگر تو دیکھنے کے بعد بھی اس بت سے منھ موڑے — تو میں ہو جاؤں گا اے شیخ! قائل تیرا ایماں کا
مچا دی زاہدان خشک کے دل میں بھی اک ہلچل — مری جاں! واہ کیا کہنا تمہاری چشم فتاں کا
تپش سے سوز غم کی جل گیا نخل مراد اپنا — یہ ثمرہ میں نے پایا ہمدمو! عشق حسیناں کا
تعجب ہے کہ تو آزاد ہے اے یوسف ثانی — مگر میں ہو گیا قیدی ترے چاہ زنخداں کا
کسی صورت سے اس کا زخم بھرنے پر نہیں آتا — لگا ہے آہ! دل پر تیر کس کافر کے مژگاں کا

چلا ہے شوق میں تو اس بت کافر کے درشن کو
خدا ہی حافظ اے رنجور تیرے دین و ایماں کا

وہ وصل میں پوچھنا کسی کا — مطلب بر آیا اب تو جی کا
جاؤ دل خوش کرو کسی کا — دم ہم سے بھرو نہ دوستی کا
حال دل زار سن کے بولے — کچھ ذکر کرو ہنسی خوشی کا
دل سے امید ہی غلط ہے — کب دوست ہوا ہے یہ کسی کا
گل ہو مرے گل کے گر مقابل — پڑ جائے رنگ پھیکا اسی کا
اب قیس کو کون پوچھتا ہے — چرچا ہے ہماری عاشقی کا
بوسہ دینے میں بخل کیوں ہے — عالم میں نام ہے سخی کا
سائل کو ایک بوسہ دے دو — اللہ بھلا کرے سخی کا
اڑ جاتے ہیں حروف اپنے — لکھتا ہوں جو نام اس پری کا
رونے میں نہ مجھ کو چھیڑیے آپ — یہ وقت نہیں ہے دل لگی کا

آئینہ کو دیکھ کر وہ بولے
دعویٰ ہم سے برابری کا
قابو نہیں اپنے دل پہ بھی اب
عالم ہے یہ اپنی بے بسی کا
دل نے بھی نہ ہجر میں دیا ساتھ
دکھ میں کوئی نہیں کسی کا

غیر اس بت سے مزے لوٹا کیا
دل ہمارا ہجر میں تڑپا کیا
کی دل آزاری مری اچھا کیا
کب مری جاں آپ نے بے جا کیا
چونک اٹھا یار خواب ناز سے
اے مرے نالو! یہ تم نے کیا کیا
دل مرا لے کر وہ ان کا پوچھنا
تم نے اپنا دل بتاؤ کیا کیا
مصحفِ عارض پہ اپنے رکھ کے ہاتھ
اس نے مجھ سے وصل کا وعدا کیا
دین کا رکھا نہ دنیا کا ہمیں
آپ نے ہم سے سلوک اچھا کیا
نقدِ دل دے کر لیا سودائے عشق
آج ہم نے اک نیا سودا کیا
گھر چھڑایا اس سے اس کی جان لی
حضرت عشق آپ نے کیا کیا کیا
یار کا دل میں ملا آخر سراغ
کو بہ کو ناحق اسے ڈھونڈا کیا
کیا کروں تعریف حسنِ یار کی
آپ اسے اللہ نے پیدا کیا
آہ! مجھ سے دشمنی اس کو رہی
عمر بھر جس کو کہ میں چاہا کیا
ربط جو اغیار سے تم نے رکھا
اپنا کچھ کھویا کسی کا کیا کیا
عشق کا دم جھوٹ اگر بھرتا ہوں میں
میرے آگے آئے گا میرا کیا
شیخ جی نے چکھ کے تری مے کا مزہ
دم میں خالی پیپے کا پیپا کیا
وصل سے انکار تم کو کیوں ہے آج
کیا نہ تھا کل وعدۂ فردا کیا

دل نہیں بت یہ جو خدا نہ ہوا
بت نہیں دل کا جو خدا نہ ہوا

بت تو کیا دل بھی آشنا نہ ہوا　　کوئی بھی میرا لے خدا نہ ہوا
میرا پورا جو مدعا نہ ہوا　　آپ کو کیا ہوا ہوا نہ ہوا
نہ اڑا لائی زلف یار کی بو　　کام تجھ سے مرا صبا نہ ہوا
نہ بچا دل نگاہ سے تیری　　آخر اس تیر کا نشانہ ہوا
ہوں وہ گم کردۂ طریقِ عشق　　خضر بھی جس کا رہنما نہ ہوا
دل دیا بت کو دیں ہوا برباد　　ہائے اس عشق میں بھی کیا نہ ہوا
قید گیسو ہے وہ بلا کی قید　　جس کا قیدی کبھی رہا نہ ہوا
جب مری عاشقی کی دھوم مچی　　بے مزہ قیس کا فسانہ ہوا
دل لیا بوسہ تک نہ مجھ کو دیا　　کام تیرا ہوا مرا نہ ہوا
دیکھ کر یار تیرا گلشنِ حسن　　کون سا دل ہے جو ہرا نہ ہوا
تجھ سے بہتر ہے یار تیرا خیال　　ایک دم مجھ سے وہ جدا نہ ہوا
آبرو لی جو میری او ظالم　　اس سے کچھ تیرا فائدہ نہ ہوا
یار تک گے تھا لاکھوں دل پیچھے　　اس طرح قافلہ روا نہ ہوا
یار ہے مہرباں تو کیا پروا　　دشمن اپنا اگر زمانہ ہوا
صدقے اس اپنی سخت جانی کے　　ہجر بھی دائیٔ قضا نہ ہوا
کب سے سائل کھڑا ہے در پہ ترے　　ایک بوسہ اسے عطا نہ ہوا
مے ہے ساقی ہے اور بہار بھی ہے　　حیف اس وقت دل مرا نہ ہوا

رات دن رہتا ان کے قدموں لگا
حیف رنجور میں حنا نہ ہوا

نخل دل کو تپش عشق سے جلتے دیکھا　　ہم نے اس کو نہ کبھی پھولتے پھلتے دیکھا
خرمنِ دل شررِ عشق سے جلتے دیکھا　　آہ کے ساتھ دھواں ہم نے نکلتے دیکھا
کون کہتا ہے کہ دلدار جدا ہے مجھ سے　　اپنی آنکھوں میں اسے روز ٹہلتے دیکھا

آج کیوں بھا گئی دل کو مرے صحرا کی ہوا
کل اسی کو چمنستاں میں بہلتے دیکھا

دامِ گیسو میں جب اک بار پھنسا طائرِ دل
اس کو پھندے سے نہ پھر میں نے نکلتے دیکھا

چھاتیاں ہیں یہ ترے سینے پہ یا پتھر ہیں
دلِ عاشق کو انھیں میں نے کچلتے دیکھا

درد پہلو میں یہ بے وجہ نہیں ہے میرے
دل کو میں نے انھیں چٹکی سے مسلتے دیکھا

اشک بھی نام کو اب تن میں نہیں باقی ہے
خوں کبھی تھا انھیں چشموں سے ابلتے دیکھا

نشۂ عشق کے متوالوں کے جب پھسلے قدم
ایسے گرتوں کو نہ پھر میں نے سنبھلتے دیکھا

کس بلا کی ہے طرح دار یہ زالِ دنیا
نت نئی وضع سے اسے روز بدلتے دیکھا

بھولی صورت میں خدا جانے دل اٹکا کیونکر
چکنے گالوں پہ نگاہوں کو پھسلتے دیکھا

آکے بیٹھا مرے پہلو میں جو وہ شعلہ عذار
شمع کی طرح سے اغیار کو جلتے دیکھا

لاکھ کی ناصیہ فرسائی درِ جاناں پہ
پر مقدر کا لکھا ہم نے نہ ٹلتے دیکھا

یہی دل ہے جو ہر اک حال میں اب راضی ہے
یہی دل تھا جسے ہر وقت مچلتے دیکھا

جب گلستاں سے چلا میرا نہالِ خوبی
جو شجر تھا کفِ افسوس اسے ملتے دیکھا

نیچے دامن کے چھپائے ہوئے مے کی بوتل
رات میخانے سے واعظ کو نکلتے دیکھا

اس بہانے سے ہیں وہ وصل کے طالب مجھ سے
تیرا ارماں نہ کبھی میں نے نکلتے دیکھا

کیا یہی دل ہے مرا عرشِ جنابِ باری
بتِ کافر کو جسے تلووں سے ملتے دیکھا

آبدیدہ وہ ہوئے سن کے مری حالتِ زار
آج پتھر کو بھی رنجور پگھلتے دیکھا

وہ دن بھی تھا کہ دل میں حسینوں کا گھر نہ تھا
اس خانۂ خدا میں بتوں کا گزر نہ تھا

کیوں دل میں میرے رنج و الم نے کیا ہجوم
کچھ خانۂ حبیب تماشے کا گھر نہ تھا

مے تھی چمن تھا اور شبِ چار دہ مگر
پہلو میں جلوہ گر بتِ رشکِ قمر نہ تھا

کی سیر میں نے خوب نہالانِ حسن کی
نام خدا کہ تم سا کوئی باثمر نہ تھا

کیوں غم نے دل کو میرے ہی مسکن بنا لیا
ملتا اسے جہاں میں کوئی اور گھر نہ تھا

دلبر جو میرے پاس سے اٹھ کر چلا گیا
پہلو جو دیکھا چیر کے دل اور جگر نہ تھا

منصور فاش کرتا نہ کیوں راز عشق کو
جب اس کو اپنی جان کے جانیکا ڈر نہ تھا

کیا کچھ نہ لے کر آیا وہ دل میرا لوٹنے
تیغ ادا نہیں تھی کہ تیر نظر نہ تھا

کھاتا نہ دشت عشق میں کیوں قیس ٹھوکریں
جب اس کے ساتھ مجھ سا کوئی راہبر نہ تھا

کیوں اپنے دل میں میں نے حسینوں کو دی جگہ
دل خانۂ خدا تھا بتوں کا یہ گھر نہ تھا

کب تم نے ایسا وار کیا تیغ ناز سے
جس کے لیے ہمارا دل اے جاں سپر نہ تھا

میں خوش ہوا تھا نخل تمنا کو دیکھ کر
ڈھونڈا تو اس شجر میں کوئی بھی ثمر نہ تھا

دشمن نے کیا پڑھایا تجھے کیوں نظر پڑی
مجھ پر تو یہ عتاب تیرا پیشتر نہ تھا

بت خانے کو بھی دیکھا حرم کی بھی سیر کی
تیرے سوا کہیں بھی کوئی جلوہ گر نہ تھا

آنکھیں چراتے آج ہو کل وہ زمانہ تھا
میرے سوا کوئی تمھیں مد نظر نہ تھا

بلبل تری طرح کبھی آزاد ہم بھی تھے
کچھ دام زلف کا ہمیں خوف و خطر نہ تھا

سیکھے ضرور اس ستم ایجاد کے چلن
اس درجہ ورنہ چرخ تو بیدادگر نہ تھا

لیجے وہ آرہے ہیں ملاقات کو مری
کس نے کہا کہ میری دعا میں اثر نہ تھا

جاتا تھا آج لاشۂ رنجور بے نصیب
پر اس کے ساتھ آہ کوئی نوحہ گر نہ تھا

ہو چکا لطف ہاتھا پائی کا
آ گیا وقت اب جدائی کا

میرے ہی دل ربا نہیں ہو تم
دل لیا تم نے اک خدائی کا

شکوہ اس بت سے کچھ نہیں اے بخت
ہے گلہ تیری نارسائی کا

خود مرا دل ہے جب مرا بدخواہ
آسرا ان سے کیا بھلائی کا

نکلی دامن سے شیخ کے بوتل
کھل گیا جامہ پارسائی کا

سوکھا گئے ہی میرا نخل وجود
تھا یہی ثمرہ آشنائی کا

جو وفادار کو عدو سمجھے
اس سے کیا شکوہ بے وفائی کا

کس ادا سے وہ تن کے بیٹھے ہیں
ہے جو شوق انکو خود نمائی کا

تھا مقدر کا جو لکھا نہ مٹا
نہ ہوا نفع جبہ سائی کا

ہائے! کہنا کسی کا وصل کی شب
ہو برا تیری بے حیائی کا

دیکھو تم میرے دل میں اپنی شکل
کہاں آئینہ اس صفائی کا

جی سے آخر گزر گیا رنجور
دیکھا حال آپ نے فدائی کا

تم آؤ گے خود میرے گھر دیکھ لینا
ہے جذب دل کا اثر دیکھ لینا

جدا ایک دم ہوگا یہ دل نہ تم سے
چلے گا چلوگے جدھر دیکھ لینا

سمجھنا نہ ہر غنچۂ گل کو دل تم
محبت کی بو سونگھ کر دیکھ لینا

اجی او میاں راہ کترانے والے
ادھر بھی ذرا اک نظر دیکھ لینا

اڑے ہوش تا بو سے جاتا رہا دل
قیامت تھا انکا ادھر دیکھ لینا

رہے گی نہ یوں ہی یہ چڑھتی جوانی
ڈھلے گا کبھی دو پہر دیکھ لینا

جدا اگر مرا دل ہوا تیرے دل سے
ملے گا نہ پھر عمر بھر دیکھ لینا

دلا! راہ الفت میں رہزن بہت ہیں
ذرا تو ادھر اور ادھر دیکھ لینا

کرے گا یہ عشق ایک دن تجھ کو رسوا
ارے او دل بے خبر دیکھ لینا

در یار تک تو نہ پہنچے گا اے دل
پھرے گا یونہی در بدر دیکھ لینا

شب ہجر اے دل رہے گی نہ دائم
کبھی ہو گی اس کی سحر دیکھ لینا

جو لینا کسی شخص سے نقد دل تم
تو کھوٹا کھرا جانچ کر دیکھ لینا

حیا آئی ہے ساتھ ان کے جو اے دل
رہے گی نہ یہ رات بھر دیکھ لینا

الگ میرے پہلو سے جس دم ہوا تو
جدا میری گردن سے سر دیکھ لینا

کیا تو نے گر وار تیغ جفا کا
تو سینے کو میرے سپر دیکھ لینا

ہے رنجور خوش نخل دل دیکھ کر تو
لگے گا نہ اس میں ثمر دیکھ لینا

آشنا تو اس بت نا آشنا کا ہو گیا / بیٹھے بیٹھے اے دل ناداں تجھے کیا ہو گیا

جس پہ ہم مرتے تھے وہ اک بت پہ شیدا ہو گیا / مژدہ باد اے مرگ خود بیمار عیسیٰ ہو گیا

مجھ سے دلدادہ کو اے ناصح ملامت ہے فضول / اس پری رخسار پر زاہد بھی شیدا ہو گیا

وصل کی شب ہائے انکا ناز سے یہ پوچھنا / اب تو حضرت آپکا ٹھنڈا کلیجا ہو گیا

بے کسی پر اپنی میں کیوں کر نہ روؤں اے بتو / ایک دل اپنا تھا اب وہ بھی تمہارا ہو گیا

عشق گیسوئے سیہ کا کیوں خریدا درد سر / اے دل بیمار یہ کیا تجھ کو سودا ہو گیا

رات دن فکر و غم و رنج آتے جاتے رہتے ہیں / خانۂ دل اپنا رہگیروں کا رستا ہو گیا

غنچۂ دل کو کبھی دیکھا جو مرجھایا ہوا / اے دل مایوس مجھکو تیرا دھوکا ہو گیا

یا بھرے تھے اسمیں ارماں یا ہے اب جینے سے تنگ / تھا یہی دل پہلے کیا اور ہائے اب کیا ہو گیا

جاں بری کی اپنی اے دل کون سی تدبیر ہے / دشمن جاں جب کہ خود اپنا مسیحا ہو گیا

دل گیا کچھ غم نہیں دلبر تو ہاتھ آیا مجھے / کچھ اگر گم ہو گیا کچھ اور پیدا ہو گیا

دیکھتے ہی مجھ کو کیوں بکنے لگا تو اول فول / تھا بھلا چنگا ابھی واعظ تجھے کیا ہو گیا

تاب مجھ کو کب ہو دیدار جمال یار کی / دیکھتے ہی اسکو جب بیہوش موسیٰ ہو گیا

دل جو تھا عرش خدا اس میں صنم کو دی جگہ / ہائے میں ہو کر مسلماں بت کا بندا ہو گیا

صرف دو بوسوں پہ بے جا اسقدر تکرار ہے / میں تو خود قائل ہوں مجھ سے کار بیجا ہو گیا

درد فرقت سے شفا آخر ہوئی رنجور کو
پی کے داروئے اجل بیمار اچھا ہو گیا

سامنا جب کہ قیامت میں خدا کا ہوگا / دامن او بت ترا اور ہاتھ ہمارا ہوگا

نگہ یاس سے جس نے تجھے دیکھا ہوگا / اس کی آنکھوں میں جہاں سارا اندھیرا ہوگا

کون سا دل ہے وہ جو تیرا نہ شیدا ہوگا / کون سا سر ہے نہ جسمیں ترا سودا ہوگا

بام پر اپنے وہ چڑھتے ہیں نظارے کیلیے / کوچۂ یار میں اس وقت تماشا ہوگا

دم گیا ہجر میں میرا ترا ارماں نکلا
سنگدل کوئی بھی اے بت نہ ترا سا ہوگا

میرے لاشے پہ جب اس شوخ کو لائے احباب
بھولے پن سے وہ یہ بولا کہ یہ سویا ہوگا

مہندی ہاتھوں میں لگانے کو وہ منگواتے ہیں
آج پھر ہائے مرا خون تمنا ہوگا

چھیڑ تو اس وقت نہ مجھ کو کہ بھرا بیٹھا ہوں
جاری آنکھوں سے ابھی اشک کا دریا ہوگا

دل تو دلدار کو دینے کو دیا ہنس ہنس کر
کیا خبر تھی کہ اسی کا مجھے رونا ہوگا

جائے گا کون سدا خلد میں جلنے کے لیے
اگر اے یار نہ واں ساتھ تمہارا ہوگا

جاں بلب دیکھ کے رنجور کو بولا وہ شخص
جور سہنے کو تجھے اور ابھی جینا ہوگا

دل ہی جب ہاتھ سے جاتا رہا ارماں کیسا
اور جب ارماں نہ رہا دل میں تو حرماں کیسا

ہاتھ ملتا ہے کہ اب ظلم کروں گا کس پر
قتل سے میرے ہوا یار پشیماں کیسا

مذہب عشق کا پیرو ہوں مجھے کیا مطلب
گبر و ترسا کسے کہتے ہیں مسلماں کیسا

نہ رفو کی ہے جگہ اور نہ بخیہ ممکن
چاک ہے دست جنوں سے مرا داماں کیسا

تھک گیا بازوئے جلاد رگ جاں نہ کٹی
رہ گیا ہو کے مرے قتل کا ساماں کیسا

جاگزیں حوصلے اب اس میں نہ امیدیں ہیں
ہائے یہ خانۂ دل ہو گیا ویراں کیسا

اب تو دن رات مجھے دشت نوردی ہے کام
مجھے کیا علم کہ گل کیسا گلستاں کیسا

کعبۂ دل میں جگہ تو نے بتوں کو دیدی
واہ رنجور تو ہے مرد مسلماں کیسا

دل بتوں سے لگا کے دیکھ لیا
خوب انھیں آزما کے دیکھ لیا

غالب آخر رہا حیا پر شوق
مجھے آنچل ہٹا کے دیکھ لیا

چھوڑتا ہی نہیں خیال ترا
دل کو سمجھا بجھا کے دیکھ لیا

دل گم گشتہ میں نے آخر یار
پاس دزد حنا کے دیکھ لیا

نہ رہا ضبط شوق دید انھیں / مجھ کو پردہ ہٹا کے دیکھ لیا
جذب دل اب ہے امتحاں ترا / ان کو ہم نے بلا کے دیکھ لیا
ہنستے ہی وہ نہیں کسی ڈھب سے / گدگدا کے ہنسا کے دیکھ لیا
ڈوبے ایسے کہ پھر نہیں ابھرے / عشق کا بوجھ اٹھا کے دیکھ لیا
کیوں اب آنکھوں سے اشک جاری ہے / خون میرا بہا کے دیکھ لیا
سچ بتانا کھرا ہے یا کھوٹا / نقد دل آزما کے دیکھ لیا
آج کیوں ہو عدو سے آزردہ / تم نے مجھ کو ستا کے دیکھ لیا
بیٹھے کیوں بھر رہے ہو سرد آہیں / دل کو میرے جلا کے دیکھ لیا
لے اڑی وہ نگاہ دزدیدہ / دل کو ان سے چھپا کے دیکھ لیا

یاد حق اب کیا کریں رنجورؔ
دل بتوں سے لگا کے دیکھ لیا

جب زمانہ گیا جوانی کا / نہ رہا لطف زندگانی کا
کیا کروں ذکر نوجوانی کا / بھولنا بہتر اس کہانی کا
اب کہاں ولولہ جوانی کا / زور ہے اب تو ناتوانی کا
نکلو ارمانو! خانۂ دل سے / ان سے وعدہ ہے میہمانی کا
تاب دیدار یار دیکھ سنبھل / اس کو دعویٰ ہے لن ترانی کا
مر گیا میں تو بولے حور ملی / کچھ ٹھکانا ہے بدگمانی کا
جلد اس بت پہ شیخ تو مر مٹ / کیا بھروسہ ہے عمر فانی کا
مجھ پہ ہر وقت قہر ڈھاتا ہے / دھیان جور و ستم کے بانی کا
غیر کے ساتھ یار عیش کرے / حکم ہو مجھ کو پاسبانی کا
آج ہے کچھ تو دال میں کالا / کیا سبب ان کی مہربانی کا
گالیاں آپ مجھ کو دیتے ہیں / کیا صلہ ہے یہ مدح خوانی کا

دست نازک سے کٹ سکا نہ گلا
ہو برا میری سخت جانی کا

پھل نہ لایا ہمارا نخل مراد
یہ ملا ثمرہ زندگانی کا

مجھ کو تحقیق سے ہوا ثابت
لفظ مہمل ہے شادمانی کا

کھینچ سکتا نہیں شبیہ یار
رنگ فق ہو رہا ہے مانی کا

دیکھ دل ہوشیار وہ آیا
شہرہ ہے جس کی دلستانی کا

جھیل لیں جب بلائیں فرقت کی
خوف کیا مرگ ناگہانی کا

اس کو زیبا نہیں غرور کبھی
جو ہو اک قطرہ گندے پانی کا

کس کے ارمان کا ہوا ہے خون
غل ہے کیوں آج نوحہ خوانی کا

زندہ در گور ہو گئے یہ نجر
فائدہ ایسی زندگانی کا

ہے حور کا طالب دل خود کام تمہارا
کس کام کا اے زاہد و اسلام تمہارا

اک میں ہوں کہ ہوں معرض دشنام تمہارا
اک غیر کہ ہے مورد انعام تمہارا

خوش ہو کے سنے گا وہی دشنام تمہارے
جس پہ سحر و شام ہے انعام تمہارا

دل کہنے کا ہے جس میں نہیں یاد تمہاری
لب نام کے ہیں جن پہ نہیں نام تمہارا

تم لاتے ہو گردش میں زمانے کا مقدر
کر سکتی ہے کیا گردش ایام تمہارا

ق

یہ سچ ہے کہ کرتا ہوں میں اس بت کی پرستش
بالکل ہے بجا واعظو الزام تمہارا

ایمان کی کہنا مگر اے حور پرستو
بہتر ہے مرا کفر کہ اسلام تمہارا

ترشی کی طلب ہے عبث ان چارہ گروں کو
کیا ہوش میں لائے گا آشام تمہارا

کیا جانیں سحر کب ہوئی یا شام کب آئی
ہے دھیان ہمیں تو سحر و شام تمہارا

اے رنج و الم نکلو مرے خانۂ دل سے
دولت کدۂ یار میں کیا کام تمہارا

ہیں چاروں طرف سے غم و اندوہ کے گلے
اب بھاگے کدھر عاشق ناکام تمہارا

ہے ایک طرف لعنت احباب کی بوچھار — اور ایک طرف عاشق ناکام تمھارا
میں نے جو کہا وعدے سے کیوں پھری تو بولے — اللہ رے اس منہ سے یہ الزام تمھارا
اٹھلا کے نہ لِلّٰہ چلو تم کہ مرا دل — پامال کیے دیتا ہے ہر گام تمھارا
آسیب غم و فکر سے رہتی ہے حفاظت — کیونکر نہ رکھوں وردِ زباں نام تمھارا
کیوں حضرت دل تم نے کیا عشق کا آغاز — اچھا نظر آتا نہیں انجام تمھارا

رنجور ہی کے دم سے یہ شہرت ہے تمھاری
بعد اس کے نہ جانے گا کوئی نام تمھارا

ہم عرش معلیٰ سے نہیں بام تمھارا — مشہور فرشتوں میں بھی ہے نام تمھارا
لو جاتا ہے اب عاشق ناکام تمھارا — اب بھول کے لے گا نہ کبھی نام تمھارا
بس بس یہ عنایت تو کسی اور پہ ہو خرچ — میں اور عدو سے کہوں پیغام تمھارا
میت پہ میری آ کے وہ کہنے لگا رو کر — افسوس یہ ہونے کو تھا انجام تمھارا
دشمن کو تو دیدار ہو دن رات میسّر — میں راستہ دیکھوں سحر و شام تمھارا
گر آ کے ہوا باعث زحمت تو چلا میں — میں اپنی غرض دیکھوں کہ آرام تمھارا
اللہ رے تجاہل کہ گیا ان سے جو ملنے — فرمانے لگے مجھ سے کہ کیا نام تمھارا
جو کچھ مرے شکوے میں اک اک کر کے غلط ہیں — سب ٹھیک ہے جو کچھ بھی ہو الزام تمھارا
کٹ جاؤں نہ کیوں شرم سے وہ بزم میں بولے — عشاق کے دفتر سے کٹا نام تمھارا
او شرم و حیا وصل میں کیوں ہوتی ہو حارج — خلوت کدۂ یار میں کیا کام تمھارا
پانی دہن شیخ میں بھر آتا ہے فوراً — آتا ہے زباں پر مری جب نام تمھارا
ہے حاجیو تم کو بھی کسی بت کا تجسس — ہے جوگیوں کا بھیس یہ احرام تمھارا
کی مدح جو میں نے تو کہا کوسنے دے کر — لو اب تو تمھیں مل گیا انعام تمھارا
یہ طائر دل اڑ کے پہنچ جائے گا تم تک — کچھ عرش معلیٰ تو نہیں بام تمھارا
یہ کوچہ مرا آج جسے بھولے ہوئے ہو — تھا آہ کبھی راہ گزر عام تمھارا

رنجور رہو کس چین سے تم قبر میں سوئے
ہے موجب صد رشک یہ آرام تمہارا

بھولی صورت دیکھتے ہی دل میں پیار آ ہی گیا
لاکھ روکا اس پہ دل بے اختیار آ ہی گیا

نامۂ یار اے دل امیدوار آ ہی گیا
جس کا تجھ کو دیر سے تھا انتظار آ ہی گیا

اے گناہوں کیا کریں روز شمار آ ہی گیا
ڈرتے تھے جس دن کو وہ انجام کار آ ہی گیا

مغتنم اے یاس تیرا دم ہے ہجر یار میں
تیرے ہونے سے مرے دل کو قرار آ ہی گیا

رکھ سکا روئے مصفا کی طرح دل کو نہ صاف
یار کے آئینہ میں آخر غبار آ ہی گیا

میرا جانا تھا کہ پہنچا یار کے گھر غیر بھی
گل اکیلا تھا مگر پہلو میں خار آ ہی گیا

مرغ دل کو ہوشیاری کا تو تھا دعوی مگر
دام میں صیاد کے آخر شکار آ ہی گیا

گرچہ میں کہتا رہا ہوں اسکے وعدے سب غلط
میرے بھولے دل کو ان پر اعتبار آ ہی گیا

مجھ سے سیدھے سادے شیدائی کو دم دیتا تھا تو
مدعی کے دم میں آخر خود بھی یار آ ہی گیا

سوز پنہاں دردوں میں ضبط گریہ تابکے
آنکھوں سے باہر مرے دل کا بخار آ ہی گیا

اے دل سرشار جام وصل اٹھ آئی سحر
تابکے دور سرور آخر خمار آ ہی گیا

جب کہ مجھ سے دوست سے تم نے وفاداری نہ کی
اعتبار اے جان جاں اس سے تمہارا ہی گیا

آج آخر شیخ جی رندوں کے ہتھے چڑھ گئے
اور ان کے سر سے عمامہ اتارا ہی گیا

شیخ ابھی میخانہ میں تھا ہی کہ پہنچا محتسب
موقعہ سرقہ پہ بارے تھانہ دار آ ہی گیا

تھا خفا رنجور سے جب تک نظر سے دور تھا
رو برو آتے ہی اس کے دل میں پیار آ ہی گیا

لاکھ روکا غیر نے وہ گلعذار آ ہی گیا
اے خزاں رخصت کہ ہنگام بہار آ ہی گیا

جس فرشتے کا مجھے تھا انتظار آ ہی گیا
لینے کو میری حیات مستعار آ ہی گیا

جب مجھے اس شمع رو نے آ کے دیکھا وقت نزع
اشک اس کی آنکھوں میں بے اختیار آ ہی گیا

جب ڈراتا ہوں میں اس ظالم کو روزِ حشر سے
ہنس کے کہتا ہے کہ ہاں روزِ شمار آ ہی گیا

دیکھ لی اے جذبِ دل تیری کرامت دیکھ لی
تو نے چاہا اور میرے گھر میں یار آ ہی گیا

ہنستے ہنستے وصل کی شب یار نے اک آہ کی
یاد اس دم بھی رقیبِ نابکار آ ہی گیا

وعدے سے جس کے اے دل عیش کے دن بھی تھے تلخ
لے جدائی کا وہ وقتِ ناگوار آ ہی گیا

ہم تو سمجھے تھے کہ یہ فردا بھی ہے فردائے حشر
بارے کیا آج آگیا دل میں کہ یار آ ہی گیا

خود انھیں نے مجھ کو بلوایا مگر جب میں گیا
انکو میرے روبرو آتے بخار آ ہی گیا

ہے ہوس تو سیرِ کوئے یار کی تجھ کو مگر
تو گیا اس کوچہ میں اے دل تو مارا ہی گیا

اے امیدو تم سے تھی وابستہ میری زندگی
تم گئیں کیا میرے جینے کا سہارا ہی گیا

کیا ہوا زندو اگر ہے شیخ کا باطن ذلیل
اس کے چہرے پہ عمامے سے وقار آ ہی گیا

شیخ جی پیرِ مغاں سے تم تو ناحق بھڑ پڑے
اس کا کیا بگڑا وقار اس سے تمھارا ہی گیا

بارے میرے رشتۂ الفت نے ظاہر کی کشش
یار کا میری طلب میں آج تار آ ہی گیا

کر رہے تھے آپ ابھی رنجور کے وعدے کا ذکر
لیجیے قرباں ہونے کو وہ عباس نثار آ ہی گیا

کبھی ارماں شہادت کا نہ میرے دل سے نکلے گا
جو نکلے گا تو بس یہ خنجرِ قاتل سے نکلے گا

نہ میرا کام خضر و مرشدِ کامل سے نکلے گا
جو نکلے گا تو خود میرے جنابِ دل سے نکلے گا

خلش سے نوکِ مژگاں کی تڑپ ہی بعد مردن بھی
یہ کانٹا یا الٰہی کب دلِ بسمل سے نکلے گا

جو آنا ہو تو رکھ دے حال کے سینے میں آتا ہوں
نہ میرا کام ہرگز فعلِ مستقبل سے نکلے گا

چلے ہیں باز رکھنے بت پرستی سے برہمن کو
یہ کام اے حضرتِ شیخ آپ سے جاہل سے نکلے گا

ہوا ہے تیرِ الفت یوں دونوں جانب کارگر ایسا
نہ تیرے دل سے نکلے گا نہ میرے دل سے نکلے گا

بیانِ حور سے واعظ بتوں کی یاد آئیگی
مرا مطلب تری تقریرِ لاطائل سے نکلے گا

نکلنا حضرتِ آدم کا جنت سے تو آساں تھا
مگر ارماں ترا دل سے مرے مشکل سے نکلے گا

سرور و شوق و ارماں گو مرے دل سے نکل بھاگے
نہ تیرا دھیان اس اجڑی ہوئی منزل سے نکلے گا

طلب لیلیٰ کی ہو مجنوں تو اپنے دل میں ڈھونڈ اسکو — ترا مطلب نہ ہرگز ناقہ و محمل سے نکلے گا
چلا آتا ہے دوڑا رحم ہاتھ اس کا پکڑنے کو — الٰہی کام میرا کیوں کر اب قاتل سے نکلے گا
نکالے لاکھ کوئی میں قیامت تک نہ نکلوں گا — جو نکلے گا مرا لاشہ تری محفل سے نکلے گا
طلب کیسی ہی تیری دل میں ہو لیکن ترے آگے — نہ حرف آرزو ہرگز لبِ سائل سے نکلے گا
کروں کیوں پیر کے بدلے نہ دل کے ہاتھ پر بیعت — کہ میرا کام صرف اس مرشدِ کامل سے نکلے گا
کبھی وہم و گماں تک میں فرشتوں کے نہ آتا تھا — کہ تجھ سا حور وش معشوق آب و گل سے نکلے گا
ہمارا دل تو دیکھو گوہر دل تم کو دے ڈالا — تم اک بوسہ ہی دو کب یہ تمہارے دل سے نکلے گا
کسی کا ناوک مژگاں چبھا ہے وہ مرے دل میں — کہ تم سے چارہ ساز و یہ بہت مشکل سے نکلے گا
پڑی جب مرغ دل کو چاٹ اس کی میٹھی باتوں کی — پھنسا یوں دام میں اسکے کہ اب مشکل سے نکلے گا
ادھر ہے سخت جانی اور ادھر ہے نازک اندامی — مرا دم آہ کیونکر خنجر قاتل سے نکلے گا
بڑھے گا شیخ تیرے روکنے سے ذوقِ مے نوشی — نتیجہ یہ ضرور اس سعیِ لاحاصل سے نکلے گا
چلیں گی حسرتیں سر پیٹتی ہمراہ مدفن تک — ہمارا لاشہ جس دم کوچۂ قاتل سے نکلے گا

یہ مانا ایک عالم کو ہے دعویٰ تیری الفت کا
مگر رنجور سا عاشق بڑی مشکل سے نکلے گا

آپ[1] کی شکل کا انسان نہ دیکھا نہ سنا — جس پہ حوریں بھی ہوں قربان نہ دیکھا نہ سنا
مانتا ہوں میں کہ ناصح ہے بڑا دور اندیش — اس سمجھ بوجھ کا انسان نہ دیکھا نہ سنا
غم کو ضد ہے کہ رہے دل میں مرے خواہ مخواہ — میں نے ایسا کبھی مہمان نہ دیکھا نہ سنا
اہتمام اس قدر اور ایک گلوری کے لیے — اس تکلف کا کبھی پان نہ دیکھا نہ سنا
سبزۂ خط کی ہے کیا مصحف عارض پہ بہار — ایسا خوش خط کبھی قرآن نہ دیکھا نہ سنا
بھرنے دیتا نہیں زخموں کو ترا حسن ملیح — آدمی اور نمک دان نہ دیکھا نہ سنا
ہے بنا گوش میں اس کے میرا دل آویزہ — ایسا دلچسپ کوئی کان نہ دیکھا نہ سنا

---

[1] یہ غزل دوسری بیاض میں بھی شامل ہے لیکن اس میں شعر ۲، ۱۰، ۱۳ ـ ۲۰ موجود نہیں۔

کہتے ہیں دیکھ کے ملک دل ویراں میرا
ایسا سنسان بیابان نہ دیکھا نہ سنا

وصل کی شب وہ موذن کی اذاں کیا کہنا
یہ گلا اور یہ الحان نہ دیکھا نہ سنا

بولے جب مجھ سے سنا آرزوئے وصل کا نام
آج تک تیرا سا ارمان نہ دیکھا نہ سنا

اہتمام اس قدر اغیار کی مہمانی میں
کبھی دعوت میں یہ سامان نہ دیکھا نہ سنا

دل میں کیا آئے کہ لیتے ہی نہیں جانے کا نام
جان کا ساتھی ہو مہمان نہ دیکھا نہ سنا

در جاناں میں ہوا تک نہیں گھسنے پائی
میں نے ایسا کہیں دربان نہ دیکھا نہ سنا

دل میں بیٹھے ہیں کہ غیر اس میں نہ آنے پائے
میں نے تو ایسا نگہبان نہ دیکھا نہ سنا

بولے وہ دیکھ کے سیلاب مرے اشکوں کا
ہم نے اس زور کا طوفان نہ دیکھا نہ سنا

ایک ارماں بھی نہیں خانۂ دل میں باقی
ایسا گھر کوئی بھی ویران نہ دیکھا نہ سنا

دوستی کس لیے اس دشمن جاں سے کی
تجھ سا اے دل کوئی نادان نہ دیکھا نہ سنا

گو حسینوں کی کمی صفحۂ دنیا پہ نہیں
اس خط و خال کا انسان نہ دیکھا نہ سنا

دوست کا لفظ لغت میں تو لکھا دیکھا ہے
وجود اس کا الی الآن نہ دیکھا نہ سنا

دیکھ کر حال مرا بولے اطبائے جہاں
ہم نے اس درد کا درمان نہ دیکھا نہ سنا

میں نے مانا کہ حسیں اس کے سوا اور بھی ہیں
جس میں ہو حسن کی یہ شان نہ دیکھا نہ سنا

عاشق اس بت کے ہوا اس دعویٔ دینداری پہ
تم سا رنجور مسلمان نہ دیکھا نہ سنا

سامنے دشمن کے گر وہ بے حجاب آیا تو کیا
روبرو خفاش کے گر آفتاب آیا تو کیا

میرے مرنے پر اگر خط کا جواب آیا تو کیا
خط کے سرنامے پہ عاشق کا خطاب آیا تو کیا

میری تربت پر وہ باچشم پر آب آیا تو کیا
میرے کاشانے میں وہ خانہ خراب آیا تو کیا

دل میں تو وہ دشمن جاں سمجھتے ہیں مجھے
خط میں لکھ کر پیارے عاشق کا خطاب آیا تو کیا

ختم ہی اب کر کے چھوڑوں گا کتاب عشق کو
پڑھتے پڑھتے ہجر کا گر سخت باب آیا تو کیا

عہد طفلی کو بھلایا پھیر لی مجھ سے نظر
اے بت کافر ترا عہد شباب آیا تو کیا

ذبح کرنے پر مرا لاشہ تڑپتا دیکھ کر
دل میں قاتل کے اگر کچھ اضطراب آیا تو کیا

غیر سے میرا گلہ کرتے نہ آئی ان کو شرم
مجھ سے ملنے میں اگر انکو حجاب آیا تو کیا

جب شراب وصل پینے کی نہیں امید کچھ
منہ پہ پر یہ دل خانہ خراب آیا تو کیا

یہ بت بدخو نہیں سننے کا لے دل ایک حرف
تو سنانے کو شکایت کی کتاب آیا تو کیا

میں تو اب وہ نیند سویا چونکنا جس سے محال
میرے لاشے پہ اگر وہ مست خواب آیا تو کیا

جس کے سننے کو ترستا ہوں وہ ہی آواز اور
لے کے گر مطرب دف و چنگ و رباب آیا تو کیا

میں عدو کو دیکھتے ہی ہو گیا جل کر کباب
ان کی جانب سے وہ دینے کو کباب آیا تو کیا

انتظار اس شوخ کا میں کرتے کرتے مر گیا
میرے مرنے کی خبر پا کر شتاب آیا تو کیا

گل تو ہاتھ آیا مگر اک خار بھی دل میں چبھا
یار اگر لے کر عدو کو ہمرکاب آیا تو کیا

کیوں ہوئی یارب مری ہستی نہ غرق سیل اشک
نوح کے طوفان کا مجھ پہ عذاب آیا تو کیا

ہو گیا لبریز جب رنجور جام زندگی
پاس سے اس شوخ کے جام شراب آیا تو کیا

مجھ سے اس کا دل نازک تو دکھایا نہ گیا
اپنا افسانۂ غم اس کو سنایا نہ گیا

گر نزاکت کے سبب یار سے آیا نہ گیا
اپنے گھر بھی تو مجھے اس سے بلایا نہ گیا

شرر عشق نے وہ آگ لگائی دل میں
گھر جلا سامنے اور مجھ سے بجھایا نہ گیا

دور سے دیکھتے ہی گھر مرا لوٹا کیونکر
کہ وہ رہزن تو مرے سامنے آیا نہ گیا

خوں چکاں ہو کے رہیں ہجر میں تیری آخر
راز الفت مری آنکھوں سے چھپایا نہ گیا

کہتے ہیں دیکھ کے ملک دل ویراں میرا
آجتک کیوں کوئی شہر ایمں بسایا نہ گیا

جبہ سائی تو بہت کچھ در جاناں پہ کی
خط تقدیر مگر مجھ سے مٹایا نہ گیا

جب کہ دلدار گیا اٹھ کے مرے پہلو سے
دل بھی ڈھونڈا تو مرے سینہ میں پایا نہ گیا

آج کیوں مجھ سے خوشامد کی یہ باتیں اے جاں
کیا رقیبوں سے ترا ناز اٹھایا نہ گیا

زندگی میں تو رقابت کا سبھی بھرتے تھے دم
قبر میں ساتھ کوئی اپنا پرایا نہ گیا

منتظر کب سے ہیں طالب دیدار کھڑے
رخ انور سے نقاب اب تک اٹھایا نہ گیا

کیا پہلی ہی ملاقات میں اظہار مدام
مجھ سے حال دل مشتاق چھپایا نہ گیا

رعب حسن اس پہ وہ چھایا کہ ہوا مہر بلب
ان کو قاصد سے مرا حال سنایا نہ گیا

شیخ صاحب سے بہ ایں خرقہ و دستار بزرگ
کوچۂ میکدہ میں رات سمایا نہ گیا

کس کے کام آئے گی پھر تیری مسیحائی بتا
کشتہ اپنا ہی اگر تجھ سے جلایا نہ گیا

وائے قسمت کہ شہادت سے رہا میں محروم
دست نازک سے ترے خنجر اٹھایا نہ گیا

میں نے مانا تمھیں معلوم ہے تسخیر قلوب
نقش حب کیوں دل دشمن پہ جمایا نہ گیا

شب وصل اٹھ کے وہ بھاگے مجھے سوتا پا کر
مگر اے بخت مجھے تجھ سے جگایا نہ گیا

جاں بہ لب کب سے ہے رنجور مگر اب تک اسے
لب جاں بخش کا اعجاز دکھایا نہ گیا

عاشق سے مر کے کوچۂ جاناں نہ چھٹ گیا
اب شمع سے تعلق پروانہ چھٹ گیا

دی آ کے مخلصی ملک الموت نے اسے
زلفوں کی قید سے ترا دیوانہ چھٹ گیا

سینے میں میرے اب کہیں دل کا پتہ نہیں
افسوس تجھ سے غم ترا کاشانہ چھٹ گیا

آئی ہے فصل گل تو مجھے اس کی کیا خوشی
مدت ہوئی کہ مجھ سے تو میخانہ چھٹ گیا

دیکھا جو میکدے میں مجھے آتے کانپ اٹھا
حتیٰ کہ دست شیخ سے پیمانہ چھٹ گیا

جلدی تھی ایسی کیا اسے عقبیٰ کی سیر کی
مجنوں کا اس جہاں میں جو افسانہ چھٹ گیا

بیخود کچھ اس طرح سے تلاش صنم میں ہم
جا پہنچے کعبہ راہ میں بت خانہ چھٹ گیا

رنجور جب سے قیس سا ہمدرد چل بسا
مجھ بادیہ نورد سے ویرانہ چھٹ گیا

آج مقتل میں بوقت امتحاں کوئی نہ تھا
سر بکف میرے سوا اے جان جاں کوئی نہ تھا

اک خدائی اس بت ظالم کے دمساز و ندیم تھی
حشر کے دن آہ میرا ہم زباں کوئی نہ تھا

اک مجھی کو تھا بنانا تختۂ مشقِ ستم
آہ کیا میرے سوائے آسماں کوئی نہ تھا

حامل بار امانت ہم ہوئے سب چل دیئے
گرچہ دنیا بھر میں ہم سا ناتواں کوئی نہ تھا

عشق نے لوٹے اک اک کر کے دلوں کے قافلے
بچ گیا ہو اس سے ایسا کارواں کوئی نہ تھا

وہ بت پردہ نشیں کیوں دل میں آنے سے رکا
تخلیہ پورا تھا نامحرم یہاں کوئی نہ تھا

صفحۂ ہستی پہ میں نے دیکھے لاکھوں ہی حسیں
لیکن ان میں آپ سا خوشرو جواں کوئی نہ تھا

جو گیا اس عالم ہستی سے وہ غمگیں گیا
رہ نوردانِ عدم میں شادماں کوئی نہ تھا

لامکاں تک کی خبر لی جستجوئے یار میں
اس جگہ رنجورؔ ہم پہنچے جہاں کوئی نہ تھا

زلفیں کھولے ہوئے وہ زلف پری زاد آیا
مرغ کو دام دکھاتا ہوا صیاد آیا

لے گیا سوئے بیاباں جو مجھے جوش جنوں
قیس خوش ہو کے پکارا مرا استاد آیا

ہو گی معراج مجھے آج پکارا منصور
دار پہ اس کو چڑھانے کو جو جلاد آیا

تیرے دیوانے کو کیا کافی نہ تھے حلقۂ زلف
بیڑیاں اس کیلیے لے کے جو حداد آیا

یاد دلبر نے مرے دل میں جہاں چٹکی لی
نالہ لب تک مرے کرتا ہوا فریاد آیا

تھا ملاقات میں مضمر کوئی پہلوئے جفا
ورنہ کیوں آج یہاں وہ ستم ایجاد آیا

اٹھ کے اغیار کی محفل سے میری میت میں
یار آیا تو مگر با دلِ ناشاد آیا

شاد ہوتا ہے وہ دل میں تجھے غمگیں پا کر
کس ستمگار پہ تو لے دلِ ناشاد آیا

کوئی ویرانہ اگر میری نظر سے گزرا
اپنا بھولا ہوا دل آہ مجھے یاد آیا

کوہ غم ٹوٹ پڑا مجھ پہ جو فرقت کی شب
کاٹنے کو اسے تیشہ لیے فرہاد آیا

عمر کی ریل پہ جب طے ہوا ہستی کا سفر
ملک الموت پکارا عدم آباد آیا

ہچکیاں نزع میں آئی ہیں جو رنجورؔ تجھے
شاید اس وقت کسی شخص کو تو یاد آیا

اگر اس محفل رنداں میں شیخ باصفا ہوتا
مزا ہوتا مزا ہوتا مزا ہوتا مزا ہوتا

الٰہی نشۂ تقوئے زاہد کرکرا ہوتا
کسی دن اس بت کافر کا اسکا سامنا ہوتا

پہنچتے تیری بزم ناز میں ہم سر کے بل واعظ
بجائے حور اگر اس میں بتوں کا تذکرا ہوتا

ہماری رہبری کیا خاک اے دل خضر سے ہوگی
طریق عشق میں تو ہی ہمارا رہنما ہوتا

عدو کو بزم میں جب دیکھتے تے ٹکٹکی باندھے
کن انکھوں سے مجھے بھی دیکھ لیتے تم تو کیا ہوتا

بتان سنگدل کا عشق اگر قسمت میں لکھا تھا
مرے پہلو میں بھی پتھر کا یارب دل دیا ہوتا

اگر اس گل کے پہلو کو ہے خار مدعی لازم
تو یارب میرے پہلو میں دل بے مدعا ہوتا

یقیناً جنت الفردوس میں کافر پہنچ جاتے
اگر اشتر ہماری طرح غم میں مبتلا ہوتا

مرا پیغام اس گل کو اگر پہنچا دیا کرتی
بڑا احسان تیرا مجھ پہ اے باد صبا ہوتا

فضیلت میں اسے اے شیخ دیتا تخت شاہی کو
اگر بوئے ریا سے پاک تیرا بوریا ہوتا

مرے آنے پہ غل ہے دور ہوجا دفع ہوجا کا
رقیب آتا تمہارے گھر تو شور مرحبا ہوتا

گر اے رنجور اپنی شامت اعمال پہ روتا
تو ہر اک قطرۂ اشک آج اک در بے بہا ہوتا

سنا کر میں جو انکو اپنے گھر کی داستاں آیا
وہ بولے آج تک اس کو نہ انداز بیاں آیا

بھٹک کر راہ کعبے سے سوئے کوئے بتاں آیا
کہاں جانے کی نیت سے چلا تھا میں کہاں آیا

مجھے وہ کیوں نہ پیسے یہ تو اسکی خو میں داخل ہے
عدم سے کیوں میں زیر آسیائے آسماں آیا

نہ دیکھا میں نے اسکا جلوہ کب ایام ہجراں میں
وہ میرے سامنے ہر دم عیاں آیا نہاں آیا

خبر دی ہائے کس نے بلبل شیدا کی آمد کی
کہ اس کے قید کرنے کو چمن میں باغباں آیا

ترانے کیا خوشی کے گا رہی ہے بلبل شیدا
کہے وہ مرثیہ خوانی کہ اب دور خزاں آیا

نہ کیجے اس قدر تعریف حوروں کی مرے آگے
مرا دل حضرت واعظ جہاں آیا وہاں آیا

رہا کیا اتحاد باہمی کا لطف اے جاناں
اگر پردہ من و تو کا ہمارے درمیاں آیا

تمہارا کام کیا اے رنج و حرماں خانۂ دل میں
نکل بھاگو یہاں سے تم کہ میرا میہماں آیا

مجھی سے ضد تھی انکو یار کے گھر جب گیا دشمن
نہ سگ بھونکا نہ لپکے روکنے کو پاسباں آیا

ہوے کافور رنج و فکر میرے خانۂ دل سے
تصور تیرا جس دم بن کے آرام جاں آیا

انھوں نے میری دعوت کی ہے لیکن بزم اعدا میں
مدد لے جذبۂ الفت کہ وقت امتحاں آیا

نہ ہے قسمت کہ تم میرے گلے سے یوں لپٹ جاؤ
کہاں کا پیار تم کو مجھ پہ آج اے مہرباں آیا

خبر بھی ہے تمھیں کچھ اے تپ فرقت کے بیمارو
تمھاری چارہ سازی کو مسیحائے زماں آیا

وفور عشق سے میں ہو گیا وارفتہ و بیخود
خبر کیا یہ دل دیوانہ کب آیا کہاں آیا

تعجب کیا جو ساری عمر اپنی رونے میں گزری
کہ ماں کے پیٹ سے کرتا ہوا شور و فغاں آیا

کبھی اٹھا کبھی بیٹھا کبھی تڑپا کبھی لوٹا
ترے ہجراں میں کب مجھ کو قرار اے جانجاں آیا

یہ مانا میہماں نے میزباں کی رد نہ کی دعوت
مگر جب میزباں دنیا سے گزرا میہماں آیا

ملائیں خاک میں رنجور جب میری تمنائیں
تو ان پہ اشک برسانے کو ظالم آسماں آیا

ان بے وفا حسینوں کا قول و قرار کیا
یہ لاکھ قسمیں کھائیں مگر اعتبار کیا

کیوں میری آنکھیں اشک فشانی پہ ہیں تلی
کر دیں گی راز عشق کو یہ آشکار کیا

اللہ رے مجھ سے طنز میں ان کا یہ پوچھنا
ہیں آپ میرے وصل کے امیدوار کیا

مر کر ابھی تو چھوٹے تھے ہم قید زلف سے
اب قبر میں یہ ہونے لگی گیر و دار کیا

کیا جا کے کہتی پھرتی ہے پھولوں سے اے صبا
آئے گی میرے اجڑے چمن میں بہار کیا

رکنے کا نام بھی نہیں لیتا یہ سیل اشک
ہیں واقعی یہ آنکھیں مری آبشار کیا

جتنی جفائیں چاہو کرو مجھ پہ شوق سے
جب ظلم سہنے بیٹھے تو سو کیا ہزار کیا

کہتے ہیں میرے لاشے پہ کیوں چپ پڑی ہے اب
اب پا گیا قرار دل بے قرار کیا

اس بے توجہی کا بھی کوئی جواب ہے
میرے ہر اک سوال پہ کہتا ہے یار کیا

آیا ہے نامہ یار کا خط غبار میں
ہے اسکے دل میں میری طرف سے غبار کیا

کھینچے یہ ابروؤں کی کمانیں ہیں کیوں کھنچی
کیجے گا میرے طائر دل کا شکار کیا

باتیں تمھاری ٹھیک ہیں لیے ناصحو مگر
خود سر یہ دل ہے اس پہ مجھے اعتبار کیا

ہے میرے پاس دل تو ملیں گے بہت حسیں
کچھ آپ ہی پہ حسن کا ہے انحصار کیا

سونگھے جو تیری زلف کی بو مردہ جی اٹھے
اس کے مقابلے میں ہے مشک تتار کیا

دشمن کے دوست دوست کے دشمن بنا کریں
اسکے سوا ہے ماہوشوں کا شعار کیا

تشبیہ دی جو یار کو ماہ تمام سے
کہنے لگا ہے چہرا مرا داغدار کیا

تو بہ کے منہ پہ اڑنے لگیں کیوں ہوائیاں
آیا صبا کے ہاتھ پیام بہار کیا

رنجور ہے سرور مۓ عشق دائمی
کہتے ہیں درد سر کسے اور ہے خمار کیا

آرزو نکلی کسی کی نہ کچھ ارماں نکلا
جو تری بزم سے نکلا وہ پشیماں نکلا

جو رقیبوں کے لیے عیسیٔ دوراں نکلا
وائے قسمت وہ مری جان کا خواہاں نکلا

کیوں نہ ظلمت کدۂ دل ہو ہمارا روشن
زلف شبگوں سے کسی کا رخ تاباں نکلا

چیر کر جب مرے قاتل نے مرا دل دیکھا
آرزوؤں کا وہ اک گنج شہیداں نکلا

تن سے ہر چند مری جان مری جاں نکلی
مرے دل سے نہ ترا ناوک مژگاں نکلا

روتے روتے ہوئیں بے نور ہماری آنکھیں
پھر بھی تیرا نہ بخار لے دل سوزاں نکلا

کوے مسجد سے جب اس بت کی سواری گزری
شوق نظارہ میں زہاد کا ایماں نکلا

فرش رہ دیدہ و دل کرنیکو عاشق دوڑے
سیر کرنیکو جو گھر سے شہ خوباں نکلا

شاد تھے دیکھ کے ہم روئے ملیح دلدار
زخم دل کے لیے لیکن وہ نمکداں نکلا

نہ گئی یاد ترے مصحف عارض کی کبھی
دل آوارہ مرا حافظ قرآں نکلا

تھا جو منظور کہ پامال ہوں عشاق کے دل
سیر کرنیکو وہ بت گھر سے خراماں نکلا

عمر بھر جس کے تجسس میں رہا سرگرداں
وہ نہاں خانۂ دل میں مرے پنہاں نکلا

ہائے شرما کے شب وصل یہ ان کا کہنا
کیا تمھارے دل مشتاق کا ارماں نکلا

دیکھ کر برہمیٔ زلف سیہ کا عالم
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

ہم سمجھتے تھے تجھے ذاکر حق اے زاہد
حور و غلماں کا مگر تو تو ثنا خواں نکلا

تم تو اچھے رہے میرا گھر دل لے کر
کام لیکن نہ مرا تم سے مری جاں نکلا

اے بت زہرہ شمائل ترے عاشق کیلیے
چاہ بابل یہ ترا چاہ زنخداں نکلا

یار آتا ہے چلا خنجر ابرو کھینچے
للّٰہ الحمد مرے قتل کا ساماں نکلا

شیخ جی کہتے تھے آپ آتے ہیں مسجد سے ہم
اب یہ فرمائیے یہ کیا تہ داماں نکلا

بت پرستی بھی ہے اسلام کا دعویٰ بھی ہے
تو تو رنجور اک اعجوبہ مسلماں نکلا

دکھاتا ہے فلک نیرنگیاں شام و سحر کیا کیا
ہوا کرتے ہیں روز اسکے کرشمے جلوہ گر کیا کیا

لکھیں حالات اپنے تجھکو اے رشک قمر کیا کیا
کہ گزرا کرتی ہے فرقت میں ہم پر رات بھر کیا کیا

گئے ہوش و خرد رخصت ہوا دیں اقربا چھوٹے
تمھاری ایک الفت سے ہمیں پہنچے ضرر کیا کیا

زنخداں سیب ہے لب پستہ ہے بادام ہیں آنکھیں
لگے ہیں اس نہال حسن میں اے دل ثمر کیا کیا

کوئی دیکھے تو آ کر میرے دل کا آئینہ خانہ
کہ پیاری پیاری شکلیں اسمیں آتی ہیں نظر کیا کیا

کہاں تک خود ستائی کچھ تجھے اس کی خبر بھی ہے
کہ کہتی ہے تجھے خلق خدا او بے خبر کیا کیا

وہ بالکل بھولے بیٹھے ہیں دلائے کوئی یاد انکو
کہ عاشق پر عنایات آپکے تھے پیشتر کیا کیا

جو اعلیٰ تھے وہ اسفل ہیں جو اسفل تھے وہ اعلیٰ ہیں
کیے عالم کے طبقے چرخ نے زیر و زبر کیا کیا

وہ خوش ہیں صحبت اغیار میں انکی بلا جانے
گزرتے ہیں مصائب عاشق مہجور پر کیا کیا

تڑپ دل کی تغافل یار کا طعنے احبا کے
لکھوں اس اضطراب شوق میں اے نامہ بر کیا کیا

وہ وعدہ کر تو دیتے ہیں مگر جب وقت آتا ہے
کہوں میں کیا کہ کرتے ہیں اگر کیا کیا مگر کیا کیا

گنے اے شیخ تو نے عیب سارے دختر رز کے
مگر یہ بھی تو کہہ آخر کہ ہیں اس میں ہنر کیا کیا

مرے سینہ کی جانب جب بڑھا تیر نظر اس کا
ہدف بننے کو آپس میں لڑے دل اور جگر کیا کیا

کبھی اٹھا کبھی بیٹھا کبھی لیٹا کبھی لوٹا
نہ پوچھو ہجر میں کرتا رہا میں رات بھر کیا کیا

کسی زلف پریشاں کے تصور میں جو نیند آئی
نظر آئے مجھے خواب پریشاں رات بھر کیا کیا

طریق عشق میں اے دل قدم رکھا تو ہے تو نے
مگر کچھ یہ بھی ہے معلوم آئیں ہیں خطر کیا کیا

خیانت سرقہ غصب ایماں فروشی ظلم خونریزی
بنی آدم سے کروا چھوڑتی ہے حرص زر کیا کیا

کوئی دیکھے تماشا میرے گلرو کی نزاکت کی
کہ بل کھاتی ہے بار زلف سے اسکی کمر کیا کیا

ہماری حال پر وہ سنگدل کب تک نہ پگھلے گا
دکھا دیں گے کہ ہیں اس آہ سوزاں میں اثر کیا کیا

تمھاری تلخ باتیں تیکھی چتون پر غضب تیور
ہمارے واسطے ہیں مرہم زخم جگر کیا کیا

زکوٰۃ حسن دینے پر وہ راضی ہوں تعجب ہے
خبر کیا پردۂ خیرات میں پنہاں ہوں شر کیا کیا

غم و رنج والم اندوہ و غصہ یاس و محرومی
مجھے حاصل ہوے اس مزرعۂ دل سے ثمر کیا کیا

امنگیں آرزوئیں ولولے ارماں امیدیں
ہمارے لاشے پر سر پیٹتے ہیں نوحہ گر کیا کیا

بت توبہ شکن غارتگر دیں دشمن ایماں
لکھیں القاب اس کافر کو ہم اے نامہ بر کیا کیا

فرات و نیل و جیحوں روم و شام و کابل و ایراں
تمھاری جستجو میں چھان مارے بحر و بر کیا کیا

چلے دنیا سے دل رنجور لیکن یہ تو بتلاؤ
لیے ہیں ساتھ اپنے تو نے سامان سفر کیا کیا

نہ جانے کس کی جدائی سے دل فگار آیا
کہ اس جہاں میں جو آیا وہ اشکبار آیا

مبارک اے دل ویراں وہ گلعذار آیا
خزاں کا دور گیا موسم بہار آیا

تمھارے دھیان نے مرنے پہ بھی نہ چھوڑا ساتھ
وہ میری قبر میں بھی بن کے یار غار آیا

نگاہ ہوش ربا تھی خرام محشر خیز
عجب ادا سے وہ آشوب روزگار آیا

نہ کیوں ہوں کور سے بینا میں صورت یعقوب
کہ میری آنکھوں کو تھا جس کا انتظار آیا

ہوئے جو مجھ سے مکدر تو میرا کیا بگڑا
تمھارے آئینۂ دل پہ خود غبار آیا

جب ان سے پوچھا کب آؤ گے میرے گھر بولے
ہمارے وعدے پہ کب تم کو اعتبار آیا

لکھا ہے تو نے مجھے کیوں خط غبار میں خط
مری طرف سے ترے دل میں کیا غبار آیا

گئے وہ غیر سے خود ملنے گرم جوشی سے
مگر جو میں نے بلایا انھیں بخار آیا

عدو یہ دیکھ کے اس شمع رو کو پروانہ
میں اس کی بزم سے جب آیا اشکبار آیا

یہ وعدہ کرکے میں اہلِ عدم سے آیا ہوں　　کہ جلد لوٹ کے ہستی سے خاکسار آیا
مجھے جو وادیٔ غربت میں قیس نے دیکھا　　وہ خوش ہوا کہ مرا یارِ غمگسار آیا
ان ابروؤں کی کمانیں بھی کھنچ گئیں فوراً　　نظر کے سامنے جس دم کوئی شکار آیا
کسی کا مجھ کو جگانا یہ کہہ کے صبحِ وصال　　اٹھو کہ ہجر کا اب وقت ناگوار آیا
نہ سمجھوں کیوں مئے الفت کو میں شرابِ طہور　　بجز سرور کب اس سے مجھے خمار آیا
میں انکی بزم میں پہنچا تو بولے اعدا سے　　کہ میرے لطف کا اک اور امیدوار آیا
بچا نہ خنجرِ ابرو کے وار سے کوئی　　جو آیا کوچۂ قاتل سے دل فگار آیا
جو بھول کر رہِ میخانہ پہنچے ہم مسجد　　نمازیوں میں ہوا غل کہ بادہ خوار آیا
تلاش کو تفس تن سے میرا طائرِ روح　　نکلنے کے لیے تیار تھا کہ یار آیا
رہی نہ ایک سی دریائے عشق کی حالت　　ہوا اگر کبھی بھاٹا کبھی جوار آیا
ہے اب فضیلت پیرِ مغاں کا قائل شیخ　　عمامہ میکدے میں جا کے وہ اتار آیا
بجھانے پیاس وہ مجھ تشنۂ شہادت کی　　کمر میں باندھ کے شمشیرِ آبدار آیا
جوان نام خدا ہو گیا بتِ کمسن　　ہمارے نخلِ تمنا میں برگ و بار آیا
میں جب مُوا مرے سینے پہ ہاتھ رکھ کے کہا　　کہ ہائے اب دلِ بیتاب کو قرار آیا

غلط تغافلِ جاناں کا تھا گماں رنجور
تمھاری پرسشِ احوال کا وہ تار آیا

○

بہار آئی گھر اپنا روشن باغِ جناں ہوگا　　ہماری بزم میں اک گل رو میہماں ہوگا
زمین و آسماں کے باہر اے شاطر کہاں ہوگا　　نکالیں گے تجھے ہم ڈھونڈ کر آخر کہاں ہوگا
یہ مانا حور و غلماں سے بھرا باغِ جناں ہوگا　　مگر کوئے بتاں کا لطف اے واعظ کہاں ہوگا
کبھی دورِ زماں میں کیا ہمارے بھی پھریں گے دن　　الٰہی وہ بتِ نامہرباں بھی مہرباں ہوگا
کہا جب میں نے اک امیدوارِ لطف ہوں میں بھی　　تو بولے ہنس کے وہ اچھا تمہارا امتحاں ہوگا
درِ جاناں پہ میری وجہ سے یہ سب بکھیڑے ہیں　　مرے مرنے پہ سگ ہوگا نہ اے دل پاسباں ہوگا

گزند آسیب ہائے دہر سے پہنچے گا کیا مجھکو
تمھارا نام جب ہر دم مرے ورد زباں ہوگا

ضرورت ہمدمو کیا نوحہ گر اجرت پہ لانیکی
مرا ارمان خود لاشہ پہ میرے نوحہ خواں ہوگا

سفر کی اس بہار گلشن خوبی نے ٹھانی ہے
نہال دل ہمارا آہ پامال خزاں ہوگا

جگہ دوں دل میں کیوں کر اسکی تصویر خیالی کو
کہیں سن پائے گا ظالم تو مجھ سے بدگماں ہوگا

ہوا ہے شوق قاتل کو مرے مہندی لگانے کا
اسے پروا ہے کب اسکی کہ خون عاشقاں ہوگا

مبارک ہو کہ دی رنجور نے فرقت میں جاں آخر
مخل اب عیش میں نالہ نہ اس کا میری جاں ہوگا

درون خانہ جانے سے جو مانع پاسباں ہوگا
مرا سر ہوگا اور اس بت کا سنگ آستاں ہوگا

جو پوچھا آپ کا کل شام کو رہنا کہاں ہوگا
تو کہتے ہیں صفائی سے کہ دشمن کے یہاں ہوگا

سفر پہ جب وہ میرا یوسف ثانی رواں ہوگا
جلو میں اس کی میری حسرتوں کا کارواں ہوگا

ہماری مشکلیں ہیں مشکلیں اس کے تغافل تک
سبھی آسان ہو جائیں گی جب وہ مہرباں ہوگا

ذرا اسی جانچ میں کھوٹا کھرا معلوم ہوتا ہے
ہمارے نقد دل کا کب تک آخر امتحاں ہوگا

کہیں اور اب کرو اپنا ٹھکانا اے غم وحرماں
کہ اک بت خانۂ دل میں ہمارے میہماں ہوگا

شکایت تیری دل سے کی تو اس نے بھی برا مانا
غلط امید تھی اس سے کہ میرا ہم زباں ہوگا

مزا اس بت سے اے دل لوٹ لے جبتک ہے شب باقی
قیامت آئیگی جب صبح کو وقت اذاں ہوگا

چلا ہے گشت کو شمشیر ابرو کھینچ کر قاتل
فرشتوں میں بھی برپا آج شور الاماں ہوگا

زباں خشک اپنی کرے شیخ حجرے میں بے چکھے
پیے گا جب تو اس کی مدح میں رطب اللساں ہوگا

فلک مجھ کو ستانے کا مزہ چکھے گا محشر میں
کہ میری آہ آتش بار سے اس پہ دھواں ہوگا

کہاں پاؤگے اے رنجور اماں اسکے مظالم سے
جہاں جاؤگے مثل سایہ سر پر آسماں ہوگا

مرا بخت سیہ اے ہمنشیں روشن کہاں ہوگا
کہ وہ رشک مہ کامل مرے گھر میہماں ہوگا

کہا ظالم سے جب ہم سے نہ اب ضبط فغاں ہوگا
تو اک چوٹ اور دل پر دے کہ وہ بولا کہاں ہوگا

دم آخر کہا بلبل نے داں اب آشیاں ہوگا
جہاں صیاد کا کھٹکا نہ خوفِ باغباں ہوگا

ستم گاری سے اس پیری میں بھی مطلق نہیں تھکتا
نہ جانوں کیا فلک کا حال ہوگا جب جواں ہوگا

بھرا بیٹھا ہوا ہوں میں اگر تم نے کہیں چھیڑا
ابھی آنکھوں سے اشکوں کا ابھی دریا رواں ہوگا

وہ بت ہے اس لڑکپن میں جب اے دل فتنۂ دوراں
قیامت ڈھائے گا نام خدا جب وہ جواں ہوگا

کٹی اپنی تو ساری زندگی ناشادمانی میں
نہ جانیں اس جہاں میں کوئی کیونکر شادماں ہوگا

نگاہ شوق اپنی لامکاں تک جا پہنچتی ہے
کہاں تو اے بت پردہ نشیں ہم سے نہاں ہوگا

ہوا یوں لب کشا وہ بت ہمارے لاشہ پر آکر
پڑے خاموش کیوں ہو قصۂ غم کب بیاں ہوگا

مرا رخت وجود اے دل رہے گا ہو کے خاکستر
کسی دن شعلہ زن آخر مرا سوز نہاں ہوگا

کفن کیوں میرے لاشے کیلیے یارو منگاتے ہو
وہ مجھ سے ناتواں کے واسطے بار گراں ہوگا

کسی نے ان سے جب پوچھا کہ ہو رنجور سے واقف
کہا میں اس کو کیا جانوں کوئی بے خانماں ہوگا

مرے کاشانے میں جب وہ شہ اصنام آیا
شیخ درشن کے لیے باندھ کے احرام آیا

نامۂ یار گر اب تک نہ مرے نام آیا
کیوں نہ اے بخت مری موت کا پیغام آیا

لے کے خط یار کا پیغامبر آتا ہوگا
ہائے کس وقت مری موت کا پیغام آیا

اس تمنا میں کہ اس غیرت خور کو دیکھوں
میرا خورشید حیات آہ لب بام آیا

عرش پر صل علیٰ صل علیٰ کی ہوئی دھوم
جب زباں پر مری اے یار ترا نام آیا

کلمہ گو مرے بت کے ہیں مشائخ بھی اب
کفر کا دور گیا دورۂ اسلام آیا

تیری اے راحت جاں یاد نکالے گی اسے
گر مرے خانۂ دل میں غم ایام آیا

سن رکھ اے دل ہے اگر یار کی خدمت کا خیال
کی خطا غیر نے اور تیرے سر الزام آیا

حشر تک قبروں میں تڑپا کیے لاشے ان کے
تیرے کشتوں کو نہ مرنے پہ بھی آرام آیا

کر دیا قید غم و رنج سے آزاد مجھے
کیوں نہ ممنون جنوں ہوں کہ مرے کام آیا

آج کیا ڈوبتے ہی پھر نکل آیا خورشید　　یا مرا غیرت خورشید سرِ شام آیا

کیسا رنجورؔ سلام اور کہاں کی تسلیم
دور سے وہ مجھے دیتا ہوا دشنام آیا

مدح لکھ بھیجنے پر تحفۂ دشنام آیا　　ان کی سرکار سے کیا خوب یہ دشنام آیا
لے کے اس شوخ کا خط دشمن خودکام آیا　　الغرض میرے لیے موت کا پیغام آیا
کامیابی سے ہوئی یاس نہ ناداں دل کو　　گرچہ سو بار ترے گھر سے وہ ناکام آیا
غیر کو بھیجے گئے بادۂ جاں بخش کے خُم　　سمِ قاتل سے بھرا میرے لیے جام آیا
نامہ بر خط تو مرا لے کے گیا تھا خوش خوش　　خیر ہو کیوں یہ مچاتا ہوا کہرام آیا
تیری گلشن میں خزاں آئی تو لائے بلبل　　مجھ کو کیا غم ہے مرے گھر وہ گل اندام آیا
آ چکا اب دل گم گشتہ ہمارا واپس　　یہ وہ بھولا نہیں جو صبح گیا شام آیا
جب گیا پاس سے وہ غیرت خور رشک پری　　آئی شب ہجر کی یا دیو سیہ فام آیا
بن گیا بلبل شیدا یہ مرا طائر دل　　سامنے جب کوئی دلدار گل اندام آیا
دل مرا عرش خدا سے ہوا بیت الاصنام　　جب سے اس میں قدم عشق بد انجام آیا
کام کیا تیرا اب اے مونس تنہائی غم　　راہ لگ اپنی کہ میرا وہ دلآرام آیا

اس جہاں سے میں تہی دست چلا اے رنجورؔ
ہائے اس وقت زر و مال نہ کچھ کام آیا

میری آہ نارسا دکھلائے گی تاثیر کیا　　اس سے اے ہمدم ہلے گی عرش کی زنجیر کیا
کارگر ہوگی تری بیداد کی تدبیر کیا　　صفحۂ دل سے مٹائے گی تری تصویر کیا
چوٹی گندھا کر جو مجھ سے آپ ملنے آئے ہیں　　ہوگی اب اس تازیانے سے مری تعزیر کیا
نے مری فریاد کی لے ہمدمو آزاد ہے　　جانتی ہی وہ نہیں ہوتا ہے بم کیا زیر کیا
وار کر کے خنجر ابرو کا قاتل چل دیا　　پوچھتا ہی رہ گیا میں ہے مری تقصیر کیا

وہ بنی آدم ہے اے بت اور پری تو رشکِ حور
مانی و بہزاد کھینچیں گے تری تصویر کیا

ہم سے بے پوچھے جو اس پر آپ قابض ہو گئے
تھا یہ ملکِ دل ہمارا آپ کی جاگیر کیا

ہے حقیقت نعرۂ ہو حق کی مجھ پر منکشف
چل سکے گی میرے آگے شیخ کی تزویر کیا

بخشتا ہے یہ شہیدوں کو حیاتِ جاوداں
آبِ حیواں ہے ترا آبِ دمِ شمشیر کیا

جس کو دیکھا فوراً اسکے دل کو قابو میں کیا
جانتا ہے وہ بتِ پرفن فنِ تسخیر کیا

رات دیکھا تھا ہلالِ عید میں نے خواب میں
آئے تم مجھ کو بتانے خواب کی تعبیر کیا

گر ہمارا خانۂ دل عرشِ باری ہے تو ہو
حرمت اس گھر کی کرے گا وہ بتِ بے پیر کیا

جائے اشک آنکھوں سے میری خون آتے دیکھکر
کہتے ہیں پھوٹی دلِ بیمار کی نکسیر کیا

دردِ دل سے ہو گئی رنجور کو کلی شفا
اس کے حق میں شربتِ دیدار تھا اکسیر کیا

.... اخلاص کے اے دوستو تسخیر کیا
خاکساری کے سوا دنیا میں ہے اکسیر کیا

چارہ گر تقدیر کے آگے تری تدبیر کیا
میری قسمت کا لکھا کر دے گی یہ تغییر کیا

محو دل سے وہ کسی صورت بھی مٹتی ہی نہیں
ہے تری تصویر بھی میرا خطِ تقدیر کیا

کاٹ کر میعاد قیدِ زلف پہنچا ہوں یہاں
اے فرشتو قبر میں ہے اب یہ دار و گیر کیا

مجھ کو تیرا دیکھنا تھا اور مر جانا مرا
تھا ترا تیرِ نظر قاتل قضا کا تیر کیا

ہجر کا کھٹکا ہے اسکے واسطے سوہانِ روح
وصل کی خوشیاں منائے عاشقِ دلگیر کیا

ہے مرے بت کے سراپا کے سوا لے واعظو
آیۂ فی احسنِ تقویم کی تفسیر کیا

کیجے مجھ دیوانے کو زلفِ مسلسل میں اسیر
ڈالتے ہیں آپ میرے پاؤں میں زنجیر کیا

تیغ تیرے ہاتھ میں ہے اور میرا سر ہے خم
قاتل اب ہے امتحاں میں باعثِ تاخیر کیا

پاس اس کے نیزہ بازانِ مژہ کی ہے سپاہ
مشکل اس کو میرے ملکِ دل کی ہے تسخیر کیا

جب خدا تک کو بھلا بیٹھا ہے اپنے دل میں وہ
یاد مجھ عاشق کو رکھے گا بتِ بے پیر کیا

مدح خوانی پر مری اس غیرتِ گل نے کہا
پھول جھڑتے ہیں ترے منہ سے دمِ تقریر کیا

کیا سبب اس کا کہ آپ اس کو مٹا سکتے نہیں   ہے ہمارے دل کی حسرت بھی خط تقدیر کیا

پاؤں کیوں اٹھتے نہیں تیرے سوئے ملک عدم
ہے خیال یار اے رنجور دامن گیر کیا

کسی کے حسن کا رعب اپنے دل سے جا نہ سکا   میں حرف آرزو اپنی زباں پہ لا نہ سکا
میں راہ پر دل گم کردہ رہ کو لا نہ سکا   صنم کدے سے سوئے کعبہ منہ پھرا نہ سکا
وہ میری قبر پہ بولے کہ لاکھ من مٹی   اٹھائے تو ہے مگر بار غم اٹھا نہ سکا
نہ چھوڑنا تھا نہ چھوڑا امید نے دامن   خیال یار کسی طرح دل سے جا نہ سکا
ہمیشہ اس نے دیا کام اس کو لوری کا   میں پوری غم کی کہانی کبھی سنا نہ سکا
فلک مرے دل امیدوار کی حسرت   کچھ آبروئے عدو تھی کہ تو مٹا نہ سکا
ہوا تھا شوق ترنم کہ غیر آ پہنچا   غرض ہماری غزل گا کے وہ سنا نہ سکا
دم اپنا اے بت پردہ نشیں نہ گھٹتا کیوں   کہ تیرے ہجر میں اف تک زباں پہ لا نہ سکا
کچھ اس قدر تھا بڑا اس کے سر پہ عمامہ   کہ شیخ کوچۂ خانہ میں سما نہ سکا
نگاہ شوق نے سب حال کہہ دیا من و عن   غرض کہ عشق کا راز اس سے میں چھپا نہ سکا
کچھ ایسی چمٹی مری خاک کوئے جاناں سے   کہ باد تند کا جھونکا اسے اڑا نہ سکا
مرا نہال امید لگتے ہی ہوا پامال   کہاں کا ثمرہ وہ نشو و نما بھی پا نہ سکا
کچھ ایسا روٹھا تری طرح مجھ سے میرا بخت   کہ آج تک اسے اے یار میں منا نہ سکا
نظر تو بازوئے قاتل کو لگ گئی نہ کہیں   وہ میرے قتل کو شمشیر کیوں اٹھا نہ سکا

وہ بولے لاشۂ رنجور سے گلے مل کر
غم فراق کی تو ہائے تاب لا نہ سکا

[1] کیا کہوں اے یار تیرے ہجر میں کیوں کر رہا   ماہی بے آب کی مانند میں شب بھر رہا

---

[1] یہ غزل دوسری بیاض میں بھی شامل ہے لیکن اس میں شعر ۲، ۴، ۶-۹، ۱۱-۱۳ موجود نہیں۔

انتظار نامہ بر میں جان لب پر آ گئی
خانۂ جاناں میں کیا کمبخت جا کر مر رہا

تیرے دیوانے سے کب صحرا نوردی چھٹ سکی
بیڑیوں کے بدلے اس کے پاؤں میں چکر رہا

بار سر سے ہو گئی مجھ کو سبکدوشی تو کیا
بار احساں تیغ قاتل کا تو گردن پر رہا

ہو سکی دشت جنوں میں بھی نہ تنہائی نصیب
ہم رکاب اپنے غم و اندوہ کا لشکر رہا

میری مرتے ہی مری جاں رکھنا چڑھا اسپر غلاف
میرے جیتے جی تو عریاں آپ کا خنجر رہا

یہ کہوں کیوں کر کہ تنہائی کی جھیلیں سختیاں
دھیان تیرا ہجر میں بھی میرا ہمبستر رہا

پھر رہا کوئی نہ مشتاق شہادت میرے بعد
تشنۂ خون شہیداں یار کا خنجر رہا

عشق کے افسوں کے دو بول اپنے دل پر چل گئے
بے اثر بالکل اصول عقل کا دفتر رہا

بولے وہ میرے عزاداروں سے ماتم ہے فضول
خاک سے پیدا ہوا تھا خاک میں مل کر رہا

پاس ناموس بت پردہ نشیں میں جان دی
اور سینے ہی میں پنہاں عشق کا دفتر رہا

زینہ ٹھہرا وصل جاناں کا جب اپنا ہی محال
عاشقوں کو جان کے جانے کا پھر کیا ڈر رہا

کی ہمیشہ اس نے فرقت میں رفاقت یار کی
میرے پاس اس وقت کب میرا دل مضطر رہا

جس کی بھولی شکل دیکھی اس پہ آیا لوٹ کر
کب مرے قابو میں یہ میرا دل خود سر رہا

لاشۂ رنجور پہ کہتے ہیں کس افسوس سے
ہائے درد ہجر اس کی جان ہی لے کر رہا

170659
16.10.97

بھلا کیا پوچھنا ہے تیرے شانے کی رسائی کا
ملا ہے کام اسکو زلف کی عقدہ کشائی کا

ہمارے شیشۂ دل کو نہ دو صدمہ جدائی کا
لیا ہے دل تو سیکھو ڈھنگ بھی تم دلربائی کا

میرا بت سوئے مسجد بے نقاب اسوقت جاتا ہے
لفافہ کھل نہ جائے شیخ جی کی پارسائی کا

ہما کے سائے کی کیوں ہو تلاش اے ہمدمو مجھکو
فزوں ہے رتبۂ شاہی سے بھی اس در کی گدائی کا

ضرورت خضر یا الیاس کی کیا راہ الفت میں
اٹھایا ہے خود اپنے دل نے بیڑا رہنمائی کا

ہوئی کیا کند اسکی تیغ براں قتل سے میرے
نہیں کیوں شوق اب قاتل کو شمشیر آزمائی کا

رہے ہوش و خرد ایمان و دیں سب مجھ سے بیگانے
ملا ثمرہ یہ اس نا آشنا کی آشنائی کا

ہوا گو پیر لیکن تیرے آگے طفل مکتب ہے
سبق لے چرخ کج رفتار تجھ سے کج ادائی کا
مری مدحت سرائی پر وہ بولے گالیاں دیکر
جواب اسکے سوا کیا تھا سلام روستائی کا
ہمیشہ وہ کہا کرتے ہیں مجھ سے لن ترانی کی
خدا کی شان بت کرنے لگا دعویٰ خدائی کا
نہ کی جب تم سے اے رنجور خود دل نے وفاداری
گلہ بے سود ہے اس بے وفا سے بے وفائی کا

گلہ کیا کر رہا ہے بے رخی کا کج ادائی کا
مزہ چکھ لے دل خود سر کسی کی آشنائی کا
گلہ اے شاہ خوباں کیا تری بے اعتنائی کا
مجھے رونا ہے بخت واژگوں کی نارسائی کا
قفس میں بند ہونے پر کہا بلبل نے رو رو کر
بجائے وصل گل یہ ثمرہ پایا خوش نوائی کا
ہوا خوں اس دل شوریدہ کی اک اک تمنا کا
یہ ثمرہ ہاتھ آیا الفت دست حنائی کا
مکدر کیوں مری جانب سے میرا یار رہتا ہے
خیال اس کو نہیں آئینۂ دل کی صفائی کا
کمر باندھی ہے مجھ سے سخت جاں کا سر اڑانیکو
خدا ہی حافظ اے قاتل تری نازک کلائی کا
نکالا ہوں دکھا کیا جس بزم سے سو بار ذلت سے
وہیں پھر لے چلا یہ دل برا ہو بے حیائی کا
مرا ٹوٹا ہوا دل جڑ گیا بس دو ہی باتوں میں
تری شیریں کلامی میں اثر تھا مومیائی کا
ہوا یہ سن کے شادی مرگ میں شوق شہادت میں
کہ قاتل کو ہوا ہے شوق اب تیغ آزمائی کا
اگر ہیں خوبیاں تجھ میں عیاں ہو جائینگی از خود
زباں رکھ بند اے دل کیا نتیجہ خود ستائی کا
نہیں اس سنگدل کے دل پہ اے رنجور اثر کچھ بھی
نشاں گو اس کے قدموں پہ ہے تیری جبہ سائی کا

ترے جلوے ہیں موجودات عالم میں عیاں کیا کیا
ترے انوار ہیں آنکھوں کے پردے میں عیاں کیا کیا
کروں اپنی زبان گنگ سے اے بت بیاں کیا کیا
کہ تجھ میں دست صانع نے بھری ہیں خوبیاں کیا کیا
میں ہوں مست مئے عرفان حق مجھ سے کوئی پوچھے
کہ ان آنکھوں کے پردوں میں تماشے ہیں نہاں کیا کیا
الم اندوہ حرماں یاس غصہ رنج ناکامی
عطیے ہیں تمہارے میرے پاس اے مہرباں کیا کیا

اٹھا پہلو سے دلبر دل سے آرام وسکوں نکلے
ہوئے ہنگامے برپا صبح ہنگام اذاں کیا کیا

کبھی غفلت کبھی جور وستم سے کام لیتے ہیں
ہوا کرتے ہیں میری عاشقی کے امتحاں کیا کیا

ہجوم شوق انبوہِ تمنا مجمع ارماں
لٹے ہیں وادیٔ عشق بتاں میں کارواں کیا کیا

سڑی کہتا ہے کوئی کوئی وحشی کوئی سودائی
ملے ہم کو خطاب اس عشق میں اے جان جاں کیا کیا

درازی ہجر کی شب کی کہ غم کی داستاں اپنی
یہ شب ہے وصل کی چھوٹی کروں ان سے بیاں کیا کیا

کوئی مو اور کوئی تارِ نظر اس کو سمجھتا ہے
تمہاری نازک اور پتلی کمر پر ہیں گماں کیا کیا

جہاں آنکھوں میں گو تاریک ہے مایوس کیوں ہوں میں
خبر کیا غیب کے پردے میں جلوے ہوں نہاں کیا کیا

نہ اب قصر فریدوں ہے نہ اب ایوان کسریٰ ہے
مٹائے ناموروں کے چرخ نے نام ونشاں کیا کیا

مثال دانہ افلاطون و بطلیموس سے دانا
پسے ہیں آہ زیر آسیائے آسماں کیا کیا

یہ سرسید کی تربت ہے یہ شبلی کی یہ حالی کی
ہوئے زیر زمیں رنجورؔ گنجینے نہاں کیا کیا

گلگشت کو چلا ہے تو چل خار دیکھ کر
رنجورؔ ہوشیار خبردار دیکھ کر

بولے وہ مجھ کو مرنے پہ تیار دیکھ کر
خوش ہو گے اب تو حوروں کا دیدار دیکھ کر

واعظ جو مدح حور میں رطب اللسان تھا
بھولا وہ باتیں یار کا دیدار دیکھ کر

اے دل ہمیشہ رہتے ہیں پہلوئے گل میں خار
کرنا کسی حسین کو تو پیار دیکھ کر

رہنے کو میرے دل میں وہ آئے تو تھے مگر
لوٹے وہ اس مکان کو مسمار دیکھ کر

خود پیش یار رکھ دیا سر اپنا کاٹ کر
اس جسم ناتواں پہ اسے بار دیکھ کر

کیا علم تھا کہ ظرف وضو ہے سبوئے مئے
میں معتقد تھا شیخ کو دیندار دیکھ کر

مجھ کو کھلائیں وادیٔ الفت میں ٹھوکریں
رہبر کیا تھا دل کو تو ہشیار دیکھ کر

رخصت ہوئے حواس تو دل ہاتھ سے گیا
اے جان تیری شوخیٔ رفتار دیکھ کر

وحشت کا زور ہے کہ چلو سیر دشت کو
الجھن سی ہوتی ہے در و دیوار دیکھ کر

دیکھو بہار میرے دل لالہ گوں کی تم
کیا لطف اٹھاؤ گے گل و گلزار دیکھ کر

جس دل میں کل تھی سیر گلستاں کی آرزو — وہ آج خوش ہے وادی و کہسار دیکھ کر

ق

میری خطائیں خود ہوئیں میرے لیے شفیع — رحم اس کو آیا مجھ کو گنہگار دیکھ کر
دستِ کرم نے پلۂ نیکی جھکا دیا — میری بدی کا پلّہ گراں بار دیکھ کر
کرتے وہی ہیں راہ ترقی کی جلد طے — چلتے ہیں جو زمانے کی رفتار دیکھ کر
دنیا کے کاموں میں تو یہ کھاتی ہے ٹھوکریں — دیں میں بنانا عقل کو معیار دیکھ کر

رنجور آئے وہ جو عیادت کو وقت نزع
روئے وہ میری موت کے آثار دیکھ کر

○

بلا سے وہ مجھ سے گئے لڑ جھگڑ کر — وہ اپنا بگاڑیں گے مجھ سے بگڑ کر
زمیں پر چلیں آج ہم کیوں اکڑ کر — اسی میں تو رہنا ہے اک روز گڑ کر
نہ جانوں عدو کیا گیا ان کو جڑ کر — کہ پہلو سے میرے اٹھے وہ بگڑ کر
کٹے کیوں کر اب منزل گور دیکھیں — یہاں تک تو پہنچے ہیں ہم بچھڑ کر
بڑی خوب میری بھی ہے آج قسمت — وہ گھر میرے آئے ہیں دشمن سے لڑ کر
مزے وصل کے آہ اغیار لوٹیں — مریں ہجر میں ایڑیاں ہم رگڑ کر
بہار دو روزہ پہ خوش کیا ہے بلبل — رہے گا یہ گلزار اک دن اجڑ کر
ظفر پائیں اعدا پہ کیوں کر مسلماں — کٹے مرتے ہیں یہ تو آپس میں لڑ کر
اگر دلرباؤں پہ جاتا ہے جائے — رکھوں اپنے دل کو کہاں تک جکڑ کر
نہ جائے گا خالی تمھارا نشانہ — رہے گا خدنگ نظر دل میں گڑ کر
اگر جسم میں ہوں تو تو میری جاں ہے — جیوں گا میں کس طرح تجھ سے بچھڑ کر
ترقی کے میداں میں سب دوڑ نکلے — ہمیں رہ گئے قافلے سے بچھڑ کر
رہی گر یوں ہی یورش یاس و حرماں — رہے گی مرے دل کی بستی اجڑ کر
مرا نخل دل پھل تو لاتا کہاں تک — کہ آخر رہا بیخ و بن سے اکھڑ کر

وہ رو بیٹھے ہیں لیکن اگر ہاتھ آئے
منا چھوڑوں گا انکو پاؤں پکڑ کر

ہمیں بار خاطر نہ لے قبر کرنا
ترا گھر بسایا ہے ہم نے اجڑ کر

ہوا غصے سے رنگ ان کا بھبھوکا
بنی اور بھی ان کی صورت بگڑ کر

کہیں قیدیٔ زلف چھٹ کر نہ بھاگیں
انھیں باندھو زنجیر سے تم جکڑ کر

در خلد پر شیخ اگر کوئی روکے
چلا آئیو میرا دامن پکڑ کر

گئے ایسے ارماں کہ پھر کر نہ آئے
بسی پھر نہ یہ دل کی بستی اجڑ کر

تپ غم میں رنجور آخر سدھارا
نہ جانبر ہوا ہائے بیمار پڑ کر

اے بوالہوس ہوتے ہیں عشاق بشر اور
وہ رکھتے ہیں دل اور دماغ اور جگر اور

گر تیرا ارادہ ہے کچھ اے رشک قمر اور
ہم ڈھونڈ نکالیں گے کوئی نور نظر اور

سر میرا مرے تن سے جدا کر کے وہ بولے
گر عشق کا سودا ہے تو جا لا کوئی سر اور

کیوں کر کہوں اللہ کی مخلوق بہت ہے
آتا نہیں کچھ تیرے سوا مجھ کو نظر اور

کیوں ٹھہرے غم و رنج مرے خانۂ دل میں
ملتا نہ تھا کیا انکو جہاں میں کوئی گھر اور

آتے ہیں چلے آپ ابھی رنجیدہ کہاں سے
اب جائیے اے جان جہاں غیر کے گھر اور

کسطرح نہ میں تیری ہی چوکھٹ پہ ڈھے دوں
دیکھا ہی نہیں میں نے جہاں میں کوئی گھر اور

دیکھی جو میری آمد و رفت اپنی گلی میں
کہنے لگے کیا اور نہیں راہ گزر اور

کیا قدر ہو آنکھوں میں تری گوہر دل کی
درکار ہے اس کے لیے اے یار نظر اور

مسمار مرا خانۂ دل ہو کے رہے گا
برسے یونہی گر کوئی گھڑی دیدۂ تر اور

آئیگا کوئی دم میں وہ بت بہر عیادت
اے پیک اجل بہر خدا کچھ تو ٹھہر اور

جی بھر کے مجھے کر ہدف تیر مظالم
پھر تجھ کو ملے گا نہ کوئی سینہ سپر اور

یہ دل تو مرا اک بت رعنا کا مکاں ہے
جا ڈھونڈ لے اپنے لیے اے غم کوئی گھر اور

تیور ہی کہے دیتے ہیں حال دل انساں
ہے قہر کی آنکھ اور محبت کی نظر اور

میں کہنے لگا ان سے جو حال دل مضطر — گھبرا کے وہ بولے کہ سنا کوئی خبر اور
وہ قتل مجھے کر کے عجب درد سے بولے — مرتا رہا تو مجھ پہ مگر اب تو نہ مر اور

پھل لا چکا رنجور ترا نخل تمنا
جو پھولتے پھلتے ہیں وہ ہوتے ہیں شجر اور

دے گیا درد جگر مجھ کو مداوا ہو کر — مار ڈالا مجھے ظالم نے مسیحا ہو کر
جانب اصل ہی ہوتی ہے ہر اک شے راجع — خاک میں مل گئے ہم خاک سے پیدا ہو کر
ابھی طفلی ہی میں حسن اس کا غضب ڈھاتا ہے — کیا کرے گا وہ جوانی میں دوبالا ہو کر
جلوۂ روئے ملیح اس نے دکھایا پھر آج — پھر مرا زخم ہرا ہو گیا اچھا ہو کر
ڈھونڈتے کیا ہو مرے سینہ میں دل اور جگر — بہہ گئے آنکھوں سے وہ خون تمنا ہو کر
سرفرازی اسے دے خواہ کر اس کو تہ تیغ — سر تسلیم ہے خم جو تجھے کرنا ہو کر
وہ مرے ساتھ نہ کر جس کا سزاوار ہوں میں — جو کچھ اے یار تری شان کو زیبا ہو کر
کاش آنکھوں سے یہ چشموں کی روانی نہ رکے — کہ وہ کچھ دیر رکیں محو تماشا ہو کر
ترک دنیا تو نہیں شیوۂ اسلام مگر — تارک دیں نہ بنو طالب دنیا ہو کر
جاں بلب دیکھ کے مجھ کو مری قاتل نے کہا — کیا چلے حوروں سے ملنے مرے شیدا ہو کر
جس میں اعدا کو ہوئی عزت و توقیر نصیب — حیف ہم نکلے اسی بزم سے رسوا ہو کر
یا خدا اس سے مرے جائے نہ یہ جوش جنوں — وہ مجھے دیکھتے ہیں محو تماشا ہو کر
جان جانے کو تھی تن سے کہ مری جاں تم آئے — رہ گیا کوچ کا سامان مہیا ہو کر

جان رنجور نے دے دی تپ فرقت میں مگر
کچھ خبر اس کی نہ لی تم نے مسیحا ہو کر

بت بنے ہیں آئینے میں اپنی صورت دیکھ کر — سخت حیرت میں ہیں وہ خالق کی قدرت دیکھ کر
ہے گل رعنا خجل تیری نزاکت دیکھ کر — زرد خورشید فلک تیری صباحت دیکھ کر

نفع یہ مجھ کو ہوا اس بت کی صورت دیکھ کر
تازہ ایماں ہو گیا خالق کی قدرت دیکھ کر

جبتک انکو مجھ سے پردہ تھا رکاوٹ دلمیں تھی
آ گئی آنکھوں میں مروت میری صورت دیکھ کر

آستان یار تک جب مجھ کو لے جاتا نہیں
شاد ہوں کیا خاک رضواں قصر جنت دیکھ کر

میں کتاب عشق خوش خوش پڑھنے بیٹھا تھا مگر
ہو گئے اوسان رخصت فصل فرقت دیکھ کر

کیا خبر اے منعمو تم کو کہ ہے آرام کیا
قدر آسائش کی ہوتی ہے مصیبت دیکھ کر

آرزوئے وصل جاناں میں ہوا اپنا وصال
حسرتیں سر پیٹتی ہیں میری تربت دیکھ کر

ناصحو عشق حسیناں سے کروں کیوں کر گریز
دل مچل جاتا ہے مری بھولی صورت دیکھ کر

اے اجل اب خودکشی کر کے خود آتا ہوں چلا
تھک گیا میں راہ تیری ایک مدت دیکھ کر

میں نے جب قاتل کے آگے سر جھکایا شوق سے
ہو گئے اعدا نگوں سر میری جرأت دیکھ کر

دل جلے میرا نہ کیوں کر مثل شمع اے شعلہ رو
بزم میں اعدا سے تجھ کو گرم صحبت دیکھ کر

شادمانی سے ہمیں کیا کام رنجور حزیں
چین پاتا ہے دل اپنا غم کی صورت دیکھ کر

○

اعدا کو سرافراز کیا سر پہ چڑھا کر
مٹی میں ملایا مجھے نظروں سے گرا کر

گرماؤ نہ دشمن سے بغل مجھ کو دکھا کر
تاپو تو نہ یوں گھر میں مری آگ لگا کر

یہ خوئے تغافل تری اچھی نہیں ظالم
ہم تجھ سے وفا کرتے ہیں تو ہم سے جفا کر

ترشی سے بھی اترا ہے کہیں نشۂ الفت
اے مشفق من ہوش کی تو اپنے دوا کر

پہلو میں ترے شیخ اٹھے زور کی اک ٹیس
دکھلائے اگر جلوہ وہ چلمن کو اٹھا کر

وہ بھاگتے تھے مجھ سے بہت دور مگر اب
لایا ہوں انھیں راہ پہ باتوں میں لگا کر

ہوگا غضب ابھی جو کہیں کاکل برہم
اٹھکھیلیاں اس سے تو نہ اے باد صبا کر

آپ اپنی زباں سے نہیں گر تجھ کو عداوت
جو وہ کہیں اے دل اسے خاموش سنا کر

کیا پا گئے دشمن سے صلہ لطف و کرم کا
پچھتاتے ہیں کیوں آج مجھے آپ ستا کر

کیا آج عدو سے نہیں وہ گرمئ صحبت
سرد آہیں جو بھرتے ہو مری دل کو جلا کر

قاتل ہی اب دل میں ٹھنی ہے کہ نہ چھوڑوں   رکھ لوں ترے پیکاں کو کلیجے سے لگا کر

افسوس کہ رنجور نے عمر اپنی گنوادی
اس جان کے خواہاں سے تعلق کو بڑھا کر

کیوں رک گیا تو ہاتھ میں خنجر کو اٹھا کر   اے یار مرا خون ہو بے جا کہ بجا کر
اے شیخ جی کہیے قسم اللہ کی کھا کر   کیا رات لیے جاتے تھے خرقے میں چھپا کر
قبل اس سے کہ ظالم مرے پہلو سے الگ ہو   للہ مرا سر بھی مرے تن سے جدا کر
اے دل اسے تو چین سے سونے دی دگرنہ   پچھتائے گا سوتے ہوئے فتنے کو جگا کر
بے مجھ کو اجازت لیے اللہ ری دلیری   دل آپ مرا لے چلے پہلو میں دبا کر
ہو وعظ کا جلسہ کوئی یا محفل رنداں   جس بزم میں بیٹھے وہ اٹھے رنگ جما کر
میں پیش خدا خون کا دعویٰ نہ کروں گا   ناحق ہی پشیمان ہو خوں میرا بہا کر
کیوں کر کوئی ٹھہرائے اسے موردِ الزام   باتیں وہ کیا کرتے ہیں پہلو کو بچا کر
ملتی جو نہیں اس سے نکلنے کی کوئی راہ   پچھتاتے ہیں اب خانۂ دل میں وہ سما کر
صادق تجھے سمجھیں گے نہ ہم اے بتِ کافر   گو وعدہ کرے ہاتھ میں قرآں اٹھا کر
اے یار نہ رہ درپئے آزار خلائق   اپنا جو بھلا چاہے تو اوروں کا بھلا کر

وہ لاشۂ رنجور پہ کہنا یہ کسی کا
آخر یہ رہا عشق میں جان اپنی گنوا کر

اے چارہ گر اب ہاتھ مداوا سے اٹھا کر   کرنا ہے اگر کچھ تو مرے حق میں دعا کر
ساتھ اپنے رکھو زلف کی زنجیر پہنا کر   جاتے ہو کہاں تم مجھے دیوانہ بنا کر
بت میں بھی نظر آئے گی اللہ کی قدرت   اے شیخ ذرا چشم حقیقت بھی تو وا کر
کچھ شک نہیں ظالم کہ تری تیکھی نگاہیں   اک روز رہیں گی مجھے مٹی میں ملا کر
چھوڑے گا کہاں خون کا داغ آپ کا دامن   جائیں تو بھلا آپ مرا خون بہا کر

دکھلاتے ہیں ہم جذبۂ الفت کے تماشے
جاتے ہیں کہاں آپ مجھے آنکھ دکھا کر

اللہ نے جب تجھ کو سرافراز کیا ہے
اے یار ہر اک شخص سے تو جھک کے ملا کر

اے چارہ گر آسان نہیں اسکی شفا کچھ
بیمار محبت کو حوالہ بخدا کر

بے وجہ یہ ہم پر نظر قہر نہیں آج
آئے ہیں کسی سے یہ ضرور آنکھ لڑا کر

کیوں تجھ کو پس و پیش ہے میں سینہ سپر ہوں
تو شوق سے مجھ کو ہدف تیر جفا کر

وہ رشک قمر شام کو یہ کہہ کے سدھارا
بیٹھا رہا تو رات بھر اب تارے گنا کر

مرنے پہ بھی احسان مرے دوش پہ رکھا
اس بت نے جنازہ مرا کاندھے پہ اٹھا کر

پیری میں بھی رنجور وہی یاد بتوں کی
اے مرد خدا اب بھی تو تو ذکر خدا کر

یہ ہوا عالم پریشاں زلف جاناں دیکھ کر
جیسے چونک اٹھے کوئی خواب پریشاں دیکھکر

شاد کیا ہوں زندگی کے ساز و ساماں دیکھکر
ہو گیا افسردہ دل گور غریباں دیکھکر

شوق و ارماں آتے ہیں ہر وقت مجرے کیلیے
خانۂ دل میں مرے اس بت کو مہماں دیکھکر

کیوں مری اشکوں کی طغیانی ترقی پر نہ ہو
ہائے وہ ظالم ہے خنداں مجھ کو گریاں دیکھکر

مصحف رخسار سے اپنے اٹھا دے بے نقاب
کافر ایماں لائیں گے آیات قرآں دیکھکر

باغ عالم میں کبھی ہنستا کبھی روتا ہوں میں
گل کو خنداں دیکھکر شبنم کو گریاں دیکھکر

جب نکیرین آئے میرے پاس حیراں ہو گئے
داغ ہائے دل سے مرقد میں چراغاں دیکھکر

اے صبا ہو جا ہوا تیرا یہاں کیا کام ہے
غنچۂ دل کھل گیا اک گل کو خنداں دیکھکر

مجھ کو ظلم و جور کے سہنے میں ملتا تھا مزا
کیوں پریشاں ہوں نہ ظالم کو پشیماں دیکھکر

آپ گھونگھٹ میں چھپا ہی رہنے دیں روئے ملیح
زخم دل میرا ہرا ہوگا نمک داں دیکھکر

اپنی زلفوں کو خدا کے واسطے سلجھائیے
دم الجھتا ہے مرا انکو پریشاں دیکھکر

کوئی کیسا ہی حسیں ہو یا تونگر ہو تو ہو
دل اگر انساں کسی کو دے تو انساں دیکھکر

سونگھ کر بو زلف مشکیں کی معطر ہے دماغ
خانۂ دل ہے منور روئے تاباں دیکھکر

اے امیدو تم میرے خانۂ دل میں بسو
یار گھبراتا ہے اپنے گھر کو ویراں دیکھکر

خون رلوائے گی مجھ کو عارضِ گلگوں کی یاد
دل نہ اے رنجور بہلے گا گلستاں دیکھکر

رہیں آزارِ فرقت کیوں دیا تو نے دوا ہو کر
ہمارا مدعی کیوں ہو گیا تو مدعا ہو کر

نہ ہو گے تم الگ مجھ سے جو میری جاں خفا ہو کر
رہے گی میرے تن سے جان بھی آخر جدا ہو کر

ترے پتھر سے دل میں کاش استقلال بھی ہوتا
تغافل تو نہ کرتا بانیِ جور و جفا ہو کر

نگاہ لطف سے تیری مجھے یہ کب توقع تھی
کہ وہ اترے گی سینے میں مرے تیرِ قضا ہو کر

اے بہرِ خدا کیوں ڈالتے ہو ورطۂ غم میں
ڈبوتے کیوں ہو میری کشتیِ دل ناخدا ہو کر

نکالا میں گیا جس بزم سے سو بار ذلت سے
وہیں جاتا ہوں پھر اس دل کے ہاتھوں بے حیا ہو کر

ہماری روح بھی بیزار ہے قالب میں رہنے سے
گیا ہے جب سے وہ آرامِ جاں ہم سے خفا ہو کر

نہ کیونکر مانکے جلتے ہی تڑپ کر جان دیتا میں
کہیں ماہی رہی ہے زندہ دریا سے جدا ہو کر

نمک سے کیوں اسے بھرتا ہے اے قاتل ترے حق میں
دعائیں کر رہا ہے ہر دہانِ زخم وا ہو کر

اسی دن کے لیے اے دل تجھے مرشد بنایا تھا
گرایا تو نے چاہِ غم میں مجھ کو رہنما ہو کر

بنائیں گے کہیں صحرا میں جا کر آشیاں اپنا
نہ لیں گے نام گلشن کا قفس سے ہم رہا ہو کر

توقع کیا بتِ ناآشنا سے آشنائی کی
دکھائی دل نے جب ناآشنائی آشنا ہو کر

تعجب ہے کہ تم اس زندگی پر جان دیتے ہو
بقا لے غافلو انسان پاتا ہے فنا ہو کر

مٹا کر نقشِ ہستی کو جمایا میں نے رنگ اپنا
بنا میں سرمۂ اربابِ بینش خاکِ پا ہو کر

کبھی میں خاک بھی ہو کر ترا دامن نہ چھوڑوں گا
لپٹ جاؤں گا اس سے گردِ راہِ مدعا ہو کر

ترے کہنے سے ناصح چھوڑ دوں عشق اس ستمگر کا
بنوں راحت طلب میں خوگرِ جور و جفا ہو کر

بتوں کا دردِ الفت مجھکو ہے اکسیر جوروں کا
برا کہتا ہے کیوں واعظ مجھے درد آشنا ہو کر

وہ میری لاشے پر کہتے ہیں یہ کیا ہو گیا تم کو
اب آنکھیں کیوں نہیں وا کرتے مشتاقِ لقا ہو کر

پھریں کیوں مارے مارے ہم تلاشِ آبِ حیواں میں
حیاتِ جاوداں لے خضر پا لیں گے فنا ہو کر

ملے مٹی میں لیکن حسرت پابوس باقی ہے
کسی کی دیکھتے ہیں راہ چشم نقش پا ہو کر

پری رویوں کو مجھ سے پہلے کوئی پوچھتا بھی تھا
مجھی سے اڑتے ہیں میری بدولت کیا سے کیا ہو کر

عبث رکھتے ہو دل میں سوء ظن زاہد سے ای رندو
وہ بے حرمت کریگا دخت رز کو پارسا ہو کر

بھریں کان اسکے اعدا شوق سے اللہ مالک ہے
ہمارا کیا بگاڑے گا وہ بت ہم سے خفا ہو کر

مری جانب اشارہ کر کے وہ دشمن سے کہتے ہیں
بنے ہیں آپ عاشق بابدولت کے گدا ہو کر

نسلی افسوس تو نے اے مسیحا کچھ خبر اس کی
موا رنجور آخر درد دل میں مبتلا ہو کر

نام لے اللہ کا اس بے وفا کی یاد چھوڑ[1]
اس سے امید وفا تو لے دل ناشاد چھوڑ

آہ مظلوموں کی ہرگز رائیگاں جاتی نہیں
اوبت کافر خدا کا خوف کر بیداد چھوڑ

بند کر لینا قفس میں پھر خزاں کے دور میں
فصل گل میں بلبل شیدا کو ای صیاد چھوڑ

جانے بھی دے اب مجھے دشت جنوں کی سیر کو
رحم کر للہ میرا ہاتھ اے فصاد چھوڑ

اے دل مضطر ترے محبوب کی مرضی ہے ہجر
کام لے شکر و رضا سے نالہ و فریاد چھوڑ

دل میں جو ٹھانی ہے کر چک رحم کر دم میں آ
قتل ہی کر دے مجھے ہرگز نہ اے جلاد چھوڑ

کیا بگڑتا ہے ترا صحرا نوردی سے مری
پاؤں میں کیوں ڈالتا ہے بیڑیاں حداد چھوڑ

اے دل آوارہ اب بھی مان کہنا عقل کا
اور اطاعت عشق کی اے خانماں برباد چھوڑ

خنجر ابرو ترا کافی ہے میرے قتل کو
قاتل بے رحم فکر خنجر فولاد چھوڑ

ظلم کرتے کرتے کیوں غفلت کو تو نے راہ دی
کب کہا میں نے کہ بیداد اے ستم ایجاد چھوڑ

اپنے دیوانے کی بھی داستان عشق سن
من گھڑت افسانہ ہائے وامق و فرہاد چھوڑ

ہے غلامی تیری میرے واسطے شاہنشہی
تو ارادہ اس سے کرنیکا مجھے آزاد چھوڑ

میرے ملک دل کو عیش و کامرانی سے بسا
اے شہ خوباں اسے تو یوں نہ غیر آباد چھوڑ

جانتا ہی وہ نہیں کچھ بھی سوا بیداد کے
اے دل اس بیداد گر سے تو امید داد چھوڑ

---

[1] یہ غزل دوسری بیاض میں بھی موجود ہے۔ لیکن اس میں شعر ۳، ۵، ۷ - ۱۵ موجود نہیں۔

سیکھلے قوم ابھی باتیں اہل یورپ سے مگر　　ہو نہ بے دینی میں ان کے متبع الحاد چھوڑ
یوں رہ اے رنجور کلکتے میں جبتک ہو خوشی
پر نہ من حیث وطن پٹنہ عظیم آباد چھوڑ

پہنچی نہ ہم کو یار کی کوئی خبر ہنوز　　لے کر جواب خط نہ پھرا نامہ بر ہنوز
سجدوں پہ سجدے کرتا ہوں آٹھوں پہر ہنوز　　دیکھا مگر نہ اس کا کوئی بھی اثر ہنوز
آیا نہیں وہ جان جہاں میرے گھر ہنوز　　ظاہر نہ جذب دل کا ہوا کچھ اثر ہنوز
کچھ ایسے جانے والے گئے اس جہان سے　　لوٹا کوئی نہ پہنچی کسی کی خبر ہنوز
بچپن سے دیکھتے ہیں زمانے کا چل چلاؤ　　لیکن ہوا نہ ہم کو خیال سفر ہنوز
جب سے نکالا تو نے مجھے اپنے در سے یار　　پھرتا ہوں مارا مارا یونہی دربدر ہنوز
چھانے تمام شہر و بیابان و دشت و کوہ　　ملنے کی اس کے راہ نہ آئی نظر ہنوز
گو کب کا میں تمہاری محبت میں مر مٹا　　باندھے ہوئے ہو قتل پہ میرے کمر ہنوز
ہر چند اپنے موے سیہ تک ہوے سپید　　لیکن ہوئی نہ ہجر کی شب کی سحر ہنوز
بے اس کے کب سے آنکھوں میں تاریک ہے جہاں　　آیا نہ میرے پاس وہ رشک قمر ہنوز
میری طرف سے آپ نے گو پھیر لی نگاہ　　اس پر بھی آپ ہیں مجھے مد نظر ہنوز
آئی بہار ابھی جو گلستان میں تو کیا　　بلبل قفس میں بند ہے بے بال و پر ہنوز
میں کب سے دشت عشق میں کھاتا ہوں ٹھوکریں　　لیکن ملا مجھے نہ کوئی راہ بر ہنوز
مجھ کو کہاں نصیب مئے وصل ہمدمو　　پیتا ہوں میں تو ہجر میں خون جگر ہنوز
قاتل خدا کے واسطے اک ہاتھ اور بھی　　تن سے جدا ہوا ہی نہیں میرا سر ہنوز
آنکھیں ہیں شوق دید میں وا بعد مرگ بھی　　آیا مگر نہ یار مرے لاشے پر ہنوز
مجروح دل بھی ہو گیا حسن ملیح کا　　بھرنے نہ پائے تھے مرے زخم جگر ہنوز
سینچا تمام عمر اسے آب اشک سے　　نخل امید میں نہ لگا کیوں ثمر ہنوز
حاصل ہوئی جو فتح عدو پر تو اس سے کیا　　پائی نہ اپنے نفس پہ ہم نے ظفر ہنوز

پھولے پھلے ہوں اوروں کے گو نخلِ آرزو — میرا نہال دل نہ ہوا بارور ہنوز
رنجور یہ جان کے بھی لالے پڑ گئے
مٹنے نہ پائے تھے مرے داغِ جگر ہنوز

گو گنا ہوں کے سوا کیا ہے گنہگار کے پاس — پھر کمی کیا ہے عنایات کی غفار کے پاس
کعبے کو جانے کی واعظ نہ مجھے دے تکلیف — مجھ کو رہنے دے پڑا یار کی دیوار کے پاس
بزم میں اپنی اگر مجھ کو نہیں دیتا جگہ (کذا) — جانجاں مجھ کو پڑا رہنے دے دیوار کے پاس
دور جاتے ہیں کہاں لاشے کو لیکر احباب — کیوں نہیں کرتے مجھے دفن درِ یار کے پاس
زندگی میری کٹی فرقتِ جاناں میں تمام — اب تمنا ہے کہ ہوں دفن درِ یار کے پاس
نذر کو لایا ہوں یہ نقدِ دل اے سیم بدن — اور کیا چیز ہے مجھ بے زر و نادار کے پاس
دولتِ حسن میں تیری ہے کمی کس شئی کی — مجھ سے سائل کے لیے کیا نہیں سرکار کے پاس
چھوڑ دے کاٹ کے پر گر نہیں کرتا ہے رہا — لا نہ صیاد قفس مرغ گرفتار کے پاس
اپنے قبضہ میں ہے دے کے بھی تحفۂ دل — اور کیا ڈھونڈتے ہو بے زر و نادار کے پاس
نقد دل لایا ہوں لے تجھ کو پسند آئے اگر — کچھ نہیں اس کے سوا تیرے خریدار کے پاس
چشم کور اس کی ابھی دوستو بینا ہو جائے — لاؤ یوسف کو اگر طالب دیدار کے پاس
عمر جب کٹ گئی مجھ رند کی میخانے میں — قبر بھی میری بنے خانۂ خمار کے پاس
جب کہا میں نے دوا دو تپِ فرقت کی مجھے — ہنس کے کہنے لگے جاؤ کسی عطار کے پاس
ناز پھر اپنی نزاکت پہ نہ ہو اس کو کبھی — گل اگر آئے تمہارے گل رخسار کے پاس
اس کا خود چہرہ اجالا ہے اندھیرے گھر کا — کام کیا شمع کا اس روئے پر انوار کے پاس
بس لگن تیری ہی ہر ایک کے دل میں ہے لگی — کچھ سوا اس کے نہیں کافر و دیندار کے پاس
زرد رو شرم سے ہو مہر درخشان فلک — لائیں گر اس کو تمہارے درِ شہوار کے پاس
کوئی بھی مجھ سا زمانے میں نہ ہوگا بے کس — ایک دل ساتھ تھا اب وہ بھی ہے دلدار کے پاس
تیغ کافی ہے مرے قتل کو کیوں لائے ہو تیر — کام مژگاں کا نہیں ابروئے خمدار کے پاس

آئے ہو بہر عیادت تو نہ بیٹھو چپ چاپ — باتیں تسکیں کی مری جاں کرو بیمار کے پاس

حال دل کہنے سے بھی وہ تو خفا ہوتا ہے — کیا کروں شکوۂ اعدا بتِ عیار کے پاس

عشق ابرو میں کیا میں نے نہ مرنے سے گریز — خود گلا میں نے رکھا یار کی تلوار کے پاس

نرگسی آنکھوں سے رنجور کو کیوں دیکھتے ہو
لوگ لاتے نہیں بیمار کو بیمار کے پاس

رہے گا تو کب تک نہاں جذب دل — ذرا ان پہ ہو جا عیاں جذبِ دل

نہ کر ہم سے دم بازیاں جذبِ دل — بس اب انکو لے آ یہاں جذبِ دل

میں دیکھوں تو کیوں کر نہ وہ آئیں گے — ذرا بڑھ کے لینا تو ہاں جذبِ دل

وہ کترائے جاتے ہیں گھر سے مرے — ذرا بڑھ کے لینا تو ہاں جذبِ دل[1]

کرم آپکا تھا جو تشریف لائے — نہیں تو کہاں میں کہاں جذبِ دل

چھپے اور کھلے ہیں اسی کی مدد — نہاں جذب دل اور عیاں جذبِ دل

مرے پاس دلبر کو لایا نہ تو — نہ تھا تجھ سے ایسا گماں جذبِ دل

گلہ یار کی کج ادائی کا کیا — نہیں مجھ پہ جب مہرباں جذبِ دل

وہ پیغام پر بھی مرے گھر نہ آئے — بس اب ہے ترا امتحاں جذب دل

نہ کام آیا آخر تو رنجور کے
گئی ہجر میں اسکی جاں جذبِ دل

یہ کہہ کے پھیرتا ہے مجھے میرا یار دل — میں لے کے کیا کروں گا ترا داغدار دل

اس سنگدل پہ آیا جو یہ نابکار دل — اس کی سزا یہی ہے کہ ہو سنگسار دل

روئے نہ ہجر یار میں کیوں زار زار دل — حرماں نصیب و سوختہ و خستہ خوار دل

کب تک کریگا یار کا تو انتظار دل — مشتاق دل گرفتہ دل امیدوار دل

---

[1] یہ مصرع اور پچھلے شعر کا مصرعۂ ثانی غالباً سہواً مکرر نقل کر دیا گیا ہے۔

ان مہوشوں کو کیجیو ہرگز نہ پیار دل ہونا پڑے گا ورنہ تجھے داغدار دل
سینہ میں جمع رکھتا کہاں تک بخار دل غم کی گھٹا گھر آئی ہوا اشکبار دل
اس ایک دل کی جان جہاں کوئی امل ہے کرتا نثار تجھ پہ جو ہوتے ہزار دل
اس طور سے روانہ ہوا کاروان دوست یار آگے آگے جاتا تھا پیچھے ہزار دل
دار وے وصل جلد خدا کے لیے پلا درد فراق سے ہے بہت بیقرار دل
مجھ کو جو چھوڑ کر بتِ عیار کا ہوا کیوں ہو نہ میری آنکھوں میں بے اعتبار دل
گر سنگدل بنانا تھا ان دلرباؤں کو پہلو میں میرے دیتا نہ پروردگار دل
پاتا ہے چین دشت و بیاباں کی سیر وحشی دل و رمیدہ دل و بیقرار دل
روکوں میں سیر وادیٔ الفت سو کب تلک جاتا ہے جائے یہ شتر بے مہار دل
راتیں تمام مصحف عارض کی یاد میں آنکھوں میں کاٹتا ہے یہ شب زندہ دار دل
رسوا ہوا ذلیل ہوا تیری چاہ میں ذی رتبہ دل عزیز دل و باوقار دل
لیتے ہو لو پر اس کو رکھو آب و تاب سے میلا نہ ہو کہیں گہر آبدار دل
چکموں میں یہ بھی اس بت پرفن کی آگیا سمجھا تھا میں کہ ہے یہ بہت پختہ کار دل
تو وہ مکاں ہی رہتا ہے جس میں وہ جانجاں کیوں ہو ہزار جاں سو نہ تجھ پر نثار دل
ان بھولی صورتوں میں خدا جانے کیا ہے بات ہوتا ہے ان کو دیکھ کے بے اختیار دل
رنجور ہم نے خوب مزے عشق کے چکھے دیں گے کسی حسیں کو نہ اب زینہار دل

رنجور میں نے لاکھ بچایا نہ بچ سکا
تیر نگہ کا ہو گیا آخر شکار دل

○

عرش خدائے پاک ہے دولت سرائے دل کیوں ہو نہ آسماں پہ دماغ گدائے دل
دے حسن دلربا جو بتوں کو خدائے دل ہے کس کی یہ مجال کہ ان سے بچائے دل
دنیا میں کوئی بھی نہیں میرا سوائے دل دل میرا آشنا ہے میں ہوں آشنائے دل
تقدیر میں لکھے تھے جو صدمے فراق کے پتھر ہمارے سینہ میں ہوتا بجائے دل

یہ حسن دلربا جو بتوں کو عطا ہوا / اللہ کی طرف سے لیے مبتلائے دل
احباب مجھ سے کہتے ہیں دل اسکو کیوں دیا / دیکھا جو اس کو کہنے لگے ہائے ہائے دل
بندوں کو جس عذاب میں چاہے خدا رکھے / ہاں دام زلف میں نہ کسی کا پھنسائے دل
ناز و نعم میں پائی ہے جب دل نے پرورش / صدمے فراق یار کے کیونکر اٹھائے دل
روکوں میں کب تک اس بت کافر پہ جا نہ ہو / سنتا ہی جب نہیں تو جہنم میں جائے دل
کیا بیٹھے سنتے ہیں گل و بلبل کی داستاں / آئیں ادھر وہ مجھ سے سنیں ماجرائے دل
عاشق ہوا جو دست حنائی پہ آپ کے / مل دیجے چٹکیوں سے یہی ہو سزائے دل
ہاتھوں میں مہندی مل کے کرو میرے دل کا خون / مانگوں گا میں نہ تجھ سے کبھی خوں بہائے دل
کیا نذر پیشکش کرے اس شاہ حسن کے / پاس اس گدا کے مال ہی کیا ہے سوائے دل
دکھلا کے سم مجھے مرے عیسیٰ نے یہ کہا / تیرے لیے مفید یہی ہے دوائے دل

رنجور دلبروں کو مرا دور سے سلام
تقدیر جن کی پھوٹے وہ ان سے لگائے دل

ہوئی جو بات مجھ کو دل سے حاصل / نہ ہوتی مرشد کامل سے حاصل
ترے شوق لقا میں اس قدر لطف / ہوا ہے دوری منزل سے حاصل
طریق عشق میں توفیق رحمت / ہوئی دشواری منزل سے حاصل
بلاتے کیوں ہو ہم افسردہ دل کو / ہماری شرکت محفل سے حاصل؟
ترے خود دل میں ہے اے قیس لیلیٰ / تلاش ناقہ و محمل سے حاصل؟
انھیں گھر لیے سو سو منتوں سے / مراد اپنی ہوئی مشکل سے حاصل
کہا جب ان سے میں مرتا ہوں تم پر / وہ بولے دعوی باطل سے حاصل؟
ہے شیخ ریا اے شیخ بے کار / نہ ہوگا حق کبھی باطل سے حاصل
نہ باز آؤں گا اپنی دھن سے ناصح / تری تقریر لاطائل سے حاصل
برا ہو سخت جانی کا مرا کام / نہ ہوگا خنجر قاتل سے حاصل

مری جانب ہے جب یہ سرد مہری
مجھے کیا گرمیٔ محفل سے حاصل

جو میرے دشمن جانی کا ہے دوست
مرے پہلو میں ایسے دل سے حاصل

کسی زہرہ جبیں کو دل نہ دوں گا
اسیریٔ چہ بابل سے حاصل

نہیں کچھ سہل اردو میں مہارت
یہ ہوتی ہے بڑی مشکل سے حاصل

جب آنکھیں اپنی ہوں بے نور
مجھے مہر و مہ کامل سے حاصل

لہ اس شعر کے بعد اگلا شعر صرف اس قدر ادھورا نقل ہوا ہے۔

مجھے ناکامیوں سے آ گیا صبر
ہوا ... ...

ٹھانا ہے جی میں اور سے اب لَو لگائیں ہم
جوں شمع تیرے ہجر میں دل کیوں جلائیں ہم

رنجور بخت خفتہ کو اپنے جگائیں ہم
آج اس پری کو اپنے بغل میں سلائیں ہم

کیوں زلف خم بہ خم میں دل اپنا پھنسائیں ہم
بیٹھے بٹھائے سر پہ بلا مفت لائیں ہم

قاصد کو بھیج کر نہ اب ان کو بلائیں ہم
بہتر ہو جذب دل کا اثر آزمائیں ہم

اس گلعذار کو جو کہیں دیکھ پائیں ہم
پھر پوچھیے نہ ہم سے کہ کیا گل کھلائیں ہم

تڑپائیں اپنے دل کو کہاں تک فراق میں
آ تیغ یار تجھ کو گلے سے لگائیں ہم

سن کر زبان یار سے تعریف زلف یار
کیوں دل میں مثل سانپ کے سو بل نہ کھائیں ہم

کب تک رکیں بلا سے جو آن جانے جائے
روٹھا ہے یار جائیں اب اس کو منائیں ہم

دیتا ہے عدو کو تو اک ہاتھ ادھر لگا
پیاس اپنی آب تیغ سے قاتل بجھائیں ہم

آ کر گلے لگائے جو وہ گلبدن ہمیں
جامے میں پھر تو اپنے نہ پھولے سمائیں ہم

جو جو ادا ہے آپ کی وہ دلفریب ہے
حیراں ہوں کیوں کر آپ سے دل کو بچائیں ہم

دلبر کو دیکھ کر تڑپ ایسی غضب کی ہے
پہلو میں اپنے دل کو کہاں تک دبائیں ہم

قاتل یہ سر بھی دوش پہ بھاری تھا ضعف سے
احسان تیری تیغ کا کیوں کر اٹھائیں ہم

کس منہ سے پھر شکایت دلدار ہم کریں
قابو میں جب خود اپنے ہی دل کو نہ پائیں ہم

روئے کبھی جو غم سے تو امید سے ہنسے
پائے ہیں ہجر میں جو ترے کیا بتائیں ہم

کیوں دل میں یاد زلف چلیپا کو دیں جگہ
کیوں خانۂ خدا کو کلیسا بنائیں ہم

کاٹے سے پھر کٹے گا نہ طول شب فراق
کیا فائدہ جو ربط بتوں سے بڑھائیں ہم

دل آگیا ہے ایک بت گلعذار پر
کس کس چمن کی دیکھیے اب خاک اڑائیں ہم

ٹھکرا کے میری قبر کو کہنے لگا وہ شوخ
فرمائیے کہ آپ کی اب خاک اڑائیں ہم

دل کو تو اس کی چاہ میں رنجور کھو چکے
ایسا نہ ہو کہ جان بھی اک دن گنوائیں ہم

وارفتہ تھے کچھ ایسے تلاش صنم میں ہم
جانے کو بت کدے میں گئے پہنچے حرم میں ہم

گر اور کچھ نہیں نظر لطف ہی سہی
دیں گے نہ تم کو گوہر دل اس سے کم میں ہم

خالی نہیں یہ خندہ بھی تیرا ہے طنز سے
انداز ظلم پاتے ہیں تیرے کرم میں ہم

انکار اگر ہے وصل سے دیجے جواب صاف
کب تک پڑے رہیں تری لا و نعم میں ہم

کیا خاک دل میں لطف و کرم کی ہو آرزو
پاتے ہیں اب تو لطف کسی کے ستم میں ہم

فرقت میں یار خوش ہی تو ہم بھی ہیں اسیں خوش
کیوں زندگی بسر کریں رنج و الم میں ہم

بے اختیار انھیں دم رخصت بھی وہ نہ آئیں
کرتے ہیں اس جہاں سے سفر کوئی دم میں ہم

جینے نہ دیں گے تیرے چلن طفل دل ہمیں
اک روز جان دیں گے ترے رنج و غم میں ہم

مانا کہ ہم سے ملنے کو تم آؤ گے مگر
اس وقت تک تو پہنچیں گے ملک عدم میں ہم

کس منہ سے شکر خالق منعم ادا کریں
پیدا کیے گئے ہیں جو خیر الامم میں ہم

پاتے نہیں وہ روئے حسینان دہر میں
جو حسن پاتے ہیں ترے نقش قدم میں ہم

ہر چند وہ ہماری محبت کا دم بھریں
رنجور آنے والے نہیں ان کے دم میں ہم

ہمی اب دل میں ٹھانی (اکرام) ہجر میں کوئی صنم میں ہم
اگر رہنے نہ پائیں جا بسیں ملک عدم میں ہم

بہت دم بازیاں کیں اب بھی ملنا ہو تو ملجا تو
کہ دنیا سے سفر کرنے کو ہیں اب کوئی دم میں ہم

یہ کیا سوجھی تجھے ظالم جفا سے ہاتھ کیوں روکا
کرم کا لطف پاتے تھے تری جور و ستم میں ہم

ہماری بخت کی برگشتگی سننے کے قابل ہے
چلے تھے جستجوئے دیر میں پہنچے حرم میں ہم

یہ تیرے حیلے بیجا ہیں ہماری بت پرستی پر
اسی کا جلوہ واعظ پاتے ہیں روئے صنم میں ہم

دکھا تو سبز باغ اوروں کو جا کر او بت پرفن
یہ ناممکن ہے ناممکن کہ آئیں تیرے دم میں ہم

جواب صاف دیدے یا ہماری آرزو بر لا
رہیں گے کب تک اے ظالم تری لا و نعم میں ہم

عدو کی زندگی تو شادمانی میں گزرتی ہے
تری پاپوش کے صدقے سے گزرتے ہیں غم میں ہم

نظر آتی نہیں اب کوئی راہ اپنی رہائی کی
پھنسے بے طرح رنجور اس کی زلف خم بہ خم میں ہم

اس بت سفاک کے کوچے میں اب جاتے ہیں ہم
بخت برگشتہ کو اے دل راہ پر لاتے ہیں ہم

اک جھڑی اشکوں کی چشم تر سے برساتے ہیں ہم
ابر تر سے گوئے سبقت آج لیجاتے ہیں ہم

کس طرح کوئی سنائے داستاں اپنی تمہیں
ہم تو آئے ہیں مگر کہنے کہ اب جاتے ہیں ہم

شوق سیر کوچۂ قاتل سے باز آتا نہیں
اس دل شوریدہ سر کو لاکھ بہلاتے ہیں ہم

کیا ڈرے گا کوئی واعظ دیو یا عفریت سے
تیری صورت دیکھ کر جس طرح ڈر جاتے ہیں ہم

کیا کہیں کس طرح جیتے ہیں تمہارے ہجر میں
خون دل پیتے ہیں ہم لخت جگر کھاتے ہیں ہم

آئے تھے کچھ دیر بہلانے دل ناشاد کو
بار خاطر ہو گئے تم کو تو لو جاتے ہیں ہم

مجھ پہ اے قاتل اٹھاتا ہے یہ خنجر کس لیے
دیکھتے ہی تیغ ابرو تیری مر جاتے ہیں ہم

جس چمن سے لے گئے اغیار گلہائے مراد
خار ہائے یاس و حرماں آہ لیجاتے ہیں ہم

ناصحو ہم مرد میدان طریق عشق ہیں
کب سفر کی دوری و زحمت سے گھبراتے ہیں ہم

ہجر جاناں کی گھڑی تو آئیگی جب آئے گی
وصل میں اس کے تصور سے مرے جاتے ہیں ہم

کیوں پشیماں ہو اگر کوئی عنایت ہم پہ کی
کیا تمہیں اے مہرباں دل دے کے پچھتاتے ہیں ہم

گر نہیں تو تیری تصویر خیالی پاس ہے
ہجر میں اس طفل دل کو اس سے بہلاتے ہیں ہم

تیری صورت رہتی ہے ہر دم نظر کے سامنے ہجر میں بھی تیری صحبت کا مزا پاتے ہیں ہم

خانۂ دل کو سمجھتے تھے کہ ہے عرش خدا
لیکن اے رنجور اسے بیت الصنم پاتے ہیں ہم

آ گئے تھے اس طرف اصرار طفل دل سے ہم کیوں خفا ہوتا ہے جاتے ہیں تری محفل سے ہم
جان کہتی ہے کہ کیوں نکلے تن بسمل سے ہم زیر کیوں ہوں زور دست نازک قاتل سے ہم
منتظر کب تک رہیں آب دم شمشیر کے تشنہ کام اے دل چلے اب کوچۂ قاتل سے ہم
عشق جیسا مسئلہ اور اہل شوری صرف دو دل ہمارا مشورہ کرتا ہے ہم کی دل سے ہم
ضد کیا میں نے سوال وصل ان سے چند بار بولے وہ تنگ آ گئے ہیں سخت اس سائل سے ہم
ڈر سے خشک اس کا لہو ہو جان ہو جس کو عزیز سر بکف ہو کر ڈریں کیوں خنجر قاتل سے ہم
ہجر قاتل میں کہاں تک روز و شب تڑپا کریں اب گلے ملتے ہیں جا کر خنجر قاتل سے ہم
جب ارادہ کر لیا قطع طریق عشق کا مرد ہیں گھبرائیں کیوں دشواری منزل سے ہم
ہائے ہم کیا کیا امیدیں دل میں لائے تھے مگر جاتے ہیں مایوسیاں لیکر تری محفل سے ہم
دیکھیے کٹتی ہیں کیونکر حشر تک کی منزلیں پہنچے ہیں اس قبر تک مر مر کے کس مشکل سے ہم
اس دل وحشی کو دیکھو پھر نہ ہرگز چھیڑنا راہ پہ لائے ہیں اسا فوا سے مشکل سے ہم
جانتے ہیں یار سے ملنے کی کوشش ہے فضول پھر بھی باز آتے نہیں اس سعی لاحاصل سے ہم
بھول کر کرتے نہ تجھ سے سنگدل کی آرزو کیا کریں مجبور ہیں اے یار اپنے دل سے ہم
فلسفے عشق کے ہے شیخ بالکل بے خبر بت پرستی پر کریں کیا بحث اس جاہل سے ہم
ہائے وہ خوش ہو کے آپے سے گزرنا قیس کا جب کہا لیلی نے باہر آتے ہیں محمل سے ہم
ہے ترا روئے مصفّائے صنم داغوں سے پاک کس طرح تشبیہ دیں اس کو مہ کامل سے ہم
لائیں تیری سی کہاں سے طبع خشک و بے مزا ناصح مشفق بنے ہیں اور آب و گل سے ہم
ادّعائے عاشقی پر میرے فرماتے ہیں وہ تیرے دم میں آ چکے اس دعوی باطل سے ہم
پیشتر اس کے کہ قاتل وار خنجر کا کرے ہو گئے مجروح تیغ ابروئے قاتل سے ہم

بعد مردن بھی رہی چشم اپنی اس حسرت میں وا
داغ خوں کیوں کر چھڑائیں دامن قاتل سے ہم

بخت تیری نارسائی کی ہے آخر کوئی حد!
دور ہوتے جلتے ہیں ہر گام پر منزل سے ہم

عشق کا دریا نظر آتا ہے ناپیدا کنار
ہم کنار آب دیکھیں کیونکر ہوتے ہیں ساحل سے ہم (کذا)

طعن احباب و فراق دلبر و رشک رقیب
زندگی اپنی بسر کرتے ہیں کس مشکل سے ہم

جان سے بیزار ہے تن تن سے ہے بیزار جان
ہجر جاناں میں بسر کرتے ہیں کس مشکل سے ہم

یار سے ہم کو شکایت ہے نہ دشمن سے گلہ
حضرت رنجور نالاں ہیں خود اپنے دل سے ہم

جا بر گران کے ہو گئے زخم جگر سے ہم[1]
بھاگیں گے دور یار کے تیر نظر سے ہم

کس کی مجال ہے کہ ہمیں جیتے جی اٹھائے
ہو کر غبار اٹھیں گے تری رہگزر سے ہم

در کوئی دوسرا ہمیں معلوم ہی نہیں
گر جائیں بھی تو جائیں کہاں تیرے در سے ہم

ثابت ہوا وہ یار کے نزدیک جاں نثار
کیا خوش ہوں مرگ عدو کی خبر سے ہم

احسان تیغ یار کا بار اپنے سر تو ہے
پر اس کے دم سے اب ہیں سبکدوش سر سے ہم

تو اور مجھ گدا کو بلائے نہ ہے نصیب
پہنچیں گے آستاں پہ ترے اپنے سر سے ہم

یا وعدے کو وفا کرو یا دو جواب صاف
تنگ آ گئے ہیں سخت اگر اور مگر سے ہم

لگ گئے کسی کے اٹھتی نہیں شرم سے نگاہ
جس دن سے گر گئے ہیں تمھاری نظر سے ہم

وقت رحیل سر پہ ہے لیکن ابھی تک آہ
بے فکر ہیں تہیۂ زاد سفر سے ہم

اب ہم میں اور یار میں ہے بعد مشرقین
وہ دن گئے کہ رہتے تھے شیر و شکر سے ہم

کنج لحد میں جا کے گھر اپنا بنائیں گے
اے یار گر نکالے گئے تیرے گھر سے ہم

اف آج کیا مزا در مے خانہ پر ہوا
نکلا تھا پی کے شیخ کہ پہنچے ادھر سے ہم

وہ مجھ کو دیکھتے ہی نظر پھیر لیتے ہیں
داخل ہوں ان کے خانۂ دل میں کدھر سے ہم

اے قبر میہماں ہیں ترے کر نہ تو عذاب
سونے دے ہم کو آئے ہیں تھک کے سفر سے ہم

---

[1] یہ غزل دوسری بیاض میں بھی موجود ہے، لیکن اس میں شعر ۳، ۵، ۹، ۱۰، ۱۲ شامل نہیں۔

کرنا سوال پھر کبھی اے منکر و نکیر
ہیں سخت ابھی تو چور تکان سفر سے ہم

روزانہ آتے ہیں وہ عیادت کے واسطے
صحت نہ پائیں کاش کہ درد جگر سے ہم

زنجیر عرش حضرت رنجور ہل چکی
واقف ہیں خوب آہ رسا کے اثر سے ہم

○

اے فلک ہشیار ہو آہ رسا کرتے ہیں ہم
اٹھتے ہیں تیری دھوئیں محشر بپا کرتے ہیں ہم

سے جب دعوئ تسلیم و رضا کرتے ہیں ہم
شکوۂ جور صنم کرتے ہیں کیا کرتے ہیں ہم[1]

بیاض ۲

○

اسی انداز سے اے دل اگر دور زماں ہوگا
نرالی اب زمیں ہوگی نرالا آسماں ہوگا

پلاؤ قورمہ بریانی و زردہ کہاں ہوگا
بیئر الشام بیکن ہیم نذر میہماں ہوگا

نہ پوچھے گا کوئی مرزا و خان و شیخ و سید کو
جسے مل جائے گی دولت وہ عالی خانداں ہوگا

نہ خاتونوں کو ہوگا کام پان و سرمہ کچھ بھی
ضرورت سرمہ دانی کی نہ فکر پانداں ہوگا

مہذب بیبیاں خود ٹمٹم ہانکیں گی بے کھٹکے
نہ اب اس کام کی خاطر ضروری کوچباں ہوگا

کریں گے فلسفے سے لوگ رد دینی مسائل کو
ہر اک جاہل سے جاہل شخص بقراط زماں ہوگا

ہوا تہذیب کی لاکھوں نئے گل اب کھلائیگی
ہزار اب اور ہی سر میں چمن میں نغمہ خواں ہوگا

ردیف اور قافیے کی قید سے اب ہوگی آزادی
غرض اردو کا شاعر ایک اسپ بے عناں ہوگا

زبانوں سے جو ایران و عرب کی نابلد ہوگا
وہی پبلک کے آگے ماہر اردو زباں ہوگا

غبارے میں ہم اڑ کر خانۂ جاناں میں پہنچیں گے
نہ بیم سگ ہمیں ہوگا نہ خوف پاسباں ہوگا

اگر ہوگا کسی لڑکی سے کوئی طالب شادی
تو پہلے کورٹ شپ سے اسکے لو کا امتحاں ہوگا

---

۱ یہ غزل نامکمل رہ گئی ہے۔ ان دو اشعار کے بعد بیاض ۱ کا اختتام ہوتا ہے۔

خواتیں سیر کو سینے ابھارے جبکہ نکلیں گی
زباں پر ہر تماشائی کے لفظ الاماں ہوگا

یہ دمن، ہوگی کسی صورت سے دنیا ہاتھ آجائے
نہ ہوگی اسکی کچھ پرواہ کہ عقبیٰ کا زیاں ہوگا

پلٹ ہوجائیگی دنیا کی کایا پھر تجھے کیا غم
کہ اے رنجور تو اسوقت دنیا میں کہاں ہوگا

پہلی بیاض کی اولین غزل یہاں دوسری بیاض میں بھی شامل ہے۔ لیکن یہاں اُس غزل کا صرف مطلع اور شعر ۳، ۱۰، ۱۷، ۱۹، ۲۱ شامل ہیں۔ بقیہ زائد اشعار درج ذیل ہیں:

گئے کل رات صاحب کوہ شملہ کی ہوا کھانے
اکیلی میم ہے چمکا نصیبا خانساماں کا

ہوئی کیا ڈاک گاڑی لیٹ کلکتے پہنچنے میں
کہ گیارہ بج چکے لیکن نہ خط آیا مری جاں کا

یقیں ہے آتش سوز دروں سے تار جل جائے
اگر میں تار دوں اس بت کو حال سوز پنہاں کا

پہنچ جاؤں گا بام یار پر بیلون میں اڑ کر
مجھے ڈر کیا اگر دروازے پر پہرہ ہے درباں کا

سلامت لاچکے لندن سے وہ اپنی مسلمانی
وہاں ہر اک بت کافر ادا ہے دشمن ایماں کا

مجھے اخبار میں جنرل نہ لوکل نیوز سے مطلب
مگر ہو اسمیں کالم واقعات کوئے جاناں کا

کہوں کیا میری کیا حالت تھی مارے بوکھلاہٹ کے
جھڑکے سے مس کافر ادا نے جب مجھے جھانکا

تپش سے سوز فرقت کی جلا جاتا ہوں او لیڈی
برائے لاد ڈ جیسیں دیکے سایہ اپنے داماں کا

اگر جاتا ہے تو اے شیخ مسجد چوک کے رستے
تو رکھ نیچی نظر یہ کیا ادھر تاکا ادھر جھانکا

عمامہ سبز سر پر ہے گیسو شانوں پہ چھوٹے ہیں
ذرا بھی شک نہیں اسمیں کہ واعظ ہے بڑا بانکا

ٹھنی ہے سائیکل کی ریس کی اُس مس سے اور مجھ سے
کیا ہے اسلیے اسوقت میں نے قصد میداں کا

کریں گے ڈاکٹر کیا خاک تشخیص تپ فرقت
پتہ تھرما میٹر سے کیا ملے گا سوز پنہاں کا

ہوئیں مس صاحبہ یہ کہہ کے مجھ سے ملنے کی شایق
بڑا شہرہ سنا ہے ہم نے رنجور غزلخواں کا

ہوا نہ پورا مدعا خدا حافظ　　میں نامراد یہاں سے چلا خدا حافظ
دل آپ کا ہوا ہم سے جدا خدا حافظ　　ملیں گے ہم کو بہت دلربا خدا حافظ
مجھے تو چھوڑ کے اے بت چلا خدا حافظ　　ملائے جلد تجھے پھر خدا خدا حافظ
کہا جو میں نے کہ ملک عدم کو جاتا ہوں　　تو ہنس کے کہنے لگا بے وفا خدا حافظ

تمھارا عاشق صادق جو ایک تھا رنجور
ہوا وہ راہی ملک بقا خدا حافظ

کیوں کہوں کچھ بھی نہ ہوگا روز محشر ہاتھ میں　　ہوگا اے رنجور داماں پیمبر ہاتھ میں
لے ہمارے قتل کو کس طرح خنجر ہاتھ میں　　ہاتھ دشمن کا لیے رہتا ہے دلبر ہاتھ میں
جب ہیں دو دو خنجر اس کے چہرہ پر بالائے چشم　　کس لیے رکھتا ہے قاتل ایک خنجر ہاتھ میں
ملتے ہیں مجھ سے دل حاضر ہے لیجے شوق سے　　پر لیے رہیے اسے اے بندہ پرور ہاتھ میں
یہ تو کہیے کیجیے گا کیا دل شیدا کا خون　　لائے ہیں تشریف کیوں مہندی لگا کر ہاتھ میں
شوق سے کیوں ہتھکڑی پہنوں بلا جرم و خطا　　میں نہ لوں گا زلف پر پیچ و معنبر ہاتھ میں
یوں مرے گلرو یہ کرنا چاہتے ہیں یہ نثار　　کیوں لیے ہیں زر چمن کے یہ گل تر ہاتھ میں
آرہا ہے دیکھیے قاتل مرا کس شان سے　　ہے کماں کاندھے پہ اس کے اور خنجر ہاتھ میں
تیغ ابرو کا اشارہ ہی تھا کافی قتل کو　　قاتل آیا ہے عبث تو لے کے خنجر ہاتھ میں
اب بتا کیا دیں اسے ہم جرم الفت کی سزا　　پوچھتے ہیں مجھ سے میرے دل کو لے کر ہاتھ میں
وعدہ کرتا ہے تو رکھ لے مصحف عارض پہ ہاتھ　　قول کرتا ہے تو کر قرآں کو لے کر ہاتھ میں
کس طرح میرے دل سوزاں کو مٹھی میں لیا　　ہمدمو کیوں کر لیا اس بت نے اخگر ہاتھ میں
ہوگیا ہوں جب سے میں سودائی زلف بتاں　　کوبکو لڑکے لیے پھرتے ہیں پتھر ہاتھ میں
تیرے دیوانے کی آرائش ہے بیڑی ہتھکڑی　　ایک زیور پاؤں میں ہے ایک زیور ہاتھ میں
خاک اڑاتا میں تو ہوں دشت جنوں کی یاد سے　　کیوں بہ جھوٹکہے تو لے فصّاد نشتر ہاتھ میں
قطرے شبنم کے ہیں اوراق گل پہ اے صنم　　نذر کرنے کو لیے ہیں پھول گوہر ہاتھ میں

یا خدا رنجور خالی ہاتھ دنیا سے نہ جائے
کوچ کرتے وقت ہو دین پیمبر ہاتھ میں

تشنہ کامی کا مجھے رنجور کیا محشر میں ڈر
امتی اسکا ہوں میں جسکے ہے کوثر ہاتھ میں۔

خدا ہی جانے کتنے عاشق اب تک مار ڈالے ہیں
ترے یہ گیسوئے مشکیں نہیں زہریلے کالے ہیں

جہاں میں گو بہت ناز و ادا و غمزہ والے ہیں
ترے انداز اے جان جہاں سب سے نرالے ہیں

چھپا کر تجھ سے کوئی چیز ہم کب رکھنے والے ہیں
دل و جاں دین و ایماں سب تری ہی بت حوالے ہیں

ہمارے غیرت مہ کے بنا گوشوں میں بالے ہیں
کہ ماہ چاردہ کے دونوں پہلو میں یہ ہالے ہیں

مجال اتنی عدو کی تھی کہ ہم سے اور یوں اٹھتا
یہ وبال اس نے میری جاں تری شہ پر نکالے ہیں

مریدوں پر بٹھائیں سکہ اپنا شیخ جی لیکن
تقدس کی نہ لیں مجھ سے وہ میرے دیکھے بھالے ہیں

نہ کیوں پہلے سے آ موجود ہوں مجری کو امیدیں
وہ تشریف آج کاشانے میں میرے لانے والے ہیں

ہم اپنی جان تک دیدیں گے دل کی کیا حقیقت ہے
تلے جس بات کے کرنے پہ اس سر کٹنے والے ہیں

بس اب خاموش سننے سے کلیجہ منہ کو آتا ہے
غضب کے تیرے اے رنجور درد انگیز نالے ہیں

اف رے نیرنگ نماں شادی کہیں ہے غم کہیں
عیش کے جلسے کہیں برپا ہے ماتم کہیں

کہنے کو جیتے ہیں لیکن مرنے سے بدتر ہیں ہم
یہ بھی کوئی زندگی ہے تم کہیں اور ہم کہیں

پوچھتے ہو حال کیا ہم سے دل آوارہ کا
ایک مدت ہوگئی ہے دل کہیں اور ہم کہیں

انکی قسمت میں نہیں لکھا ہے گر دیدار یار
پھوٹ بھی جائیں ہمارے دیدۂ پرنم کہیں

ایڑیاں کب تک تپ فرقت میں ہم رگڑا کریں
جسم لاغر سے نکل جائے ہمارا دم کہیں

چھیڑتی ہے تو اسے اٹکھیلیوں کی راہ سے
اے صبا الجھیں نہ تجھ سے گیسوئے برہم کہیں

اے صبا جاتی تو ہے انکی خبر لانے کو تو
تجھکو اسکالے (کذا) نہ انکی کاکل پرخم کہیں

ایک مدت مارے پھرنے پر ملی ہے یاں پناہ
اب مرا دل چھوڑ کر جاتا ہے تیرا غم کہیں

ماتم دشمن میں انکی زلف برہم دیکھ کر / ہو نہ ملک دل ہمارا درہم و برہم کہیں
ہے کسی کے سبزۂ رخ پر جو مائل دل مرا / ہو نہ یہ میلان اس کا اسکے حق میں سم کہیں
یا وہ دن تھے رہتے تھے ہم تم مثال جسم و روح / یا یہ دن ہیں جان جاں اب تم کہیں اور ہم کہیں
کیا کروں گا جی کے میں جب تو نہ ہوگا میرے پاس / سامنے تیرے نکل بھی جائے میرا دم کہیں
کوئی مہجور اور کوئی محو وصل مہوشاں / چھائی ہے ظلمت کہیں اور نور کا عالم کہیں

چارہ سازی ہو چکی رنجور کی جراح سے
زخم دل میں ہی کہیں رکھتا ہے وہ مرہم کہیں

کرتے ہیں صرف استقدر زور آپ ناحق دار میں / جان ہی باقی ہے کیا اب آپ کے بیمار میں
چل بسے جب وامق و فرہاد و مجنوں سے رفیق / جی لگے کیا خاک سیر وادی و کہسار میں
بار خاطر ہی ہمیشہ میں وہاں سب پہ رہا / گر ملی بھی باریابی یار کے دربار میں
سنتے ہی منصور گویا مردے سے زندہ ہوا / کیا مسیحائی بھری تھی ہائے نام دار میں
چارہ ساز و موت سے بدتر شفا ہوگی مری / زندگانی کا مزا ہے عشق کے دربار میں
قدر داں میرے متاع بے بہائے دل کی کیا / کیا کروں لے جا کے اسکو حسن کی بازار میں
شیخ صاحب کوئے رنداں میں جو کل جاتے تو آپ / آپ کی دعوت تھی شاید خانۂ خمار میں
یوں تو صدہا دوستی کے مدعی ہم کو ملے / لیکن اے دل دوستی پائی تو دو ہی چار میں
دل لگا کر ہائے اس شعلہ رخ عیار سے / جیتے جی ہی مبتلا ہیں ہم عذاب النار میں
میں حیات تخفیہ چاہوں وہ چاہیں وہ رہے / وصل کی شب کٹ گئی اس حجت و تکرار میں
شاد کیا ہوں انکی اس ضد سے کہ میرے گھر چلو / کچھ نہ کچھ تو اے دل ناداں ہے اس اصرار میں

دیکھے اے رنجور آ کر تجھ کو حال نزع میں
یہ کہاں تاب اس کی چشم نرگس بیمار میں

غرض سرمہ لگانے سے نہ مطلب پان کھانے سے / ہوئی خاصی فرنگن اختری تعلیم پانے سے

بوا فرصت نہیں ہے مجھکو جنکی مدح گانے سے
انھیں کے واسطے میں ہوں بری سارے زمانے سے

بہن بازار سے کیوں دال اور آٹا منگاتی ہو
تمھیں درکار جو ہو لو ہماری مودی خانے سے

خدا رکھے تمھاری لاڈو تو حوروں سے بہتر ہے
تمھیں کیا اس سی میں بھونڈی بھی سارے زمانے سے

زلیخا کی طرح کیوں مول لوں اک دردِ سر باجی
کوئی یوسف بھی ہو میں باز آئی دل لگانے سے

شریکِ رنج میری کب ہو وہ اللہ کی بندی
اسے فرصت کہاں ہے ہائے بوا گانے بجانے سے

عوض پاجامہ و شلوار کے میں گون کیوں پہنوں
مجھے کیا نفع انگلش لیڈیوں کا منہ چڑانے سے

نہ بابا میں انھیں بیٹی نہ دوں گی کچھ بھی ہو جائے
پناہ اللہ کی اقبال مرزا کے گھرانے سے

کہاں ممکن کہ بی بی کو وہ نظروں سے جدا رکھیں
وہ دیکھو آتے ہیں پیارے مرزا زنچہ خانے سے

نہیں وہ ایسے ویسے روٹھنے والوں میں آ بیگم
غنیمت ہے کہ بارے من گئے میرے منانے سے

دیا جب دیدہ و دانستہ سوکن پر اماں کو
تو اب کیا فائدہ اے اصغری ٹسوے بہانے سے

جو للچائی ہوئی دولہا کی نظریں دیکھیں دلہن پر
خوامیں جتنی تھیں سب مل گئیں حیلے بہانے سے

بجا ہے تم نے اس قحبہ کو دیکھا بھی نہیں اب تک
ہٹو کیا فائدہ بیکار سی باتیں بنانے سے

کسی کی نوج اس کی سی محرم کی ہو پیدائش
اسے ہے کام روز و شب بس اک ٹسوے بہانے سے

میاں رنجور یوں سو بار آئیں اپنی مرضی سے
مگر ممکن نہیں آیا کہ وہ آئیں بلانے سے

یہاں تک یار گھبراتا ہے میرے گھر میں آنے سے
کہ مجرم بھی نہ گھبرائے گا ہرگز جیل خانے سے

وہ گو لندن گئی لیکن نہ توڑا رشتۂ الفت
کھلا یہ پاس سے اس پیاری مس کے تار آنے سے

اتر جاؤں گا صحن خانہ میں بیلون میں اڑ کر
مجھے روکے تو دربان خانۂ جاناں میں جانے سے

بھنویں بھوری کرنجی آنکھیں ہیں آپ اپنی زیبائش
نہ مستغنی ہو کیوں پیاری مس سرمہ لگانے سے

دیئے ہیں جب اسی نیچر نے خود لب ہائے رمانی
کرے وہ کیوں لبوں کا خون ناحق پان کھانے سے

یہ کیا معنی کہ وہ نامہ نہ لکھے بھول کر مجھ کو
اڑا لیتے ہیں اعدا خط ہمارے ڈاکخانے سے

ہمارے درمیاں جاری ہیں وائرلیس ٹیلیگرافی
غرض ہے نامہ بر سے کچھ نہ مطلب ڈاکخانے سے

فقط ہے تیری مسے کا خیال اے مس ہمیں ورنہ
اڑا دیں سارے اعدا کو ابھی ہم توپخانے سے

خدا کی شان مناہی کا جلوہ ہے ہر اک مس میں
نہ کیونکر تازہ ہو ایمان انگلستان جانے سے

گو مس کیلیے ہے ہم سے لمبی چوڑی فرمائش
مگر زائد نہیں پونجی ہماری ڈھائی آنے سے

سنوں میں راگ مالا آپ کی کس وقت اے واعظ
مجھے فرصت نہیں مطلق مسوں کی پیا گانے سے

ترے چرمے کو کھونٹے والی کاٹھی ہم کسا دینگے
تجھے کیا کام او مائی ڈیر ڈولی میلنے سے

مجھے بیشک ہے لازم اک پیانو کی خریداری
کہ از حد شوق اس مدہوش کو ہے گانے بجانے سے

ڈیر مس چوٹی کیوں گندھوا رکھی ہے زلف زریں کی
کرینگی آپ کیا تعذیب دل اس تازیانے سے

مرا زنجیر کفر اس مس نے آخر توڑ کر چھوڑا
مجھے شیری پلا دی اس نے شربت کے بہانے سے

ہرگز نہ ہو کسی کو بھی رغبت شراب سے
حق دے ہر ایک شخص کو نفرت شراب سے

لٹ جاتی آدمی کی ہے دولت شراب سے
فاقوں کی پھر پہنچتی ہے نوبت شراب سے

انسان اور وحوش میں رہتا نہیں ہے فرق
ہوش و حواس ہوتے ہیں رخصت شراب سے

ہر شخص کی وہ خواہ ہو کیسا ہی ذی شعور
دیوانوں کی سی ہوتی ہے حالت شراب سے

ایمان و دین عقل و خرد ہوش اور حواس
بچتا نہیں ہے اک بھی سلامت شراب سے

لاحق ہیں ہوتے اس سے مرض قسم قسم کے
رہتی نہیں درست ہے صحت شراب سے

گرتا ہے چاہ و خندق و دریا میں نشہ خوار
ہوتی ہے آدمی کی ہلاکت شراب سے

مے ہی سبب ہے سرقہ و خون و فساد کا
جرموں کی ہے جہان میں کثرت شراب سے

آباد اس کے دم سے ہیں محبس زمانے میں
آتے نظر ہیں جیل کی صورت شراب سے

اک اک قدم پہ کھاتا ہے مخمور ٹھوکریں
ہوتی ہے آدمی کی بری گت شراب سے

کھو بیٹھتا ہے شرم و حیا کو وہ بادہ نوش
رہتی ہے کچھ بھی شرم نہ غیرت شراب سے

مے نوش کے لیے ہے زنا امر لازمی
بچ سکتی ہے کبھی نہیں خصلت شراب سے

کید و فریب و مکر کی پڑتی ہے اس سے خو
انسان کی بگڑتی ہے خصلت شراب سے

اک گھونٹ بھی پی لی کسی نے گر ایکبار — ہوتی ہے پھر تو اس کو رفاقت شراب سے
میکش ذلیل و خوار ہے رہتا زمانے میں — رہتی نہیں کسی کی بھی عزت شراب سے
مقراض ہے یہ رشتۂ الفت کے واسطے — پڑتی ہے دو دلوں میں کدورت شراب سے
گو بعض نفع بھی مترتب ہوے تو کیا — ہے فائدوں سے بڑھ کے مضرت شراب سے

مانو اگر نصیحت رنجور دوستو
کرنا کبھی نہ بھول کے الفت شراب سے

دغا سے کب جبلت اس بت پر فن کی خالی ہے — نہ جانا اس پہ تو اے کہ صورت بھولی بھالی ہے
جفائیں اس کی گو کوشش کریں اسکی کہ پھر جائے — طبیعت اس پر جب آئی پھر اس سے پھرنے والی ہے
تری شیریں کلامی کے مزے کا پوچھنا ہی کیا — کہ شیریں تر نبات و قند سے بھی تیری گالی ہے
تمھاری مانگ مانگا کرتی ہے عاشق سے جاں اسکی — رہ ملک عدو اس کے لیے گویا نکالی ہے
کہاں یہ ناز یہ عشوے یہ غمزے ماہ رویوں میں — تری جو جو ادا اے رشک مہر کہ وہ نرالی ہے
ستائے خوب مجھ کو اے بت بے پیر دنیا میں — مگر یہ یاد رکھو عقبیٰ میں پرسش ہونیوالی ہے
کہاں اے بت کوئی تجھ سا حسیں ساری خدائی میں — نہ جانیں تیری صورت اس نے کس سانچہ میں ڈھالی ہے
یقیں کیونکر ہو وہ رشک قمر میرے گھر آئے گا — مری قسمت کہاں ای نامہ بر ایسی اجالی ہے
سخن سنجان نام آور سے دہلی آج خالی ہے — نہ ذوق و داغ و مومن ہیں نہ غالب ہے نہ حالی ہے
بجائے وصل کیوں کرتے نہیں تم وعدۂ فرقت — اگر تم نے قسم وعدہ وفا کرنے کی کھائی ہے
ہمارے دل کو مٹھی میں وہ لیکر ہم سے کہتے ہیں — کہ میں نے ایک اچھی سی تمھاری چیز پالی ہے
خبر ہے او دل سرشار جام وصل کچھ اس کی — کہ فرقت کی گھڑی اب کوئی دم میں آنیوالی ہے
قتیل خنجر ابرو تو پہلے ہی کیا تم نے — اب آخر کس لیے شمشیر قاتل نے سنبھالی ہے
گرائے دل "ہر کملے راز والے" کی مثل سچ ہے — تو جائے شکر ہے یہ بھی کہ مجھ میں بے کمالی ہے
سمجھ مجھ کو نہ بیکس اے عدو میں تجھ سے بہتر ہوں — وہ بت ہے گر ترا حامی مرا اللہ والی ہے
مرے دل کو وہ چٹکی سے مسل کر مجھ سے کہتے ہیں — یہ کیوں مائل ہوا مجھ پر یہ اس کی گوشمالی ہے

مجھے جب دیکھتا ہے پوچھتا ہے مجھ پہ عاشق ہو — نئی ترکیب میرے چھیڑنے کی یہ نکالی ہے
سفر کیوں کر کرے گا اے اجل رنجور عقبیٰ کا — کہ وہ تو ذی فراش اب مثل تصویر نہالی ہے

غزل جب ان کی پڑھتا ہوں زباں چٹخارے بھرتی ہے
غضب کی حضرت رنجور میں شیریں مقالی ہے

○

اُدھر نہال مراد دشمن تو خوب ہی پھول پھل رہا ہے — مگر اِدھر نخل دل ہمارا سموم ہجراں سے جل رہا ہے
عدو کی باہوں میں باہیں ڈالے وہ گل چمن میں ٹہل رہا ہے — کسی کی حسرت نکل رہی ہے یہاں مرا دم نکل رہا ہے
بصد ادا و کرشمہ و ناز کوئی اٹھلا کے چل رہا ہے — کہ پاؤں سے اپنے میرے دل کو قدم قدم پر کچل رہا ہے
یہ رازِ الفت چھپائیں کیونکر نہ لب پہ فریاد لائیں کیونکر — ہمارے پہلو میں کوئی بیٹھا ہمارے دل کو مسل رہا ہے
یہ جانتا ہوں کہ سیر کوئے پریوشاں میں ہے خطرۂ جاں — سنبھالوں کس طرح طفل دل کو کہ بے طرح یہ مچل رہا ہے
یہ کہہ رہی ہیں نگاہیں انکی کہ اب کسی کی ہے آئی شامت — گرائیں دیکھوں یہ کس پہ بجلی مرا کلیجہ دہل رہا ہے
اگر بدی کی کسی نے مجھ سے تو میں نے کی نیکی اسکے بدلے — سنبھالا جس دن سے ہوش میں نے اسی پہ میرا عمل رہا ہے
(کذا)
کسی کو گر میرے دل نے چاہا تو اس سے پھر چاہ کو نبا — رہا ہے مخلص یہ گر کسی کا تو مخلص بے بدل رہا ہے
رنگا تھا اب نے ہم کو جس رنگ میں ہے وہ رنگ ہم میں اب تک — خبر نہیں ہم کو اس کی مطلق کہ رنگ دنیا بدل رہا ہے
یہ خانۂ دل جواب ہے ویراں مکیں ہے اب جس میں دیو حرماں — یقین جانو کہ مدتوں تک پریوشوں کا محل رہا ہے
نہ صرف میخوار آج مستی میں آکے ہیں ناچتے تھرکتے — عمامۂ شیخ بھی سنا ہے کہ میکدے میں اچھل رہا ہے
بتا تو ظالم کہ اس تماشہ کے شوق کی بھی کوئی حد ہے آخر — کسی کا لاشہ تڑپ رہا ہے ترا دل اس سے بہل رہا ہے
بہار آئی ہے بلبلو پھر عبث ہو تم تو فسردہ خاطر — دوازدہ ماہ تک چمن میں کہیں خزاں کا عمل رہا ہے
وہ قافلے والے سارے کب کے پہنچ کے منزل پہ آبیٹھے — روانگی کی غرض سے رنجور تو ابھی تک سنبھل رہا ہے

یہ مانوں کیونکر کہ آج رنجور یار کے آگے چپ رہیگا
گیا ہے جب جب یہ اس سے ملنے یہ بے سنائے غزل رہا ہے

○

تم ہم کو شہید ناز لے یار کیا کرتے — ہم شوق شہادت میں مر مر کے جیا کرتے

گر سامنے بے پردہ وہ کافر ادا آتا — کعبہ میں نماز اپنی زاہد بھی قضا کرتے
اس دل کی حقیقت کیا سو جانیں اگر ہوتیں — اے جانِ من اک اک ہم تجھ پہ فدا کرتے
گر تیری توجہ سے بر آئی مراد اپنی — داتا ترے حق میں ہم مولیٰ سے دعا کرتے
اے یار اگر دعوت دشمن کے یہاں ہوتی — کیا اس سے بھی ملنے میں تم عذر حیا کرتے
آتا ہوں میں جب ملنے بن جاتے ہو کیوں بت سے — کچھ اپنی کہا کرتے کچھ میری سنا کرتے

آیا جو نظر دلبر قابو نہ رہا دل پر
دل اس کو نہ دیتے ہم رنجور تو کیا کرتے

آئینہ دیکھ کے اس بت کو یہ حیرانی ہے — کہ خدائی میں ہمارا بھی کوئی ثانی ہے
ناخدا کشتیٔ دل کا ہے خدا ہی حافظ — بحرِ الفت میں بڑے زور کی طغیانی ہے
اپنی زلفوں کو خدا کے لیے سلجھاؤ جلد — ان کی الجھن سے مرے دل کو پریشانی ہے
شیشۂ دل میں وہ اترے تو مگر کہتے ہیں — آپ کے پاس کہاں مہرِ سلیمانی ہے
کیا کہوں تم سے کہ یہ وصل کی شب ہے چھوٹی — داستاں آہ شبِ ہجر کی طولانی ہے
دل میں ہمت ہو تو پتھر بھی ہو پانی لیکن — غم سے رنجور کلیجہ ہی یہاں پانی ہے
اتنی فرصت انہیں کب ہے کہ مرے گھر آئیں — وہ ہیں اور رات دن اغیار کی مہمانی ہے
آؤ جاتے ہو کہاں بیٹھو تماشا دیکھو — قابلِ دید ان آنکھوں کی درافشانی ہے
سنتے ہیں عید منائیں گے وہ اعدا کے ساتھ — آج اس دل کی تمناؤں کی قربانی ہے
غیر سے ملنے گیا ہے اسی رستے سے ضرور — نقش پا یہ نہیں اس گل کی گل افشانی ہے
جب کہا میں نے بتا کیوں تری الفت کو نہیں — ہنس کے بولا کہ یہ دنیائے دنی فانی ہے
کیا یہ مطلب ہے کہ ہو جائیں مرے زخم ہرے — یار کیوں آج یہ پوشاک تری دھانی ہے
کیوں نہ ہم لوگ تہِ دل سے ہوں ممنون بشیر — جن کی جانب سے یہ ہم احباب کی مہمانی ہے

جن کی سرگرمی و کوشش کی بدولت رنجور
منعقد آج یہاں بزم غزل خوانی ہے

ریختی

نہ جب تک میرے گھر سے یہ متائی بیسوا نکلے　　　نہیں ممکن مرے دل سے کوئی بھی مدعا نکلے

وہ حاتم ہیں اگر اوروں کے حق میں اس نے مجھکو کیا　　　مرے حق میں تو اک باجی وہ تاروں کے چھلے نکلے

کسی کی نوج ملانوں کی سی ہو اونگھتی شادی　　　نہ کوئی آرزو نکلے نہ کوئی حوصلا نکلے

انہیں اللہ میاں کی گائے میں ابتک سمجھتی تھی　　　مگر آپا چھپے رستم یہ ننھے میرزا نکلے

نگوڑی مونگ دلنا چاہتی تھی میری چھاتی پر　　　مری منہ سے نہ اس کے حق (میں) کیونکر بلا نکلے

وہ کہتی تھی پرائے مردوؤں سے میں نہیں ملتی　　　مگر کل میں نے دیکھا اسکے گھر سے میرزا نکلے

کہے کوئی خطا الزام سارا میرے سر پہ کیا　　　مجھے تم جوتیاں مارو اگر میری خطا نکلے

سنا ہے اک نگوڑی میم پہ لندن میں ریجھے ہیں　　　انھیں میں ہائے کیا سمجھی ہوئی تھی اور کیا نکلے

اماں مجھ سے اماں جان کو بھڑکاتی رہتی ہے　　　کروں میں شکر کا سجدہ جو گھر سے یہ بلا نکلے

یہ بندی لاکھ سر پٹکے مگر وہ سننے والے ہیں　　　ہوئی شام اور حضرت چوک کی کھانے ہوا نکلے

وہ نخرے سے مزے میں کر رہی تھی چہل کی باتیں　　　مگر اف کیسی کھسیانی یکایک ہم جو جا نکلے

سنا ہے ہو رہے ہیں لوٹ اک باندی کی لڑکی پر　　　بنے مرزا کا کیا کہنا بڑے دھرماتما نکلے

دلہن بیگم کے گھر سے جس طرح مجھ کو نکلوایا　　　جنازہ اس موئی منی کی ماں کا یا خدا نکلے

نگوڑا بے پکارے کیوں زنانے گھر میں گھس آیا　　　ارے سوسن ابھی یہ مونڈی کاٹا مردوا نکلے

میں ابتک حضرت رنجور کو ملا سمجھی تھی

مگر وہ ریختی گوئی میں استاد لے بوا نکلے

ضمیمہ

اگرچہ ہتھار سے ہیں ڈرتے گمار ادی بڑی بڑی ہیں　　　ملے ہمیں تخت ورنہ تختہ یہ ہم اپنی اس بات پر اڑے ہیں

اگرچہ ہتھیار دیکھتے ہی خراب ہوتی ہے اپنی دھوتی
قلم سے میدان کاغذی میں ہمیشہ سرکار سے لڑے ہیں

اگرچہ رہتے ہیں جیسے بزرگوں میں یہ خواب محلوں کے دیکھتے ہیں
سڑی گلی مچھلی کھاتے کھاتے دماغ ہلوگوں کے سڑے ہیں

ہمیشہ سرکار انگلشیہ کو پانی پی پی کے کوستے ہیں
اگرچہ دل ہیں ہمارے بودے مگر زباں کے تو ہم کڑے ہیں

طیور یورپ کی دیکھا دیکھی ہے شوق پروانا بے ہیں بھی
اگرچہ مدت سے پر ہمارے گریز ادبار سے جھڑے ہیں

"سودیشی" کی کرتے ہیں حمایت کہ بند ہو لندنی تجارت
قدم اکھڑ جائیں صاحبوں کے جو عرصہ سے ہند میں گڑے ہیں

کرے کوئی ہم پہ لاکھ احساں ہم اسکو مانیں یہ کیا ہے امکاں
پھسل پڑے جن پہ بوند پڑ کر وہ ایسے چکنے ہم گھڑے ہیں

سدا تھے ہم وحشیانہ غریق دریائے جہل و ذلت
جو پڑھ کے انگریزی پائی عزت تو ظرف تھا تنگ ابل پڑے ہیں

اگر "سڈیشن" کے جرم میں ہم "پرزن" جائیں تو کچھ نہیں غم
ہم اپنی کرتوں کو سرٹیوں کو یہ سمجھیں گے یہ کٹے چھٹے ہیں

کیا نہ ہم نے یہ کام تھوڑا کہ "سرفلر" کو نکال چھوڑا
ہوئے ہیں ہم کامیاب اکثر اگر کسی بات پر اڑے ہیں

کہا ہے اسلامیوں سے ہم نے کہ اپنا بھائی ہمیں سمجھیے
جو کام لینا ہے ہم کو ان سے تو کیسے فقرے انھیں جڑے ہیں

غرض کے وقتوں میں ہم نے اکثر لگائی ہے مسلموں سے یاری
مگر غرض جب رہی نہ باقی تو ان سے ناحق الجھ پڑے ہیں

نواب ڈھاکہ کی ہے بنائی سریندر و ناتھ کی دہائی
ہماری شرکت سے مسلموں کو وہ روکنے کے لیے کھڑے ہیں

سامنے تیرے اگر وہ پیاری صورت آئے گی
پھر نہ مرزا یاد تجھ کو حور جنت آئے گی

کیسا ناہموار بچہ ہے کہ چپ ہوتا نہیں
میرے ہاتھوں سے مگر اب اسکی شامت آئیگی

جب انھیں ایسی پری دلہن بھی خوش آتی نہیں
کیا میاں کے واسطے اب حور جنت آئے گی

جاتی ہے چھپ چھپ کے بتو میر خیراتی کے گھر
سن جو پائیں گے کہیں مرزا قیامت آئے گی

رنڈیوں کے پیچھے دیوانے بنے پھرتے ہیں آج
بعد میرے یاد انکو میری الفت آئے گی

لاکھ کہتی ہو بوا ہے دل پہ مجھ کو اختیار؟
رک سکے گی کب کسی پر جب طبیعت آئے گی

مردوں میں رہ کے جن دیدوں کا پانی ڈھل گیا
ایسی آنکھوں میں کبھی باجی نہ عبرت آئے گی

ساس جائیگی تو نند آجائیگی خم ٹھونک کر
ایک آفت جائیگی تو ایک آفت آئے گی

گر رہی ان ساس بہوؤں سے یونہی گالی گلوچ
پھر کسی دن ہاتھا پائی کی بھی نوبت آئے گی

کیا کہوں ان سے بہو پر آپ کرتی ہیں ستم　　ان کے دل میں میری جانب سے کدورت آئے گی
کب سفر سے لوٹ کر آئیں گے گھر نخی کے باپ　　یا الٰہی راہ پر کب میری قسمت آئے گی
پیٹھ پیچھے چاہیں جتنی دے لیں مجھ کو گالیاں　　چار آنکھیں ہوتے ہی دل میں مروت آئے گی
دے چکا یہ مردوا دس جوروؤں کو جب طلاق　　اک نہ اک دن اے بوا تیری بھی نوبت آئے گی
بیاہ ہوتے ہی یہ سنتی ہوں کہ اب آئے گی موت　　آگے چل کر دیکھیے کیا کیا مصیبت آئے گی
کرتی ہوں نسبت تری بیٹی کی اک نواب سے　　اب خدا چاہے تو تیرے ہاتھ دولت آئے گی

مولوی صاحب کے گھر جا کر نگوڑی مر مٹی
حشر کے دن لوٹ کر اب واں سے رحمت آئے گی

چودھویں صدی کا برہ گیت[1]

جی ہی جی میں ہمیں ترسائیو　　دن رین ہمیں کلپائیو
ہم سے ناحق پریت لگائیو　　ہائے کوئی کو لاج نہ آئیو
تم تو لندن سہروا چھائیو
تم تو میمنی میں جی بہلائیو　　مجھ بیراگن کو جی سے بھلائیو
جیتے جی ہم کو ایسا جلائیو　　گور میں آخر ہم کو سلائیو
تم تو لندن سہروا چھائیو
بیاہ کر کے نہ سکھ میں نے پایا　　تمرے جی میں تو لندن سمایا
ساتھ میمنی کا تم کو تو بھائیو　　میں نے گھل گھل جیسا گنوایا
تم تو لندن سہروا چھائیو
کی تھی میں نے نہ تم سے برائی　　تم نے کیوں میری سدھ بسرائی

---

1 دوسری بیاض میں اس گیت کے شاعر کا نام "رنجور عظیم آبادی" تحریر ہے، اور یہ اس بیاض کے گوشہ "غزلیات رنجور" کے بجائے دیگر شعرا کے کلام کے ساتھ درج ہے۔

نہ تو آون کی چھٹیا پٹھائی — نہ مرے دکھ کی بھیجی دوائی

تم تو لندن سہر وا چھائیو

دیہی دے کے رہے تم ہمیں دم — ہم سے آکر ملے تم نہ بالم

تھی تمنا کہ دیکھیں تمھیں ہم — کھا گیا ہائے لیکن ہمیں غم

تم تو لندن سہر وا چھائیو

ہائے تم کو اگر دیکھ پاتی — اپنی بپتا تمھیں میں سناتی

چاک کرکے دل اپنا دکھاتی — پھر بلا سے مجھے موت آتی

تم تو لندن سہر وا چھائیو

رات دن اپنے تن من کو مارے — خیر دنیا سے ہم تو سدھارے

تم سلامت رہو مرے پیارے — خیر سے آؤ اپنے دوارے

تم تو لندن سہر وا چھائیو

کلام میجر:۔

تمھیں نفع کیا ہوگا انگلش سے لڑکر — تم اپنا بگاڑوگے ان سے بگڑکر

وہ حاکم ہیں اور انکے محکوم ہو تم — چلو تم نہ انگریزوں سے یوں اکڑکر

اگر تم کو کچھ عرض کرنا ہو ان سے — کرو خاک پر ناک اپنی رگڑکر

لٹے گی نہ تقسیم بنگالہ ہرگز — نہ پھل پاؤگے اپنی ضد پر تم اڑکر

نہ چھوڑوگے گر باتیں دیوانہ پن کی — رکھیں گے تمھیں جیل میں یہ جکڑکر

چلوگے اگر چال متوالوں کی سی — تو ٹوٹے گا دیواروں سے سر بجڑکر

نہ سمجھو گے گر بم کے گولے اڑینگے — رہیں گے قدم ان کے یاں سے اکھڑکر

نظر ایسی دے سکتے ہو ہسٹری سے — کہ اکھڑے ہوں جھنڈے کبھی انکے گڑکر

بغاوت کا ایسا لگا روگ تم کو　　ہوئے ابتک اچھے نہ بیمار پڑ کر
نمک کھا کر تم توڑتے ہو نمکداں　　کرو توبہ کانوں کو اپنے پکڑ کر
لڑیں گے اگر یوں ہی ہندو مسلماں　　رہے گا یہ ملک آخر اک دن اجڑ کر
بڑھیں کے گے میٹریکولیشن سے کیونکر　　یہاں تک پہنچتے ہیں یہ مر مر پچھڑ کر

یہ تو شعر اپنے سناتا ہے سحرؔ
کہ گرتے ہیں منہ سے ترے پھول جھڑ کر

○

شیخ صاحب کام میں کس طرح لوں انکار سے　　جب مجھے وسکی پلائے خود وہ مس اصرار سے
ہم کو کیا غم اس کا جلائے قوم چولہے بھاڑ میں　　ہم کو تو اک منصب عالی ملا سرکار سے
جب کہا میں نے بجھا مجھ تشنۂ الفت کی پیاس　　بولے "تھوڑی برف منگوا دوں تمہیں بازار سے"؟
ہے وہ میرا یوسف گم گشتہ لندن میں مقیم　　مل گیا بارے پتہ اس کا مجھے اخبار سے
رشتۂ الفت کو تم نے آج تک توڑا نہیں　　ہو گیا اس کا یقیں مجھ کو تمہارے تار سے
بوسہ دینے پر جو راضی ہو تو دو دو چار سو　　ہو گی کیا تسکیں مری اے مہرباں دو چار سے
میری ہر اک نظم اخباروں میں شائع کرتی ہیں　　اس قدر محظوظ ہوتے ہیں مرے اشعار سے
دیکھ کر مجھ کو وہ مس کیا کیا کلیلیں بھرتی ہے　　کم نہیں رم کرنے میں وہ آہوے کہسار سے
جب کہا میں نے دوائے درد فرقت چاہیے　　بولے ہنس کر جا کے مانگو تم کسی عطار سے

آپ سے جب یاس و غم کی فوج سر ہوتی نہیں
سحرؔ اس میں مشورہ لیجے سپہ سالار سے

○

تہ و بالا جہاں کو کر رکھا ہے اپنی اودھم سے　　سوا اس کے کہیں ہم کیا خدا ہی سمجھے ولیم سے
بہار جرمنی اب کوئی دم میں ہوتی ہے رخصت　　نہیں یہ وار اس کے حق میں کم ونڈ آف آٹم سے
جو مارے جانے سے بچ بھی گئے اس جنگ یورپ میں　　وہ بیشک بہرے ہو جائیں گے توپوں کی دھما دم سے
ہوئیں تعلیم پا کر بی بیاں اب لیڈیاں خاصی　　بدل ڈالیں نہ بیگم سے لقب کو کیوں وہ میڈم سے

ہو میں آزاد قید شرع سے تہذیب کے صدقے
پکڑ کر دستِ نامحرم نہ کیوں اتریں ٹمٹم سے

پڑے یارب کسی دیو جفا جو سے اسے پالا
چرایا جس نے نوٹو اس پری کا میری البم سے

میں جنٹلمین ہوں معشوقہ بھی مس لِل ہو یا مس بِل
غرض ہے زہرہ جاناں سے نہ کام اقبال بیگم سے

اکیلا میں سب اعدا کی خبر لینے کو کافی ہوں
میں کیوں ڈرنے لگا اے یاراں کی الٹیمیٹم سے

بیاض اپنی نہیں پڑھ سکتے گو ضعفِ بصارت سے
سناتے ہیں غزل ہم حافظ کی میمورنڈم سے

جو میسمر جائزہ لینے کو پہنچا اپنے لشکر میں
ہوئے کان اس کے بہرے ہر طرف کے شورِ بم سے

ریختی

اوئی لڑکی یہ تو نے نوج کیا صورت بنائی ہے
نہ کنگھی کی ہے بالوں میں نہ مسّی ہی لگائی ہے

مرے بچے کی اس نے مار سے کیا گت بنائی ہے
میاں جی کاہے کو جلاد ہے وہ یا قصائی ہے

اکیلا رو رہا ہے اوئی بوا دالان میں لڑکا
نہ انّا ہے نہ چھوچھو ہے نہ ماما ہے نہ دائی ہے

پراٹھے ہی پکانے جانتا ہے یہ نہ سنبوسہ
عجب اجڑے ملک کا مردوا یہ نانبائی ہے

گئی تھی نورتن بنّو کے گھر جوشن چرا لائی
اب اس کتیا کا سر ہے اور میری زیرپائی ہے

ہمیشہ چشمکیں چلتی ہیں ان دونوں کی آپس میں
ضرور اس مرزوے سے اور اس سے آشنائی ہے

کروں گی دوسری شادی نہ اپنی بیوہ لڑکی کی
وہ کمسن ہو تو ہو اسمیں تو میری جگ ہنسائی ہے

وہ کہتے ہیں کہ منہ سے مجھے کیا واسطہ لیکن
مجھے باور کہاں باجی یہ سب منہ کی صفائی ہے

بنے نواب نے رکھا ہے گو ہرجان کو نوکر
چلو چھٹی ہوئی اب ساری دولت کی صفائی ہے

کچیں ابھری ہوئیں اور اس پہ جالی لوٹ کی انگیا
بوا آنچل رکھو سینہ پہ یہ کیا بے حیائی ہے

بڑے بے شرم اے آپا ہیں دولا بھائی توبہ جی
وہ مجھ سے کہتے ہیں کیا چیز آنچل سے چھپائی ہے

گزارہ میری بچی کا نہ ہوگا ساس نندوں میں
الگ ہو جاؤ بیٹا ان سے اس میں کیا برائی ہے

خدا کی شان مجھ سے بھی لگی اب شوخیاں کرنے
بہت سر چڑھ گئی زیبن اب اسکی شامت آئی ہے

نہ بیدردی سے یوں پیسے دلہن لِلّٰہ اٹھاؤ تم
مرے بچے کی یہ گاڑھے پسینے کی کمائی ہے

ستاتی بیسوا پڑ رہی ہے بے خطا مجھ کو
مرا اب دم گیا میسمر بہادر کی دہائی ہے

جناب محمد عبدالسلام خاں
سابق پرنسپل مدرسہ عالیہ
رامپور

وجود اور ہستی

وجود اور ہستی کی بداہت اور اہمیت۔ قبل ازیں کہ مسلم فلاسفہ کے نزدیک واقعیت کا مفہوم اور اسکے معیار پیش کروں یہ مناسب ہوگا کہ پہلے وجود اور ہستی کے متعلق مسلم فلاسفہ کا نقطۂ نظر پیش کردوں اس سے ان کے نزدیک واقعیت کے مفہوم اور اس کے معیار کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

یہ معلوم رہے کہ ہستی، وجود اور ہونا مسلمان فلسفیوں کے نزدیک واضح اور بدیہی ہے۔ ہر شخص وجود اور ہستی کو سمجھتا ہے اور جانتا ہے، حدّ اور حقیقی تعریف سے اس کا حصول ممکن نہیں، نہ اس کی کوئی حقیقی تعریف ہے۔ اس کا علم ہر علم سے مقدم اور بلا استثناء ہر ذی عقل کو حاصل ہے۔ اسکی صرف لغوی تشریح کی جاسکتی ہے اور کی جاتی بھی ہے۔ مثلاً وجود کے معنی ہستی ہیں یا ہستی کا مطلب ہونا ہے[1]۔

رہی یہ بات کہ خارجی حقائق اصل ہیں اور علم و تصورات انکی فرع یا علم و تصورات اصل ہیں اور حقائق ان پر متفرع۔ ڈی کارٹ کے اس مشہور مقولے سے کہ "میں فکر کرتا ہوں اس لیے میں ہوں" سے شروع ہوتی ہے پہلے حقائق کو ہی اصل مانا جاتا تھا اور علم و تصورات کو اس پر مبنی اور اس سے کسی کو اختلاف نہ تھا۔ چنانچہ مسلم فلاسفہ بھی اس سے متفق تھے۔

موجود کے متعدد اطلاق۔ موجود کے کئی اطلاق ہیں جو ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہیں۔ اس کا کبھی تو اطلاق کائناتی مقولات یا اجناسِ عالیہ یعنی جوہر، کم، کیف، فعل، انفعال، متی، این، وضع، ملک اور اضافت پر ہوتا ہے گویا یہ کائنات کی ہی دوسری تعبیر ہے۔ موجود کے دوسرے معنی صادق ہیں یعنی کسی ذہنی تصور کی خارجی حقیقت سے مطابقت جیسے طبیعت یا کلی طبیعی موجود ہے یعنی کلی طبعی کا جو تصور ہمارے ذہن میں ہے وہ اسکی خارجی حقیقت پر صادق یا اسکے مطابق ہے۔ موجود کا تیسرا اطلاق خارجی حقیقت سے مخصوص ہے، اس معنی میں تمام جوہری اور عرضی حقائق موجود ہیں یعنی خارجی وجود رکھتی ہیں اور بذاتہا ہیں۔ عرضی حقائق کی عرضیت کا تعلق انکی اپنی ماہیت اور ذات سے نہیں، کیونکہ کسی حقیقت اور ماہیت کے بنفسہا اور بذاتہا بالعرض ہونے کے کوئی معنی نہیں۔ ذات اور حقیقت ہو اور بذاتہا نہ ہو ایک طرح سے تناقض ہے۔ انکی عرضیت کا جہاں تک تعلق ہے انکی اپنی ماہیت کے اعتبار سے نہیں بلکہ دوسری موجودات کے ساتھ اعتبار و لحاظ سے ہے[2]۔

وجود کی خارجی اور ذہنی وجود میں تقسیم: موجود کی اپنے پہلے اطلاق کے لحاظ سے دو قسمیں ہیں، خارجی اور ذہنی۔ خارجی موجود سے ایسا موجود مراد ہے جس کا محل ہمارا ذہن اور شعور نہیں، وہ ہمارے ذہن اور اسکی شعوری قوتوں سے الگ اور ان سے باہر اور خارج ہے، ہمارے جاننے اور ماننے سے اسکی ہستی کا تعلق نہیں، ہم اسکو جانیں، مانیں یا نہ جانیں اور نہ مانیں، ہمارا ذہن اور اسکی شعوری قوتیں ہوں یا نہ ہوں بلکہ ہم خود بھی ہوں یا نہ ہوں اس کے وجود پر کوئی اثر نہیں پڑتا، وہ موجود ہے اور اپنی جگہ برقرار ہے، جیسے ہمارے سامنے کے محسوس حقائق، کہ ان کو کوئی جانے یا نہ جانے وہ ہیں، یہ اصل ہیں اور علم و شعور تابع [4]

ذہنی موجود سے ایسا موجود مراد ہے جسکا محل ہمارا ذہن اور شعور ہے، اگر ذہن اور اسکی شعوری قوتیں نہ ہوں تو اسکے ہونے کے کوئی معنی نہیں۔ مثلاً انسان بقیدِ عموم یا حیوان بقیدِ جنسیت کہ یہ صرف ذہنی موجود ہیں، اگر ذہنی شعور نہ ہو تو یہ وجود کی سطح سے غائب ہو جائیں، گویا یہ اپنی ہستی میں ہمارے علم و شعور پر موقوف و منحصر ہیں ان کے وجود کے بارے میں ہمارا علم و شعور اصل ہے اور انکی ہستی اسکی تابع [5]

خارجی اور ذہنی وجودوں میں جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں، خارجی وجود اصل، اولیٰ اور اسبق ہے اور ذہنی وجود اس کا سایہ، کہتر اور پیچھے۔ حقیقی آثار و احکام کا حامل خارجی وجود ہے، ذہنی وجود حقیقی خصوصیات سے معرّیٰ ہے [6]

خارجی موجود کی جوہر و عرض میں تقسیم: خارجی موجود کی دو قسمیں ہیں جوہر اور عرض۔ جوہر ایسا موجود ہے جو اپنی ہستی میں کسی موضوع کا محتاج نہ ہو۔ یعنی اسکی موجودگی کسی ایسے محل کی متقاضی نہ ہو جو اپنی وجود میں حال سے مستغنی ہو اور حال کا محتاج نہ ہو اور موضوع یا محل غیر محتاج میں سریانی یا طریانی طور پر شامل ہوئے بغیر بطور خود موجود ہو مثلاً جسم اور اس کے ترکیبی اجزا: مادّہ و صورت اور عقل و نفس۔ جیسا کہ گذر چکا ہے عرض اگرچہ بذات خود ماہیت اور حقیقت ہے اور حقیقی وجود رکھتا ہے لیکن کسی جوہری موجود میں شامل، سمایا ہوا اور تابع ہو کر ہی پایا جاتا ہے، چنانچہ اس کا ہونا جوہری موجود میں ہی ہونا ہے، جوہری موجود سے الگ ہو کر اس کی خارجی ہستی نہیں۔ مثلاً سیاہی، تمکّن وضع وغیرہ جو بذات خود ہوتے ہوئے ان کا ہونا کسی جسم میں ہونا ہی ہے۔ یہ اگرچہ ہمارے شعور و ادراک کے تابع نہیں، ان کا شعور و ادراک ہو یا نہ ہو وہ جیسے کے تیسے ہیں۔ سیاہی بھی اپنی جگہ ہے اور تمکّن و وضع بھی، انکی بھی امتیازی خصوصیت اور نمائشی وجود ہے۔ جسکی بنا پر جوہری وجود متبوع اور مقدم اور یہ تابع و مؤخر ہے [7]

انضمامی اور انتزاعی عرض: عرض دو طرح کے ہیں، کچھ اس طرح کے ہیں کہ اپنے جوہری محل سے متمیز اور الگ پہچانے جاتے ہیں اور وہم انکی شخصیت کو اپنے محل میں ساری اور طاری ہونے کے باوجود ممتاز کر لیتا ہے۔ جیسے سیاہی سپیدی کہ جسم میں پھیلے ہوئے اپنا متمیز وجود رکھتی ہیں۔ ایسے عرض کو انضمامی عرض کہا جاتا ہے، ان کے برخلاف کچھ اس طرح

کے ہیں کہ اپنے جوہری محل سے متمیز نہیں کہ ان میں ساری یا طاری ہوں اور محل سے الگ پہچانیں جائیں بلکہ خارج میں صرف جوہری وجود ہوتا ہے لیکن ایسی حالت میں کہ عقل اس سے انکا استنباط و انتزاع کر سکتی ہے لیکن جوہری محل کی یہ حالت خارجی ہوتی ہے، ہمارے شعور و ادراک کے تابع نہیں کہ اگر شعور و ادراک نہ ہوں تو اس کا زوال ہو جائے اور جوہری محل کی یہ حالت باقی نہ رہے، چنانچہ ان کا اپنا وجود محض ذہنی ہوتا ہے۔ مثلاً فوقیت و تحتیت و دیگر نسبتی عرض کہ انکا جسم سے متمیز اور الگ پہچانے جانے والا وجود نہیں بلکہ جسم کی اپنی خارجی وضع اور حالت ہے کہ جس سے عقلاً یہ ماخوذ ہیں۔ چاہے کوئی اخذ کرنے والا ہو یا نہ ہو لیکن جسم کی یہ حالت اور وضع جو ان کا ماخذ ہے بحالہ قائم و برقرار رہتی ہے، ہمارے شعور و ادراک کے تابع نہیں بلکہ ہمارا شعور و ادراک اس وضع اور حالت کا تابع ہے کہ اگر خارجاً اور عیناً جسم کی یہ حالت نہ ہوتی تو عقل و ذہن انکا شعور نہ رکھتا۔

واقعیت : "موجود" کے اطلاقات کی تفصیل سے واضح ہو گیا ہو گا کہ واقعیت اور ناواقعیت کا تعلق "موجود" کے دوسرے اطلاق سے ہے۔ "موجود" کا پہلا اطلاق منفرد اور تصوری حقائق کی اسی حیثیت میں تعبیر ہے اور کسی حکم اور دعوے پر مشتمل نہیں جبکہ واقعیت کا مطلب ہے کسی حکم اور دعوے کے نفس الامر کے مطابق ہونے اور نہ ہونے کا، اور حکم و دعوے کے بغیر نفس الامر سے مطابقت اور عدم مطابقت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، محض انسان، محض سیاہی، محض عرض و طول جب تک ان کے ساتھ کوئی حکم اور دعویٰ کم از کم فی انفسہا ہونے اور نہ ہونے کا ہی سہی نہ ہو تب تک انکا واقعی اور غیر واقعی یا صادق و غیر صادق ہونا بالکل بے معنی ہے۔ "موجود" کے تیسرے اطلاق کا بھی یہی حال ہے کہ وہ خارجی منفرد حقیقتوں کی اسی حیثیت میں تعبیر ہے، کوئی حکایت یا نقل "نہیں ہے اور نہیں" کا دعویٰ اور حکم "نہیں اور ہے اور نہیں" کے بغیر واقعیت اور ناواقعیت بے حقیقت ہیں۔ "موجود" کا دوسرا اطلاق جو صادق کا ہم معنی ہے، حکم اور دعویٰ پر مشتمل ہے اور اپنی جگہ حکایت ہے جو واقع اور نفس الامر سے مطابق ہونے اور نہ ہونے کا احتمال رکھتی ہے، اب اگر واقعہ محکی عنہ اور نفس الامر کے مطابق ہے تو صحیح، صادق، واقعی اور حقیقت ورنہ غلط، کاذب، ناواقعی اور فریب ہے۔ یہی واقعیت اور ناواقعیت کا تعلق ہے اسکی واقعیت کو پرکھنے اور جانچنے کے لیے میار اور کسوٹی کی ضرورت ہے۔[۱]

مسلم فلاسفہ کے نزدیک واقعیت کا مدار : یہ گذر چکا ہے کہ واقعیت اور ناواقعیت کا مدار کسی حکایت کے اپنے محکی عنہ سے مطابق ہونے نہ ہونے پر ہے، حکایت خارجی وجود سے بھی ہو سکتی ہے مثلاً سورج کا ہونا، ذہنی وجود سے بھی ہو سکتی ہے، مثلاً انواع و اجناس کا ہونا۔ چنانچہ اگر سورج خارجاً حقیقت ہے تو "سورج ہے" صادق ہے۔ اسی طرح اگر کوئی ذہنی تصور ذہناً نوع یا جنس ہے تو نوع و جنس واقعیت اور واقعی تصورات ہیں چونکہ ان قضایا اور احکام کی واقعیت ان کے متعلق ہمارے علوم و معارف کے صحیح اور واقعی ہونے پر موقوف ہے اور یہیں سے ہمارے علوم و معارف کا مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔

ہمارے علوم و معارف کا کچھ حصہ بدیہیات پر مشتمل ہے اور کچھ نظریات پر۔ بدیہیات ایسے حقائق یا احکام ہیں، جنکے حصول میں نظر و فکر کی ضرورت نہیں پڑتی کہ اپنے معلومات کو ایک خاص ڈھنگ سے مرتب کریں اور ان سے کوئی حقیقت یا کوئی مثبت و منفی نتیجہ حاصل کریں، برخلاف ازیں نظریات کی تحصیل کے لیے اپنی معلومات کو خاص شرائط کے ساتھ ترتیب دینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ نظریات کا منتہیٰ اور مقطع بدیہیات ہی ہوتے ہیں۔ بدیہی احکام ایسے مطابقِ واقعہ یا صادق احکام ہیں جنکی صداقت اور واقعیت ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا ہے۔ ان میں اولیات، محسوسات فطریات شامل ہیں۔ اولیات: یعنی جنکی تصدیق کرنے پر عقل انسانی محض انکی اپنی وجہ سے مجبور ہوتی ہے، وہ کسی سے حاصل اور مکتسب نہیں ہوتے بلکہ خود ذریعۂ اکتساب ہوتے ہیں، مثلاً بطور کلیہ کہ دو ایک سے زیادہ ہیں۔ محسوسات خواہ حواس ظاہری جیسے سورج روشن ہے یا باحساس باطنی جیسے بھوک، پیاس وغیرہ ہیں۔ فطریات یعنی ایسے احکام جنکی تصدیق کے لیے اگرچہ واسطہ درکار ہوتا ہے لیکن یہ واسطہ کبھی عقل سے غائب نہیں ہوتا جیسے چار جفت ہیں، کیونکہ یہ بالکل متساویین ہیں۔ خلاصہ یہ کہ وہ احکام واقعی اور یقینی ہوتے ہیں جو خود ان میں سے کسی حکم پر مشتمل ہوں یا ان کا انقطاع اور اختتام ان میں سے کسی ایک پر ہو بلا واسطہ یا بوسائط۔ گویا صدق اور واقعیت کی بنیاد سب سے پہلے خود فطرت یا عقل فعال کے افادے پر ہے پھر عقل اور مشاہدہ با مداد عقل پر۔[۱۰]

واقعیت کا معیار: تفصیل بالا سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ کسی حکم کی واقعیت اور نفس الامر سے مطابق ہونے کو جانچنے کا معیار یہ ہے کہ دیکھا جائے کہ آیا یہ حکم خود اوائل عقلیہ میں سے ہے کہ عقل اسکی تصدیق پر مجبور ہے یا اس کی انتہا ایسے حکم پر ہے۔ اگر حکم اوائلِ عقلیہ سے تعلق نہیں رکھتا تو فطریات میں سے ہے یا ان پر اس کا اختتام ہوا ہے۔ واقعیت کی تیسری صورت یہ ہے کہ وہ حکم ہمارے اپنے محسوسات کی سچی حکایت ہے یا ان تک اس کا سلسلہ پہنچتا ہے۔

اگر غور و تعمق سے دیکھا جائے تو فطریات اور محسوسات دونوں مشاہدات میں شامل ہیں تو گویا واقعیت کا معیار اولیات اور مشاہدات ہیں۔ مشاہدات یوں بھی اصل ہیں کہ وہی ہمارے تمام علوم و معارف کا حقیقی مأخذ ہیں کیونکہ ایسے ذہنی تصورات جو عینی اور خارجی موجودات سے ماخوذ نہیں وہ کاذب اور اختراعات میں شامل ہیں، چنانچہ علم کا حقیقی اور ابتدائی اطلاق اعیان وجودیہ یا موجوداتِ خارجیہ پر ہی ہوتا ہے اور حواس ہی وہ راہیں ہیں جن سے نفس انسانی علوم و معارف حاصل کرتا ہے، کلیات کا ادراک بھی خارجی جزئیات کے مشاہدے سے ہی ہوتا ہے، صورِ ذہنیہ یا صور علمیہ پر علم کا اطلاق ثانوی اور اعیانِ خارجیہ کے سبب سے ہوتا ہے۔[۱۱]

یہ سچ ہے کہ مشاہدات کبھی دھوکا اور فریب بھی ثابت ہوتے ہیں اس لیے صرف مشاہدے پر واقعیت کا حکم لگانا صحیح نہیں، چنانچہ ایسے مشاہدات جن میں دھوکے اور فریب کا امکان ہے وہ ناقص مشاہدات ہیں جنکے اتمام و تکمیل

کے لیے کبھی تو دوبارہ سہ بارہ اور باریک بینی سے حسّی مشاہدہ ہی کافی ہوتا ہے اور کبھی عقل سے مدد لینی پڑتی ہے اور اسطرح کامل مشاہدہ واقعیت کی صورت اختیار کر لیتا ہے[۱۱]۔

جہاں تک اوائل عقل یا اولیات کی واقعیت کا تعلق ہے تو یہ ایسے قضایا ہیں جن پر بلا بحث و فکر یقین ہوتا ہے حتی کہ ان پر یقین کرنے والے کو کسی ایسے وقت کا بھی شعور نہیں ہوتا جسمیں وہ محسوس کرے کہ اس وقت اس کے لیے ان قضایا کے یقین سے خالی ہونا جائز تھا، چنانچہ ایسا بچہ جسمیں ابھی عقل و خرد تک نہیں پیدا ہوئی ہے۔ اس میں بھی اولیات کے حصول کی صلاحیت واستعداد ہوتی ہے اور وہ اسکو مبدأ فیض سے خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں اور حواس تک کی مدد کی ضرورت نہیں پڑتی نہ قصد وارادہ درکار ہوتا ہے۔ بلکہ ان کے حصول کا شعور تک نہیں ہوتا۔ یہ عام مشاہدہ ہے کہ دودھ پیتا بچہ بھی کسی ایک چیز کو دوسری رکھی ہوئی چیز کی جگہ سے اٹھانے کی کوشش نہیں کرتا، کیونکہ مبدأ فیاض نے اس کے دل میں ڈال دیا ہے کہ ایک مکان میں دو چیزیں نہیں سما سکتی ہیں' اس کے اس علم کی بنیاد اس کی استعداد اور صلاحیت ہی ہے جسکے سارے صفحے پر نقاش ازل پر الزام ہے، وتعالی اللہ عن ذلک علواً کبیراً۔

واقعیت کی سطحیں، مدارج اور اصناف:۔ گذشتہ بیان سے ہی معلوم ہو گیا ہوگا کہ واقعیت کی دو سطحیں ہیں' خارجی یا عینی اور داخلی یا ذہنی پہلی سطح حقیقی اور حسّی وجود کی ہے اور دوسری دلی اور عقلی وجود کی جسکا ماخذ کسی نہ کسی حیثیت میں عینی وجود ہے اور یہی ان کی درجہ بندی ہے کہ پہلے کو واقعیت مقدم اعلیٰ اور ازید ہے جبکہ دوسرے کی موخر' ادنی اور انقص ہے۔ پھر واقعیتِ خارجی کی دو صنفیں ہیں۔ جوہری واقعیت اور عرضی واقعیت' ان میں جوہری واقعیت مستقل ہے اور عرضی واقعیت محل کی تابع ہے۔ اسی طرح ذہنی واقعیت میں کچھ معقولاتِ اولیٰ ہیں جو خارجی موجودات کی صور کی حد تک ہیں اور معقولات ثانیہ وثالثہ وغیرہ جن میں ذہن کا عمل بھی شامل ہے' ان میں بھی معقولات اولیٰ اصل ہیں اور ثانیہ وثالثہ وغیرہ فرع۔

مختلف حقائق کی واقعیت کی نوعیت:۔ اصل یہ ہے کہ اشیاء یا حقائق جب تک منفرد تصورات اور سادہ حقائق ہیں اور کسی واقعے کی حکایت نہیں کرتے' ان میں واقعیت اور غیر واقعیت کا مسئلہ نہیں پیدا ہوتا لیکن جوں ہی ان پر موجودگی کا حکم کیا جاتا ہے اور اس طرح وہ "ہلیہ بسیطہ"[۱۲] کی صورت میں قضایا ہو جاتے ہیں یا وجود کے بعد کسی صفت سے ان کے اتصاف کی ہلیہ مرکبہ کی حیثیت میں حکایت کی جاتی ہے تو ان میں واقعیت اور ناواقعیت کی بات اٹھتی ہے۔ ریاضیاتی حقائق ہوں' طبیعیاتی ہوں یا مابعد الطبیعاتی' خواہ معاشرتی ہوں خواہ لسانیاتی' یا جمالیاتی' سب پر واقعیت اور ناواقعیت کا ایک ہی قانون حاوی ہے جو حکایت سے تعلق رکھتا ہے۔ اگر یہ حکایت محکی عنہ اور نفس الامر کے مطابق ہے تو واقعی ورنہ ناواقعی۔ فرق محض اس لحاظ سے کہ مظاہر فطرت یا حسی موجودات میں حکم اور حکایت اسی محسوس و مشہود دنیا سے تعلق رکھتے ہیں۔

اور انھیں سے مطابقت اور نامطابقت کی بنا پر وہ واقعی اور ناواقعی ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف ریاضیاتی حقائق کے محکی عنہ کم متصل و منفصل کے احوال و عوارض ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ یہ دونوں عرض ہیں اور خارجی وجود میں جوہر کے محتاج۔ یہی حال ہے جمالیات کا۔ اگر فن پارہ سرے سے موجود ہی نہیں یا وہ ہمارے ذوق جمال کی تسکین نہیں کرتا تو اس کے متعلق پست یا جمیل کا حکم کرنا غیر واقعی ہے کسی سماج کی موجودگی یا اسکے ترقی پسند ہونے کی واقعیت کسی انسانی کثرت پر سماج کا اطلاق اور سماج کا ترقی پسند ہونا ہے۔ زبان کے ہونے کی حکایت کا محکی عنہ آوازوں پر زبان کا حقیقی صدق ہے۔ چونکہ یہ سب عرض ہیں۔ اس لیے ان کا ہونا کسی جسم میں ہوتا ہے۔ ان کی واقعیت کا جہاں تک تعلق ہے کسی جوہر طبیعی یا جسم کی واقعیت سے مختلف نہیں، وہ جوہر طبیعی یا جسم، چاند، سورج ہوں یا کوئی اور جسم اگرچہ موجودگی کی نوعیت میں ازبس اختلاف ہے، وہی اختلاف جو جوہر و عرض کے دور میں ہوتا ہے یعنی بغیر محل محتاج اور موضوع میں ہوئے موجودگی اور موضوع میں ہو کر موجودگی۔

مکان و زمان اور مکانیات و زمانیات کی واقعیت کے معنیٰ:۔ مسلم فلاسفہ کے نزدیک واقعیت اور ناواقعیت کا ایک ہی مفہوم ہے اور وہ نفس الامر سے مطابقت اور نامطابقت ہے۔ نفس الامر کے خود موضوع کا ایسی حالت میں ہونا ہے کہ اس سے محمول کا وہ کوئی بھی ہو، اس ظرف میں انتزاع ہو رہا ہو جس طرف سے اسکی حکایت کا تعلق ہے یعنی خارج یا ذہن۔[14]

(۱) مکان عام طور سے جمہور فلاسفہ کے نزدیک جسم حاوی کی اندرونی سطح ہے جو جسم محوی کی بالائی سطح کو ہر گوشے اور ہر خم و راست سے گھیرے ہوئے ہوتی ہے۔ ہر جسم اسی میں ہوتا ہے، اسی سے منتقل ہوتا ہے اور اسی میں آتا ہے، صرف فلک الافلاک اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس کی وضع ہی مکان کا بدل ہو جاتی ہے۔ مکان اپنے اس مفہوم کے لحاظ سے خارجی وجود اور عرض ہے جو جسم حاوی میں پھیلا ہوا ہے۔ لیکن کچھ اہل تحقیق کی رائے میں مکان ایسا بعد ہے جو طول و عرض و عمق کو چھوڑ کر بقیہ جسمی خصوصیات سے معریٰ ہے۔ ایسا بعد مجرد واقع میں موجود ہے یا ہمارے وہم کا زائیدہ ہے، اس میں راہیں مختلف ہیں۔ تیسرے مسلک کی بنا پر تو مکان حقیقی وجود ہی نہیں رکھتا، پہلے اور دوسرے خیال کی بنا پر خارجی حقیقت ہے اور ویسا ہی موجود ہے جیسے دیگر اجسام یا ان کے اعراض۔ مکانی چیزیں یا اجسام ہیں اور دوسری طبیعی چیزوں کی طرح جوہری وجود رکھتی ہیں۔[15]

(۲) عام مسلم فلسفی زمانے کو کمِ متصل، ناقرار پذیر، مستمر، مستدیرہ حرکت کی مقدار کہتے ہیں اور چونکہ یہ قدیم ہے کہ اسکی نہ ابتدا نہ انتہا اور ایسا جسم جسکی حرکت بغیر انقطاع ازل سے ابد تک مستمر ہو اور مختلف بطیئی، سریع اور اسرع منجب کی تقدیر کر سکے، فلکِ معدل النہار کی ہی ہو سکتی ہے، چنانچہ زمان فلک اطلس کی حرکت کی مقدار ہے اور عرض ہے

جو حرکت میں پھیلی ہوئی اور ساری ہے۔ کچھ اہل تحقیق کے نزدیک یہ وجود کی قدر ہے جو ساکن اور متحرک دونوں کی پیمائش کرتا ہے اور اس طرح نفسِ وجود کی جو دونوں میں مشترک ہے تقدیر کرتا ہے، یہ کوئی ایسا عرض نہیں جو وجوداً موجود سے الگ ہو بلکہ سب سے طویل اور مستمر وجود سے جو قصیر واقصر وجود دن کو نسبت ہے، اس کا ذہنی اعتبار و لحاظ ہے، چنانچہ زمانے کا کوئی اپنا تجریدی وجود نہیں نہ اسکی کوئی قائم ذاتی ہویت ہے، گویا یہ نازوال پذیر، غیر متغیر کی زوال پذیر اور متغیر و متبدل سے نسبت کا نام ہے۔ اس خیال کی ایک تعبیر یہ بھی ہو سکتی ہے کہ یہ باری تعالیٰ کی شئون مستمرہ سے ماخوذ قدر ہے اور چونکہ کل یوم ھو فی شان کے اعتبار سے اسکی شئون ازلاً اور ابداً جاری ہیں اس لیے زمانہ بھی ازلی اور ابدی ہے کیونکہ ایجاد وجود اس کی شان کا ہی کرشمہ ہے جو ہمارے کائناتی وجود پر چھائی ہوئی ہے، ہمیشہ سے ہمیشہ تک، اس سے نہ حرکت بچی ہوئی ہے نہ متحرک، نہ سکون بچا ہوا ہے نہ ساکن، وجود کی طرح سب میں ساری بلکہ خود وجود ہے جو تمام وجودوں پر حاوی اور انکا خلاق ہے۔ جہاں تک زمانے کے متعلق عام فلسفیوں کا خیال ہے، زمانہ عرض ہے اور ایسے عرض میں پھیلا ہوا ہے یعنی حرکتِ غیر قارہ میں جو فلک اطلس میں حال ہے اور بنفسہٖ خارجی حقیقت ہے اور اپنے وجود میں جوہری وجود کی تابع۔ زمانی موجودات کچھ عرض ہیں اور کچھ جوہر، کچھ تابع اور کچھ متبوع۔ دوسری رائے کے تحت زمانہ اگرچہ عرض ہے لیکن نسبتی اعراض کی طرح ذہنی انتزاع ہے، خارج میں اس کی اپنی جداگانہ شخصیت نہیں بلکہ وجود کی طرح تمام موجودات پر وہ ذہنی ہوں یا خارجی، جوہری ہوں یا عرضی، دائم ہوں یا کون و فساد کے چکر میں پھنسی ہوئی سب پر حاوی ہے۔[۱۶]

یہ یاد رہے کہ واقعیت کا تعلق موضوع کی اسی حیثیت سے ہے کہ اس سے محمول کا انتزاع صحیح ہو، محمول خود وجود بھی ہو سکتا ہے اور وجود کے بعد کے اوصاف بھی۔ موضوع کا واقعیت میں خصوصی اعتبار نہیں۔[۱۷]

علم

صدق کا معیار:۔ صدق کا تعلق قضیے اور حکم سے ہے، اگر کسی قضیے اور حکم کا موضوع اس ظرف میں جس ظرف سے حکایت کی گئی ہے ایسی حالت میں ہے کہ اس سے ذہن محمول کا انتزاع کرے تو قضیہ صادق ہے ورنہ کاذب۔ مثلاً زید شاعر ہے، ایسا قضیہ اور حکم ہے جسکی خارج سے حکایت کی گئی ہے اور ایک خارجی واقعے کا بیان ہے تو اگر خارج میں زید کی ایسی شخصیت ہے کہ ذہن اس سے اس کے شاعر ہونے کو اخذ کر سکتا ہے تو قضیہ صادق ہے اور اگر زید کی شخصیت ایسی نہیں ہے تو کاذب ہے یا مثلاً حیوان جنس ہے، ایسا قضیہ ہے جو حیوان کے ذہنی وجود سے تعلق رکھتا ہے۔ اب اگر ذہن میں حیوان کا تعلق ایسا ہے کہ اس سے جنسیت کا استنباط ہوتا ہے تو صادق ہے اور اگر یہ حکم کیا جائے کہ "حیوان نوعِ حقیقی ہے" تو کاذب ہے۔ یہی موضوع کی حالت اور حیثیت ہے جسکو محکی عنہ، نفس الامر اور واقعہ

سے بھی تعبیر کرتے ہیں اور اس سے مطابقت کا نام کذب ہے۔

صحیح علم کا معیار :۔ تصوری علم میں تو صحیح اور غلط ہونے کے معنی نہیں، گفتگو تصدیقی علم میں ہے کہ وہ صحیح بھی ہوتا ہے اور غلط بھی۔ جہاں تک تصدیقات اولیہ، فطریہ و مشہودہ و محسوسہ مشترکہ عقل کا تعلق ہے تو ان کا یقینی ہونا گزشتہ بیان سے واضح ہو چکا ہے، مسئلہ تصدیقاتِ نظریہ تک محدود رہتا ہے۔

چنانچہ تصدیقاتِ نظریہ کا حصول اگر تحصیل کے فطری قواعد جنکی تدوین منطق ہے، کے تحت ہوتا ہے تو تصدیقی علم صحیح ہے ورنہ غلط اور صحیح دونوں کا احتمال ہے۔ گویا معیارِ صحت منطق یا وہ فطری اصول ہیں جنکو سامنے رکھکر منطقی قواعد کی تدوین ہوئی ہے۔ ان اصول کی تفصیل اور اغلاطِ تحصیل کی نشاندہی کافی طول بیان چاہتی ہے جس کا یہ مختصر مقالہ متحمل نہیں تفصیل کے لیے کتب منطق کی برہان کی بحث سامنے رکھیے۔

علم کی کلیۃً صحت ؟ اور علم کا تغیر، نشو و نما اور ارتقا :۔ ہمارا علم ابھی تک اپنے کمال کو نہیں پہنچا ہے اور شاید کبھی پہنچے بھی نہیں، علم کا تغیر، نشو و نما اور ارتقا انسان کے اپنے ذہن اور فکری تغیرات، اسکی تسلطی نشو و نما اور مسلسل ارتقاء سے وابستہ ہے اور چونکہ انسان خود اپنے کمال کو نہیں پہنچا ہے اس لیے اسکے علم کے کمال کو پہنچ چکنے کے کوئی معنی نہیں۔

علم کی تحصیل مخزونہ معلومات سے ہوتی ہے جنکا آخری مدار مشاہدات اور اولیات ہیں یا نتائج کی طرف فوری ذہنی انتقال جسکی تعبیر ہمارے فلسفی حدس سے کرتے ہیں، اور عقلِ فعّال کا فیضان یا الہام و القا کہتے ہیں۔ اور قابل کی استعداد کو علتِ مادی قرار دیتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ معلومات میں ساعت بہ ساعت بلکہ دقیقہ بہ دقیقہ اضافہ جاری ہے، استعداد بڑھتی جا رہی ہے اور فیضانِ الٰہی کا دروازہ بند نہیں ہوتا ہے۔ مشاہدہ باریک سے باریک تر، عمیق سے عمیق تر، وسیع سے وسیع تر اور حاوی سے حاوی تر ہوتا جا رہا ہے۔ اس لیے قواعدِ تحصیل و کسب کے ساتھ بھی علم برسر تغیر و تبدل اور نشو و نما کے مرحلے میں ہے اور برابر ترقی پذیر ہے۔ ارتقاء کے حلقوں کی کوئی نہایت نہیں۔ موجود کو باقی سے کوئی نسبت نہیں اور شاید انسانی قسمت ہی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ قلتِ علم کا شکار رہے اور عروسِ کمال کے چہرہ کی نقاب کشائی نہ کر سکے، بوعلی کے نصیب میں ہی غبار ناقہ کے دھند میں تاریک ٹوئیاں مارنا ہے پردہ محمل کبھی ہاتھ آجاتا ہے اور کبھی نہیں، پھر جس پر ہاتھ پڑا ہے کون کہہ سکتا ہے کہ وہ لیلیٰ کے ہی محمل کا پردہ ہے۔

مختلف علوم کے مختلف مناہج تحقیق : بے شبہ علوم کے اختلاف کے ساتھ انکی تحقیق کے طریقے اور نہج بھی جدا جدا ہوتے ہیں، راہیں الگ الگ ہوتی ہیں اور علائم و امارات بدلی ہوئی لیکن یہ بھی اصول تمثیل، استقرا اور قیاس میں ہی محدود رہتے ہیں بلکہ تمثیل و استقرا سے آگے نہیں بڑھتے۔ یہ الگ بات ہے کہ مناہج تحقیق جدا ہونے کے باوجود ان میں تال میل قائم

رہتا ہے اور ایک دوسرے کے لیے معاون ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً لسانیات کے معاد تحقیق سے استخراجِ نتائج کی ماہیں اثریات، جزئیات حصر، عکیات ہیں نہیں تاہم قواعدِ استخراج یہی تمثیل و استقراء و قیاس ہیں۔

زبان، فکر اور واقعیت

ملفوظی اور مکتوبی زبان کا رشتہ اور ان میں اوّلیت:۔ مسلم فلسفیوں کے نزدیک الفاظ کا اصل موضوع لہٗ صُوَرِ ذہنیہ ہیں، جو محسوسات سے ماخوذ ہیں۔ متاخرین میں کچھ لوگ ذہن و خارج کی تخصیص کے بغیر محض حقائق کو بھی الفاظ کا موضوع قرار دیتے ہیں، چونکہ نقوش یا کتابت کا مدلول الفاظ ہیں[۱۵] تو گویا مکتوبی زبان اور ملفوظی زبان میں دالّ مدلول کا علاقہ ہے مکتوبی زبان دال ہے اور ملفوظی زبان مدلول، اسی بنیاد پر ملفوظی زبان مقدم ہے اور مکتوبی مؤخر کیونکہ جس شے کے لیے کوئی شے مقرر کی گئی ہے اسکو مقرر کی جانے والی شے سے مقدم ہونا چاہئیے ورنہ وضع اور تقرر معدوم کے لیے ہوں گے اور وہ بھی معدوم مطلق کے لیے جسکو عقل قبول نہیں کرتی۔

زبان کی ابتدائی اکائیاں اور تصوّر و تصدیق:۔ تحلیلی طور پر اول لفظ اور پھر جملے زبان کی اکائیاں ہیں لیکن جہاں تک حقیقی اولیت کا تعلق ہے شاید جملے اصل اور اوّل ہیں، انسانی آوازوں نے جو لفظوں اور جملوں کا ترکیبی مواد ہے، غالباً پہلے کامل خیال اور جملوں کی نمائندگی کی ہے۔ گویا ابتدائی انسانی آوازیں خود جملوں کی قائم مقام اور ان پر دال ہیں کیونکہ انسان نے اپنے باطنی احساسات کا جن اصوات سے پہلی پہل اظہار کیا ہوگا وہ اس کے ظن و یقین کی نمائندگی کرتے ہوں گے۔ مفرد لفظوں کا جنم بہت بعد کی بات ہے اور اصوات کی تحلیل کا نتیجہ ہے مسلم حکماء جو الفاظ کا موضوع لہٗ صورِ ذہنیہ کو قرار دیتے ہیں، اصوات دالّہ کے متعلق جنھوں نے الفاظ کا چولا ہنوز نہیں بدلا ہے ان کا یہی دعویٰ قرینِ قیاس ہے اور اس صورت میں ان کے نزدیک بھی جملوں کو اصل اور اقدم ہونا چاہیئے۔ رہے تصور و تصدیق تو انکا اندازہ بھی لفظوں اور جملوں سے مختلف ہونا چاہئیے، ہاں تحلیل کے بعد تصور تصدیق پر مقدم ہے۔ اور ہمارے علوم و معارف کا تعلق صورِ ذہنیہ کی اس تحلیل کے بعد سے ہے۔

زبان اور مفہوم کا تعلق اور الفاظ کے ترادف کی بنیاد:۔ (۱) زبان اور مفہوم میں یہ تعلق تو ہے کہ زبان دالّ ہے اور مفہوم مدلول اور دال سے مدلول یا صورتِ ذہنی کی طرف انتقال بالکل فطری ہے، کبھی بلا قرینہ اور کبھی بقرائن قریبہ و بعیدہ، جو مفہوم کو متعین کر دیتے ہیں۔ بلا اشتباہ بھی اور باشتباہ بھی۔ اصل صورت تو یہی ہے کہ الفاظ اور جملے بالمطابقہ مفہوم پر دلالت کریں لیکن تضمن و التزام کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، حسب موقع و محل وہ بھی لازم کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مجاز، استعارہ اور کنایہ بھی مفہوم مراد پر دلالت کرتے ہیں لیکن بالقرائن لیکن انکی دلالت قطعی نہیں ہوتی اس لیے

علوم وفنون کی زبان میں علی سے احتراز واجب ہے الّا یہ کہ انکی دلالت بدیہی اور قطعی ہوجائے اور وہ عمومی یا خصوصی اصطلاح بن جائیں۔ (۲) جن لوگوں نے لفظوں کے باہمی تال میل، موقع، محل، تاریخ، تہذیب اور جزیاتی فرقوں کا لحاظ کیا ہے انھوں نے تو سرے سے ترادف کا ہی انکار کر دیا ہے۔ برخلاف ازیں جو الفاظ کے ترادف کے قائل ہیں ان کے نزدیک لفظوں کے ہم معنی ہونے کا فیصلہ عوام، اوساط اور خواص کے عرف اور تفاہم پر مبنی ہے۔ اہل زبان کے عرف اور تفاہم کی نمائندگی اسی زبان کی لغت کرتی ہے، چنانچہ ان لوگوں نے الفاظ کی شخصی خصوصیات، تال میل اور موقع ومحل کی نزاکتوں اور باریکیوں سے قطع نظر کرتی ہے اور معنی ومفہوم میں عمومی اشتراک کے اعتبار کو ہی کافی سمجھا ہے۔ مزید براں لفظوں کا سیاق وسباق، محل استعمال، عوامی تفاہم اور موقع کا قرینہ یہ طے کرنے میں ممد ومعاون ہوتے ہیں کہ باوجود الگ الگ لفظوں میں اظہار خیال کے مفہوم ایک ہی ہے، دال بدلے ہوتے ہیں لیکن مدلول واحد ہے۔

منطق، استدلال، انتاج

مقدمۂ دلیل کا اثبات وابطال : دلیل کا جو مقدمہ یعنی وہ قضیہ جو دلیل کا جز ہے اگر بدیہی اولی ہے یا فطری اور مشاہدہ ہے تو اسکو ثابت کرنے کا سوال ہی نہیں اٹھتا، وہ ثابت شدہ ہے، اس کا انکار مجادلہ اور مکابرہ ہے اور اگر بدیہی خفی ہے تو اسکی وضاحت کر دینا کافی ہے لیکن اگر نظری ہے تو اسکو برہانی قیاس، تمثیل یا استقراء سے ثابت کیا جانا چاہیئے اور انھیں شرائط کے ساتھ جو کتب منطق میں جمع کر دی گئی ہیں، نیز اس کے تالیفی تصورات کی بھی حدود ورسوم سے توضیح کی جانی چاہیئے اگر وہ واضح نہیں۔ مقدمۂ دلیل کے ایضاح واثبات کے یہی طریقے ہیں گویا اصل دعویٰ کو ثابت کرنے کے طریقے، دلیل کے کسی مقدمے کو ثابت کرنے میں بھی برتے جائیں گے کیونکہ دلیل کا جو مقدمہ بھی غیر ثابت شدہ ہوگا اسکی حیثیت بھی دعویٰ جیسی ہوگی اور مقدمۂ دلیل بننے کی صلاحیت نہیں رکھے گا۔

کسی مقدمۂ دلیل کے غلط اور باطل ہونے کی بہت سی وجہیں ہوتی ہیں مثلاً لفظی طور پر غلط ہے کہ اسمیں مشترک لفظ استعمال کر دیا گیا ہے اور جس معنی کے لحاظ سے وہ اس مقدمے میں صحیح ہے، دلیل کے دوسرے مقدمہ میں صحیح نہیں اس لیے مطلوبہ نتیجہ حاصل نہیں ہوتا، یا معنوی غلطی ہے کہ جو معنی مراد لیے گئے ہیں وہ معنی حقیقۃً مدلول لفظ نہیں۔ یا صورۃً غلط ہے کہ دلیل کا جز اور مقدمہ ہونے کے لیے جو شرائط ہیں وہ اس پر پورا نہیں اترتا، یا مادے کے اعتبار سے غلط ہے کہ برہانی استدلال میں اس کے ہر مقدمے کو یقینی ہونا چاہیئے، لیکن یہ مقدمہ ظنی ہے اس لیے اس سے یقینی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا یا تالیفی طور پر غلط ہے مثلاً قیاس کی شکل اوّل میں صغریٰ کو موجبہ ہونا چاہیئے لیکن یہ مقدمہ صغریٰ ہونے کے باوجود سالبہ ہے مزید براں پوری دلیل کے باطل ہونے کی دوسری وجہیں بھی ہوتی ہیں مثلاً نقض ومعارضہ وغیرہ جیسے دلیل دعوے سے اخص ہے

اس لیے خلف کو مستلزم ہے یا اس کے صحیح قرار دینے سے بعض محالات کو ماننا پڑے گا یا بعض دوسرے دلائل ہیں جن سے دعوے کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔

قوانینِ استدلال کی یکسانی اور عقلا و مفکرین میں اختلاف: (۱) واقعہ یہ ہے کہ اصولِ استدلال فطری ہیں اور عقلِ سلیم کا تقاضا جب بھی کسی دعوے کو ثابت کرنے کی یا تردید کرنے کی ضرورت ہوئی اہلِ فکر نے اپنی عقلِ سلیم کی ہدایت پر انہیں فطری اصول کے تحت استدلال، تعلیل اور تردید و ابطال کو ترتیب دیا۔ جہاں تک جزئیاتی فرقوں کا تعلق ہے وہ رہے لیکن عمومی طُرقِ اثبات و ابطال پر اثر انداز نہیں ہوئے۔ جزئیات سے جزئیات پر استدلال، جزئیات سے کلیات کا استنباط یا کلیات سے احکامِ کلیہ کا اخذ، بحالہا برقرار رہے اور آج بھی ہیں، ان طریقوں میں سے کبھی ایک طریقے کو اہمیت حاصل ہوئی کبھی دوسرے کو، یہ اپنے اپنے عہد کی فکری ارتقا اور انحطاط کی باتیں ہیں۔ اصولِ تعلیل و تحدید کے مقدمات و مبادی کچھ غیر ضروری سمجھے گئے کچھ ضروری، کسی نے ان خصوصی مبادی اور مقدمات سے سرمو تجاوز کرنا فکری خطا پر محمول کیا، کسی نے اعلانیہ تجاوز کیا لیکن ان کی بنا پر اصول پر حرف نہیں آیا۔ چنانچہ یہ سمجھنا کہ یہ ارسطا طالیس پر پہلی مرتبہ نازل ہوئے تھے سب سے بڑی غلطی ہے، ہمارے اہلِ فکر نے بھی ارسطو کو ان اصول و مقدمات و مبادی کا مدوِن سمجھا تھا نہ کہ مصنف و موجد۔[19]

اگر انسان کی عقلِ عمومی یا عقلِ سلیم میں مکان و زمان سے بنیادی طور پر فرق نہیں آتا یعنی اسکی دریابندگی معقولات کی کم و بیش قوت یکساں ہے تو اصولِ تفاہم کو بھی یکساں ہونا چاہیئے، سوجھ بوجھ کا نقشہ اور خاکہ بھی ایک ہونا چاہیئے، یہی ہمارا مشاہدہ اور مطالعہ ہے۔ دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کے اہلِ فکر کی تقریریں، تحریریں ہم سمجھتے ہیں ان کے مقاصد اور دعاوی کو ان کے دلائل کی روشنی میں قبول بھی کرتے ہیں اور رد بھی اور اس ردّ و قبول میں فکر کا یہی اصولی خاکہ ممد و معاون ہوتا ہے۔ اگر یہ اصولی خاکہ ایک نہ ہوتا تو زمان و مکان کے فرق سے انکی حیثیت دیوانوں کی بڑھ اور بکواس سے زیادہ نہ ہوتی یا ان کے ردّ و قبول کا شاخصانہ نہ اٹھتا نہ انکی فکری اہمیت اور غیر اہمیت کا سوال پیدا ہوتا۔

(۲) ان اصولِ فکر کی عام اور عالمگیر یکسانی کے باوجود اسمیں بھی شبہ نہیں کہ عوام میں نہیں بلکہ خصوصیت سے اہلِ نظر و فکر میں فکری اختلاف رہا ہے اور غالباً رہے گا بھی لیکن اسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ تجریدی اصولِ فکر میں بنیادی اختلاف ہے یا سوچنے سمجھنے کی قوتوں میں نوعی یا صنفی فرق ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اہلِ فکر اور عقلا کی رایوں اور فکری نتیجوں میں اختلاف کے بہت سے اسباب ہیں جنکا اصولِ فکر سے تعلق نہیں بلکہ وہ خارجی عوارض ہیں جو اصولِ فکر پر حاوی ہو جاتے ہیں یا ان سے غافل بنا دیتے ہیں یا ان کے مواد میں توسیع، ترمیم یا کلیۃً تبدیلی پیدا کر دیتے ہیں اور اس طرح خود بخود نتائج بدل جاتے ہیں اور فکروں میں اختلاف ہو جاتا ہے۔

ان عوارض لاحقہ میں سے جو فکر پر اثر انداز ہوتے ہیں مثال کے طور پر کچھ کی نشاندہی کیے دیتا ہوں۔ ان میں سے بعض اس لحاظ سے کافی اہمیت رکھتے ہیں کہ فکریں بدل ڈالتے ہیں مثلاً معلومات کی کثرت، وسعت، صحت اور دقت و عمق اور معلومات کی قلت، تنگی، غلطی، اوپری پن اور اتھلا پن، مشاہدات کی سطحیت اور گہرائی، تفحص و تلاش کے دائرے کی تنگی اور وسعت، جزئیات میں طرد و عکس کا اختلال، جزئیات و متعلقات کے احاطے میں کمی بیشی، خود فکر و شعور کا ضعف اور قوت لیکن کچھ اگرچہ جوہری طور پر حقیقی اہمیت نہیں رکھتے لیکن فکروں کو نئی سمت دیدیتے ہیں۔ جیسے مسلمات کا اختلاف، روایات کا فرق رجحانات و میلانات کا الگ الگ ہونا، مزاجوں کا جدا جدا ہونا، اعتماد، اعتبار اور استناد کا مختلف ہونا، ذہنی انتقال اور توجہ میں کمی بیشی، پیش آنے والے حوادث سے تاثر، نتائج کے اخذ کرنے میں عجلت، ضد و عناد، بغض و محبت، جنبہ داری اور عصبیت، خوف اور مغالطہ وغیرہ۔ بہت سے اسباب ہیں جو اہل فکر کی رایوں میں اختلاف بلکہ تناقض کا باعث ہوتے ہیں لیکن ظاہر ہے کہ ان کا اصول فکر سے تعلق نہیں، صحیح و غلط کا اصلی کانٹا وہی ہیں، فکروں پر جرح و نقد انہیں کے تحت ہوتا ہے اور فکروں کی تصحیح و تغلیط کی جاتی ہے۔

حواشی:

۱ النجاۃ لابن سینا ص۲، الکتاب المعتبر لابی البرکات البغدادی، قسم الالٰہیات ص۳، ۲ مختصر تاریخ الفلسفۃ لاسکندر ص۲۰۰-۲۰۱، ۳ کتاب مابعد الطبیعۃ لابن رشد ص۶-۷، ۴ الکتاب المعتبر قسم الالٰہیات ص۲۲-۲۳، التعلیقات للفارابی ص۱۰، الملل والنحل للشہرستانی علی ہامش الفصل (ابو علی ابن سینا) ص۹، حکمۃ الاشراق للشیخ المقتول بشرحہا للصدر الشیرازی ص۲۷۸-۲۷۹، شرح ہدایۃ الحکمۃ للخیرآبادی ص۱۳۷-۱۳۸، ۵ النجاۃ ص۲۰۰-۲۰۱، ۶ النجاۃ ص۸۰-۸۱، المعتبر قسم الالٰہیات ص۱۹، شرح حکمۃ الاشراق ص۱۹۹، ۷ النجاۃ ص۱۲، المعتبر قسم المنطق ص۳۶، ۸ النجاۃ ص۳، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۱۹۶، ۱۹۷، شرح المواقف للسید الشریف ص۹، ۹ محل کی تقسیم سے حال بھی منقسم ہوجائے تو حلول سریانی اور منقسم نہ ہو تو حلول طریانی ص۱۱، ص۱۳، ۱۰ النجاۃ ص۶، المعتبر قسم المنطق ص۳۱، ۱۰ النجاۃ ص۳، ۱۰، ۶۱، ۶۲، ۶۴، ۶۵، ۶۸، سلم العلوم ص۱۱-۱۳، ۱۱ المعتبر قسم المنطق ص۱۰، ۱۳، ۱۲ ایضاً ص۳۶، ۱۳ ہلیہ بسیطہ ایسا قضیہ ہے جس میں موضوع کے لیے صرف موجودگی کا ثبوت ہو جیسے "زید موجود ہے" ہلیہ مرکبہ ایسا قضیہ ہے جس میں موضوع کے لیے اس کی موجودگی کے بعد کسی صفت کا ثبوت ہو مثلاً "زید شاعر ہے"۔ شیخ کے یہاں یہ بالترتیب ہلیہ مطلقہ اور ہلیہ مقیدہ ہیں۔ النجاۃ ص۳، ۱۴ شرح حکمۃ الاشراق ص۴۰، شرح السلم محمد اللہ ص۵۶، ۱۵ النجاۃ ص۱۲۴، المعتبر قسم الطبیعی ص۳، الہدیۃ السعیدیہ ص۳۴، ۳۷، ۱۶ النجاۃ ص۱۱-۱۲، المعتبر قسم الطبیعی ص۳، ایضاً قسم الالٰہی ص۴، الہدیۃ السعیدیہ ص۵۹، ۶۰، ۱۷ شرح السلم محمد اللہ ص۵۶، ۱۸ النجاۃ ص۱۳-۱۴، سلم العلوم ص۱۹، ۱۷ المعتبر قسم المنطق ص۱۱۳، المرقاۃ لفضل امام الخیرآبادی ص۴

●●

پروفیسر سید امیر حسن عابدی
دہلی یونیورسٹی

دیوانِ حافظ

(نسخۂ شاہانِ مغلیہ)

خدا بخش لائبریری، پٹنہ، کے ارباب حل و عقد نے دیوان حافظ[1] کا وہ قلمی نسخہ شائع کر دیا ہے[2]، جو غالباً ہمایوں بادشاہ[3] اپنے ساتھ ایران سے لائے اور جس سے مغل بادشاہ بالخصوص ہمایوں اور جہانگیر[4] فال نکالا کرتے تھے، یہ اس سے حافظ شناسی میں ایک بہت بڑا اضافہ ہوا ہے۔ مگر میرے نزدیک اس کی اہمیت اس لحاظ سے بھی ہے کہ یہ خط نستعلیق کے اوّلین اور بہترین نمونوں میں سے ہے۔

خط نستعلیق کی ابتدا غالباً نویں صدی ہجری/چودہویں عیسوی کے آغاز سے ہوئی ہے، نیز میر علی تبریزی[5] کو اس کا موجد بتلایا گیا ہے۔ اس قلمی نسخہ پر سلطان بایقرا[6] کی دستخط اور مہر بھی ہے[7]، جو نویں صدی ہجری کے آغاز میں تھے۔ بد قسمتی سے اس نسخہ کے آخر میں تاریخ کتابت نہیں ہے، پھر بھی اس کے قدیم اور اصیل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

متن کے لحاظ سے بھی یہ نسخہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ میں نے اس کے مطالعہ کے وقت حسب ذیل مطبوعہ نسخوں کو بھی بغور دیکھا ہے، جنھیں یہاں اختصاری نشان کے ساتھ دیا جا رہا ہے:

ل = دیوان حافظ، خواجہ شمس الدین محمد، جلد اوّل، غزلیات، بہ تصحیح و توضیح پرویز ناتل خانلری، چاپ دوم، ۱۳۶۲ شمسی، انتشارات خوارزمی، تہران۔

---

[1] وفات: ۷۹۱ ہجری/۱۳۸۸ عیسوی [2] خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، ۱۹۹۲ عیسوی [3] ۹۳۷ ہجری/۱۵۳۰ عیسوی + ۹۶۲ — ۹۶۳ ہجری/۱۵۵۵ — ۱۵۵۶ عیسوی [4] ۱۰۱۴ — ۱۰۳۷ ہجری/۱۶۰۵ — ۱۶۲۷ عیسوی

[5] "علی (میر) علی تبریزی ملقب بہ ظہیر الدین و قدوۃ الکتاب شاعر و خطاط (ت ۸۵۰ ھ ق)... شہرت او بواسطۂ خط نستعلیق است کہ گویند واضع این قلم بودہ است، ولی باید دانست کہ خط مذکور... بتدریج ایجاد شدہ... امیر علی تبریزی اول کسی است کہ این خط را با قاعدہ و زیبا نوشتہ است۔" فرہنگ فارسی، دکتر محمد معین۔ نویسندۂ مرآۃ الخیال می آورد: گویند خط ہشتم کہ نستعلیق باشد میر علی تبریزی در زمان امیر تیمور صاحبقران از خط نسخ و تعلیق استنباط نمود۔" لغت نامہ، علی اکبر دہخدا، تہران ۱۳۷۷۔

[6] "بایقرا ابن عمر شیخ بن تیمور... در ہمدان حکومت داشتہ (۸۱۷ — ۸۱۸ ھ ق)" فرہنگ فارسی محمد معین۔

[7] "سلطان حسین مرزا بای قرا ۲۶ شعبان ۸۱۰ تحویل سہیل شد۔"

ق = دیوان خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی، باہتمام محمد قزوینی و دکتر قاسم غنی، کتاب فروشی زوار، تہران، چاپ چہارم ۱۳۶۲، چاپ آفست گلشن۔

قم = دیوان حافظ، بہ تصحیح دکتر حسین الہی قمشہ ای، خط غلام حسین امیرخانی، انجمن خوشنویسان ایران، ہدیۂ انتشارات سروش، آبانماہ، تہران ۱۲، چاپ دوم ۱۳۶۸۔

پ = دیوان خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی، بانضمام کشف النزل ... و تصحیح دیوان، باہتمام حسین پژمان، کتاب فروشی و چاپخانہ بروخیم ۱۳۱۸

ج = دیوان خواجہ حافظ شیرازی، با تصحیح و مقدمہ و حواشی و تکملہ و کشف الابیات و کشف اللغات، باہتمام سید ابوالقاسم انجوی شیرازی، چاپخانہ محمد حسن علمی، سازمان انتشارات جاویدان، چاپ پنجم، ۱۳۶۳۔

ح = دیوان حافظ، بر اساس نسخۂ مورخ ۸۱۸ ہجری، ترتیب و تنظیم پروفسور نذیر احمد، مرکز تحقیقات فارسی رایزنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران، دہلی نو، ۱۹۸۸۔

خ = دیوان حافظ، نسخۂ شاہان مغلیہ، خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ، ۱۹۹۲

د = دیوان حافظ، از انتشارات سعدی، چاپ سوم، چاپخانہ حہارت، بہار، ۱۳۶۶

ر = حافظ بہ سی زبان، بکوشش محسن رمضانی، آذرماہ، ۱۳۶۷، انتشارات بدیدہ۔

س = غزلیات حافظ، بر اساس نسخۂ مورخ ۸۱۳ھ، ترتیب و تنظیم پروفسور نذیر احمد، مرکز تحقیقات فارسی رایزنی فرہنگی سفارت جمہوری اسلامی ایران، دہلی نو، ۱۴۰۹ ھ ق۔

ش = دیوان حافظ شیرازی، از انتشارات انجمن خوشنویسان ایران، با ہمکاری وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی، از نسخۂ محمد قزوینی و دکتر قاسم غنی۔

ط = دیوان حافظ شیرازی، نشر طلوع، اول پائیز، ۶۹۔

ع = دیوان خواجہ شمس الدین محمد حافظ شیرازی، بہ تصحیح عبدالرحیم خلخالی، کتاب فروشی حافظ، چاپ دیبا، چاپ سوم، پائیز ۱۳۶۶۔

قر = دیوان مولانا شمس الدین محمد حافظ شیرازی، باہتمام دکتر یحیی قریب، انتشارات صفی علی شاہ، چاپ پنجم ۱۳۶۸۔

ک = دیوان حافظ، مطبع نول کشور، بار ششم، مارچ ۱۹۰۰ء۔

عب = دیوان حافظ مترجم اردو، از خواجہ محمد عباد اللہ اختر امرتسری، شیخ الہی بخش و محمد جلال، تاجران کتب، بازار کشمیری

لاہور۔

م ۔ غزلہای حافظ براساس مجموعۂ لطایف و سفینۂ ظرایف، از سیف جام ہروی، ہمعصر حافظ، پروفسور نذیر احمد، خانۂ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران، دہلی نو، ۱۹۹۱۔

ن ۔ دیوان خواجہ شمس الدین حافظ شیرازی، براساس نسخۂ مورخ ۸۲۴ ہجری، باہتمام دکتر نذیر احمد و دکتر سید محمد رضا جلالی نائینی، سازمان امور فرہنگی و کتابخانہا، چاپ بیست و پنجم شہریور، شرکت سہامی آفست، تہران ۱۹۷۱/۲۲/۱۱/۵۰۔

ی (الف)۔ غزلہای حافظ، تدوین کنندہ دکتر سلیم نیساری، مؤسسۂ فرہنگی منطقہ ئی، چاپ اوّل، تہران شہریور ۱۳۵۳۔

(ب)۔ غزلہای حافظ، براساس چہل و سہ نسخۂ خطی سدۂ نہم، تدوین دکتر سلیم نیساری، انتشارات بین المللی الہدی، ۱۳۷۱۔

اس نسخہ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حسب ذیل قطعات اور رباعیاں دی ہوئی ہیں، جو کسی اور نسخہ میں مجھے ابتک نہ مل سکیں:

مقطعات

تنم ز رنج فراوان ہمی نیاساید — دلم ز غصۂ بیحد ہمی بفرساید
بخار حسرت چون بر شود ز دل بسرم — ز دیدہ ہایم باران غم فرود آید
ز بس غمان کہ بدیدم چنان شدم کہ مرا — نسیم صبح بیک دم ز جای برباید
دو چشم من رخ من زرد دید نتوانست — از آن بخون دلش دم بدم بینداید
کہ گر ببیند بدخواہ روی من روزی — بچشم او رخ من زرد رنگ بنماید
زمانہ بد و ہر جا کہ فتنہ ای باشد — چو نو عروسی در چشم من بیاراید
چو من بہ مہر دل خویشتن در و بندم — رباید آن و دگر فتنہ ای پدید آید
زمانہ برد ز من پاک آنچہ بود مرا — بغیر محنت کان نزد من ہمی پاید
لقب نہادم ازین روی فضل را محنت — مگر کہ فضل مرا ہم زمانہ بستاید
اگر نہ الم گویند نیست حاجت مند — دگر بنالم گویند ژاژ می خاید
بمن شمرد فلک ہر چہ زاریم می داد — کنون کہ می دہد دم غم ہمی نہ بنماید

غمین نباشم لیکن حق جاویدان — دری نه بندد تا دیگریم نکشاید

○

دریغا حسرتا دردا که زین جوی — بخواهد رفت آب زندگانی
همی باید برید از خویش و پیوند — چنین رفت ست حکم آسمانی
و کلّ اخ مفارقه اخوه — لعمرابیک الّا الفرقدانی

○

ای باد صبا اگر توانی — از راه وفا و مهربانی
از من ببری خبر بیارم — کان سوختهٔ تو در نهانی
می مرد ز اشتیاق و می گفت — ای بی تو حرام زندگانی

رباعیات

در بحر دل ماست بسی درّ نهفت — واحسرت اگر چنین بماند ناسفت
دردی که توان گفت که گوید زان درد — فریاد ز دردی که از آن نتوان گفت

○

چون تیغ زند اجل سپرها هیچست — وین حشمت و جاه و گنج زرها هیچست
چندانکه بد و نیک جهان می بینم — نیک است که نیک است دگرها هیچست

○

دل با رخ تو سرّ تعشّق دارد — چون سوختگان داغ تشوّق دارد
در دجر رخ تو جان نهادیم نه دل — کان وجه بناز کی تعلّق دارد

○

هر اهل دلی که در زمان تو بود — او را دلش دعای جان تو بود
قرص زر و سیم و مهر و مه رشک برند — از قرص کمر که در میان تو بود

○

گرد شکرت مورچه ره خواهد کرد — بر لاله بنفشه تکیه گه خواهد کرد

برآتش رخسار تو خط دانی چیست — دو دیست کہ عالمی سیہ خواہد کرد

○

اندر طلب یار چو مردانہ شدم — اوّل ز وجود خویش بیگانہ شدم[1]
او فضل نمی شنید لب بر بستم — او عقل نمی خرید دیوانہ شدم

○

دی از سر اسپ ای صنم خانہ نشین — گر ز انکہ فتادی کہ کند عیب برین
تو برگ گلی و اسپ تو باد صباست — از باد صبا برگ گل افتد بزمین

○

کم گوی و بجز مصلحت خویش مگوی — چیزی کہ نپرسند تو از خویش مگوی
گوشِ تو دو دادند زبان تو یکی — یعنی کہ دو بشنو و یکی بیش مگوی

نسخہ 'ح' میں حافظ کی ترکیب بند کا صرف یہ بند دیا ہوا ہے:

ع ساقی اگرت ہوای ماہی

جبکہ نسخہ خدا بخش میں اس کے بقیہ بند بھی موجود ہیں، اگرچہ نسخہ پٹنہ میں اس کو مشکوک بتلایا گیا ہے۔

نسخہ پٹنہ میں حسب ذیل مثنوی، غزلوں، رباعیوں اور قطعوں کو مشکوک، منسوب، الحاقی اور "از گفتار دیگران" کہا گیا ہے، جو نسخہ خدا بخش میں موجود ہیں۔ اب حافظ شناس حضرات فیصلہ کریں گے کہ اس نسخہ کے بعد شک و شبہ کی گنجائش کہاں تک باقی رہتی ہے:

مثنوی مشکوک

ایا ریح الصبا قلبی کئیبت

---

[1] دکتر اختر مہدی می گوید: "در دورۂ خلجی شہر الہ آباد از اہمیت فرہنگی زیادی برخوردار بود ... مجذوب شاہ کرک ہم سہم زیادی در اشاعت فرہنگ اسلامی در این شہر دارد۔ وی بہ زبان فارسی شعری سرود... شاہ وجیہ الدّین صاحب تذکرۂ بحر ذخّار شعر زیر را بہ عنوان نمونۂ کلام شاہ کرک آوردہ است:

اندر طلب دوست چو مردانہ شدم — اوّل قدم آن بود کہ بیگانہ شدم"

آشنا (ص ۱۱) شمارہ چہاردہم، آذر و دی ۱۳۷۲ (تہران)

غزلیات مشکوک

هر آن خجسته نظر کز پی سعادت رفت

آن را که جام بادهٔ صهباش می دهند

ساقیا مایهٔ شراب بیار

نیست کس را ز کمند سر زلف تو خلاص

کرد فدا ریار من تا نوشت دست خط

ز چشم بد رخ خوب ترا خدا حافظ

حسن و جمال تو جهان جمله گرفت طول و عرض

بسحر چشم تو ای لعبت خجسته مثال

روز عید است و من امروز در آن تدبیرم

غزلیات منسوب به حافظ

سر سودای تو اندر سر ما می گردد

دلم بی جمالت صفائی ندارد

کارم ز جور چرخ بسامان نمی رسد

هر که او یک سر مو پند مرا گوش کند

گر زلف پریشانت در دست صبا افتد

دلا چندان بریزی خون ز دیده شرم دار آخر

براه میکده عشاق راست در تگ و تاز

من خرابم ز غم یار خراباتی خویش

بجد و جهد چو کاری نمی رود از پیش

نیست کس را ز کمند سر زلف تو خلاص

کسی مباد چو من خسته مبتلای فراق

ای کرشمه را فگنده ای در بزم شاهان تا زمک

رهروان را عشق بس باشد دلیل

"غزلها و اشعاری که از گفتار دیگران بدیوان حافظ الحاق شده است"

«از نزاری قهستانی»	ابر فیتم تو دانی و دل مخمور ما
«ملک جهان خاتون»	غمت تا در دلم ماوا گرفت ست
«از امیر خسرو دهلوی ست»	بازم مه رخسار [1] ش در نظر آمد
«از سلمان ساوجی»	می‌زنم هر نفس از دست فراقت فریاد
«از سلمان ساوجی»	گفتم که خطا کردی و تدبیر نه این بود

"این غزل هم ظاهراً از [خواجوی کرمانی] ست"

ساقی دگر باره از دست برد

(رباعی مشکوک)

بر دل غم روزگار تا کی داری

(رباعیات منسوب)

شب رفت بپایان و حکایت باقیست

زلفین تو پیچ خم و تاب از چه گرفت

از رنگ رخت نشان اطلس پرسم

جان گذر برگذر تیز ی آه

گفتم که چه حالست بدین شیرین

(قطعهٔ مشکوک)

مسعود خواجه ما را بگو که بد مپسند

وگرنه دو در جهان جز بدت جزا نه ‌هد

---

[1] ا - ب: رخ زیبای.

(قطعۂ منسوب)

حکیم فکرتِ من از عقل کرد دوش سؤال   که ای یگانۂ الطاف خالق رحمن

نسخۂ خدابخش کی ایک امتیازی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں حسب ذیل چھپی ہوئی غزلوں کے وہ اشعار پائے جاتے ہیں، جو کسی اور مطبوعہ نسخہ میں نہیں ہیں۔ اب یہ فیصلہ کرنا کہ یہ اصیل ہیں یا مشکوک حافظ شناسوں کے دائرہ میں آتا ہے:

منقار داشت

عارفی کو سیر کرد اندر مقام نیستی   نیست شد چون مستی از عالم اسرار داشت

رشحۂ ظلمت

نمی رست و تو خوش تیز می رندی ای دل   کن که گرد برآید ز رشحۂ عدمت

نظری نیست که نیست

کمرکین من بسته چه بندی که زمهر   بر میان دل و جانم کمری نیست که نیست

زلف دوتا نیست

گفتن بخورشید که من چشمۂ نورم   دانند بزرگان که سزاوار سها نیست

بخشیدیم و برفت

گفت از خود ببر و معرکه وصالم طلبید   ما بامید وی از خود ببریدیم و برفت

عاشقست مباح

فلاح و توبه و تقوی مجوی ای شیخ از ما   ز رند و عاشق و مجنون کسی نجست فلاح

طبق آن توان زد

از شرم در خمارم ساقی ترحمی کن   باشد که بوسۂ خوش بر آن دهان توان زد

دلم شاید

نخواهد این چمن از سرو [و] لاله خالی ماند   یکی همی رود و دیگری همی آید

جهان ندارد

ذوق جهان ندارد بی دوست زندگانی   بی دوست زندگانی ذوقی جهان ندارد

دلبری داند

در آب دیدهٔ خود غرقه ام چه چاره کنم　　که در محیط نه هر کس شناوری داند

باد صبا شنید

هر شام ماجرای من و دل شمال گفت　　هر صبح گفت وگوی من و صبا شنید

یک سر نمی ارزد

دیار یار مردم را مقید می کند لیکن　　چه جای پارس کین محنت جهان یک سر نمی ارزد

سفر کرده داد باد

طرف کلاه شاهیت آمد بخاطرم　　آنجا که تاج بر سر نرگس نهاد باد

دوستداران یاد باد

نیک در تدبیر غم بیچاره ام　　چارهٔ آن غمگساران یاد باد

خوش نشانی داد

بسان طوطی نطق تو حافظ بجهان　　که داد غذب زبانی و خوش بیانی داد[۱]

از هلال وسمه کشید

میوش روی مشو درهم از تفرج خلق　　که خواند خط تو بر روی ان یکاد و مید

مرا بر آب سرشکم که بی تو دور از تو　　چو بادی شد و بر خاک راه می غلطید

خوشتر نباشد

بنا نیز دبت سیمین برم هست　　که در بتخانهٔ آذر نباشد

قوت بنود

هر کرا آینه صافی نشد از زنگ هوا　　دیده اش قابل رخسارهٔ حکمت نبود

بتاب رود

مرا تو عهد شکن خوانده ای و می ترسم　　که با تو روز قیامت همین عتاب رود

۱- نسخهٔ قزوینی میں جو مقطع ہے وہ اس نسخہ میں اس طرح ہے:

گذشت بر من مسکین و با رقیبان گفت　　دریغ عاشق مسکین ما چه جانی داد

ارزانی بود

خوش بود خلوت حرم ای صوفی دلکش گر درد باده ریحانی و ساقی روحانی بود

میل چمن نمی کند

لخلخه سای شد صبا دامن پاکش از چه رو خاک بنفشه زار را در عدن نمی کند

ببالین آمد

شادی یار پری چهره بده باده ناب که می لعل دوای دل غمگین آمد

تاجدارانند

رقیب درگذر و بیش ازین مکن نخوت که ساکنان در دوست خاکساراتند

آسان نبود

دردمندی که کند درد نهان پیش حکیم درد او بی سببی قابل درمان نبود

از یاد ببر

بعد ازین چهره زرد من و خاک در دوست باده پیش آور و این جان غم آباد ببر

گویای اسرار

خرد هر چند نقد کاینات ست چه سنجد پیش نقد کیمیا کار

دوست کردم باز

بهیچ در نروم بعد ازین ز حضرت دوست چو کعبه یافتم آیم ز بت پرستی باز

صبا بمقدم گل راح روح می بخشد کجاست بلبل خوش گوی گو برآر آواز

عنبر افشانش

سحر بطرف چمن می شنیدم از بلبل نوید حافظ خوش لهجه خوش الحانش[۱]

شاه شجاع

بیا رمی که چو خورشید شعله افروزد رسد بکلبه درویش نیز فیض شعاع

۱- نسخهٔ قزوینی میں مقطع اس طرح ہے:

بگیرم آن سر زلف و بدست خواجه دهم که سوخت حافظ بیدل ز مکر دستانش

صراحی و حریفی خوشم ز دنیا بس — که غیر ازین همه اسباب وحشت است و نزاع
ز زاهد و واعظ و طامات او ملول شدیم — بسا ز رود و غزل خوان و می بیر و سماع

هوا خواه خدمتم

در ابروی تو تیر نظر تا بگوش جان — آورده و کشیده و موقوف فرصتم

خدمت می کنم

از یمین عرش آمین می کند روح الامین — چون دعای بادشاه ملک و ملت می کنم
خسروا امید اوج جاه دارم زین جهت — التماس آستان بوسی حضرت می کنم

مدّعیان اندیشم

دامن از رشحهٔ خون دل ما درهم چین — که اثر در تو کند گر بخراشی ریشم

غبارتم

مرا که منظر حور است مسکن و مادا — چرا بکوی خرابا تیان بود وطنم

شاهد و ساغر کنم

وقت گل گوئی که زاهد شو بچشم سر ولی — می روم تا مشورت با شاهد و دلبر کنم

زیر بارم

سحا خوردم من از پیمانهٔ او — که هشیاری و بیداری چه کارم

مهرو بین

لرزه بر اعضای مهر از رشک آن مهر و نگر — نافه را خون در جگر زان عنبر مو بین

دوست نامه

باد صبا ز ماهم ناگه نقاب برداشت — کالشمس فی ضحایه طلع من الغمامه

زنخدان بدر آئی

در خانهٔ غم چند نشینی و ملامت — وقت است که از دولت سلطان بدر آئی

انوار پادشاهی

در دودمان آدم تا رسم سلطنت هست — مثل تو کس ندانست این امر را کماهی

جور از فلک نتابد تا تو ملک صفاتی — ظلم از جهان برون شد تا تو جهان پناهی

اسرار عشق و مستی

عشقت بدست طوفان خواهد سپردن ای جان — چون برق ازین کشاکش پنداشتی گریستی

دو منی

بگوشه ای بنشین خوش دل و تماشا کن — گرت ز ملک قناعت هوس کند وطنی

ابر بهمنی

گر صبحدم خمار ترا دردسر دهد — پیشانی خمار همان به که بشکنی

اس کے برخلاف نسخۂ تبریزی وغیرہ میں بہت سے اشعار ہیں جو نسخۂ خدا بخش میں نہیں ہیں، جیسے یہ اشعار:

زلف دل دزد تش صبا را بند در گردان نهاد — با هواخواهان رهرو حیلت هندو ببین

مرا بدور لب دوست هست پیمانی — که بر زبان نبرم جز حدیث پیمانه

اب ہم وہ اشعار نقل کر رہے ہیں جو نسخۂ خدا بخش کے علاوہ دوسرے مطبوعہ نسخوں میں بھی موجود ہیں مگر دونوں میں کافی اختلاف ہے:

سبزہ دمید

عجایب ره عشق ای رفیق بسیار ست — ز پیش آهوی این دشت شیر نر میدد[1]

شراب نوش کن و جام زر بحافظ بخش — که پادشه بکرم جرم صوفیان پوشید[2]

میخانه زدند

در ره عشق دل گوشه نشینان خون شد — همچو آن خال که بر عارض جانانه زدند[3]

منبر می کنند

خانه خالی کن دلا تا منزل سلطان شود — کین هوسناکان دل و جان جای دیگری کنند[4]

۱- ی: عجائب ره عشق ای رفیق بسیار است — ز پیش آهوی این دشت شیر بیشه رمید

۲- س: شراب نوش کن و جام زر بحافظ بخش — که پادشه بکرم جرم صوفیان بخشید

۳- ح: نقطۀ عشق دل گوشه نشینان خون کرد — همچو آن خال که بر عارض جانانه زدند

۴- م: خانه خالی کن بتا تا منزل جانان شود — کین هوسناکان دل و جان جای لشکری کنند

کردم باز

زشوق مجلس آن ماه خرگهی حافظ   گرت چو شمع جفائی رسد بسوز و بساز[1]

جرم پوش

گنج سعادت ابدی معرفت بود   حافظ چو گنج یافته‌ای باش هان خموش[2]

چو شمع

شب نشین کوی سربازان و رندانم چو شمع   در دنای مهر تو مشهور خود بانم چو شمع[3]

غمزه تیرم

من آن گه برگرفتم دل ز حافظ   که ساقی گشت یار ناگزیرم[4]

صد رو نهاده‌ایم

عمریست تا براه غمش رو نهاده‌ایم   رو دریای خلق بیک سو نهاده‌ایم
حافظ بعیش کوش که ما نقد عقل و هوش   در راه یار سلسله گیسو نهاده‌ایم[5]

طبیبان

ما عشق پنهان با یار گفتیم   نتوان نهفتن درد از طبیبان[6]

۱- ق : فکند زمزمهٔ عشق در حجاز و عراق   نوای بانگ غزلهای حافظ از شیراز
ح، ی : غزل سرائی ناهید صرفه‌ای نبرد   دران مقام که حافظ برآورد آواز
۲- ح : تا چند همچو شمع زبان آوری کنی   پروانهٔ مراد رسید حافظا خموش
ی : تا چند .... رسید ای محب خموش
۳- ق : در دنای عشق تو مشهور خود بانم چو شمع   شب نشین کوی سربازان و رندانم چو شمع (نسخهٔ ق مقطع ندارد)
ح : دردنای عشق تو مشهور جهانم چو شمع   شب نشین کوی سربازان (و) رندانم چو شمع
۴- ی، ح : چو حافظ گنج او در سینه دارم   اگرچه مدعی بیند فقیرم
ق : چو حافظ .... حقیرم
۵- ح : ما پیش خاک پای تو صد رو نهاده‌ایم   رو دریای خلق بیک سو نهاده‌ایم
گفتی که حافظا دل سرگشته‌ات کجاست   در حلقه‌های آن خم گیسو نهاده‌ایم
۶- م : ما درد پنهان با یار گفتیم   نتوان نهفتن درد از طبیبان

منوّر کن

ازان شمایل زیبا و حسن خوش کہ تراست — میان بزم حریفان چو شمع سر برکن [1]

مشک سای تو

دلق گدای عشق را گنج بود در آستین — زود بسلطنت رسد هر که بود گدای تو [2]

عشق و مستی

در کوچۂ مغانم خوش گفت آن صنم دی — با کافرت چه کارست گر بت نمی پرستی [3]

حدیث آرزومندی

بخوبان دل مده حافظ ببین آن بیوفائیها — که با خوارزمیان کردند ترکان سمرقندی [4]

استاد خانلری نے ایک رسالہ[5] میں کچھ اور قلمی نسخوں اور اپنے ذوق کے مطابق حسب ذیل مطبوعہ اشعار میں نسخۂ قزوینی سے اختلاف کیا ہے، نیز ان کے تصحیح کردہ اشعار تقریباً نسخۂ خدا بخش میں موجود ہیں:

شگفته شد گل حمرا و گشت بلبل مست — صلای سرخوشی ای صوفیان دقت پرست

مراد سرو چمن را بخاک راه نشاند — زمانه تا قصب نرگس و قبای تو بست

تو خود حیات دگر بودی ای زمان وصال — خطا نگر که دل امید در وفای تو بست

محتاج جنگ[6] نیست گرت قصد خون ماست — چون رخت از آن تست بیغما چه حاجت است

رواق منظر چشم من آستانۂ تست — کرم نمای و فرود آ که خانه خانۂ تست

دلت بوصل گل ای بلبل سحر خوش باد — که در چمن همه گلبانگ عاشقانۂ تست

۱۔ م — از آن شمایل الطاف و خلق خوش که تراست — هوای خلوت روحانیون معطّر کن

۲۔ ق — دولت عشق بین که چون از سر فقر و افتخار — گوشۂ تاج سلطنت می شکند گدای تو

۳۔ ی — در مجلس مغانم دوش آن صنم چه خوش گفت — با کافران چه کارت گر بت نمی پرستی

م: — در مجلس مغانه دی شب بطنز گفتند — با کافران چه کارت گر بت نمی پرستی

۴۔ ق — بشعر حافظ شیراز می رقصند و می نازند — سیه چشمان کشمیری و ترکان سمرقندی

۵۔ پرویز ناتل خانلری: چند نکته در تصحیح دیوان حافظ، انتشارات سخن، چاپخانه بهمن، بهمن ماه ۱۳۳۷ ۶۔ خانلری: غزه، ق: قصه

ببر ز خلق و ز عنقا قیاس کار بگیر   که صیت گوشه نشینان ز قاف تا قاف است

از دل و جان شرف صحبت جانان غرضست   همه آنست و گرنه دل و جان اینهمه نیست

درنمی‌گیرد نیاز و ناز ما با خوی دوست   خرم آن کز نازنینان بخت برخوردار داشت

گره بباد مزن گرچه بر مراد وزد   که این سخن بمثل باد با سلیمان گفت

سواد لوح بینش را عزیز از بهر آن دارم   که جان را نسخه‌ای باشد ز نقش خال هندویت

نگه نداشت دل ما و جای رنجش نیست   ز دست بنده چه خیزد خدا نگهدارد

مباش بی می و مطرب که زیر چرخ کبود[1]   بدین ترانه غم از دل بدر توانی کرد

بندهٔ پیر مغانم که ز جهلم برهاند   پیر ما هر چه کند عین ولایت باشد

نقد صوفی نه همه صافی و بیغش باشد   ای بسا خرقه که شایستهٔ آتش باشد

کی شعر تر انگیزد خاطر که حزین باشد   یک نکته از این دفتر گفتیم و همین باشد

خاک وجود ما را از آب باده گل کن   ویران سرای دل را گاه عمارت آمد

مردمی کرد و کرم بخت خداداد بمن   کان بت ماه رخ از راه وفا باز آمد

گرچه ما عهد شکستیم ببین ای حافظ   لطف آن مه که بصلح از در ما باز آمد

شکر آن را که میان من و او صلح افتاد   حوریان رقص کنان ساغر شکرانه زدند

رقص بر شعر تر و نالهٔ نی خوش باشد   خاصه وقتی که در آن دست نگاری گیرند

دانی که چنگ و عود چه تقریر می‌کنند   پنهان خورید باده که تکفیر می‌کنند

گفتم ز مهر ورزان رسم وفا بیاموز   گفتا ز ماهرویان این کار کمتر آید

آخر ای خاتم جمشید همایون آثار   گر فتد عکس تو بر لعل نگینم چه شود

پیش چشم تو بمیرم که بدان بیماری   می‌کند درد مرا از رخ زیبای تو خوش

جان بشکرانه کنم صرف گر آن دانهٔ در   صدف دیدهٔ حافظ بود آرامگهش

بیا که توبه ز لعل نگار و خندهٔ جام   تصوریست که عقلش نمی‌کند تصدیق

۱- خانلری: طاق کبود، ق: طاق سپهر

مهندس فلکی راه دیر ششجهتی — چنان ببست که ره نیست زیر دام مغاک

حلاج بر سر دار این نکته خوش سراید — از شافعی نپرسید امثال این مسائل

شرمم از خرقهٔ آلودهٔ خود می آید — که بر او پاره بصد شعبده پیراسته ام

مطرب کجاست تا همه محصول زهد و علم — در کار بانگ بربط و آواز نی کنم

باغ بهشت و سایهٔ طوبی و قصر حور — با خاک کوی دوست برابر نمی کنم

داستان در پرده می گویم ولی — گفته خواهد شد بدستان نیز هم

گر چو شمع از پیش میرم بر غمم خندد چو صبح — ور برنجم خاطر نازک برنجاند ز من

آنکه فکرش گره از کار جهان بگشاید — گو درین نکته بفرما نظری بهتر ازین

ای که در دلق ملمّع طلبی ذوق حضور — چشم سری عجب از بی خبران می داری

عجب از وفای جانان که تفقّدی نفرمود — نه بخامهٔ سلامی نه بنامهٔ پیامی

چوگان کام در کف و گویی نمی زنی — بازی چنین بدست و شکاری نمی کنی

ساغر لطیف دیرمی و می افکنی بخاک — واندیشه از بلای خماری نمی کنی

حافظ برو که بندگی بارگاه دوست — گر جمله می کنند تو باری نمی کنی

بقیہ اشعار تقریباً نسخہ قزوینی سے ملتے جلتے ہیں۔

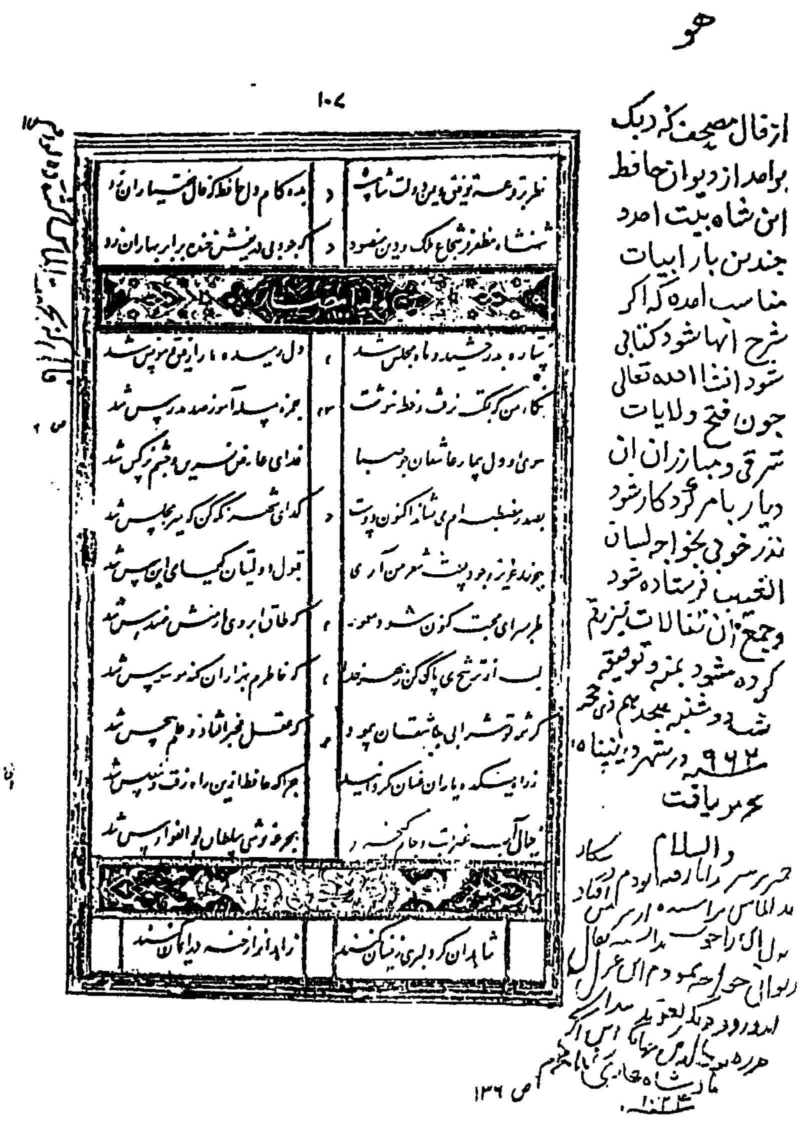
علامہ قزوینی نے حافظ کا ایک شعر یوں پڑھا اور اس کی توجیہ کی ہے:

ساقی بدست باش که غم در کمین ماست — مطرب نگاه دار همین ره که می زنی

جبکہ نسخۂ خدا بخش میں یہی شعر یوں ہے اور یہی بہتر معلوم ہوتا ہے:

ساقی بعیش باش که غم در کمین تست — مطرب نگاه دار همین ره که می زنی

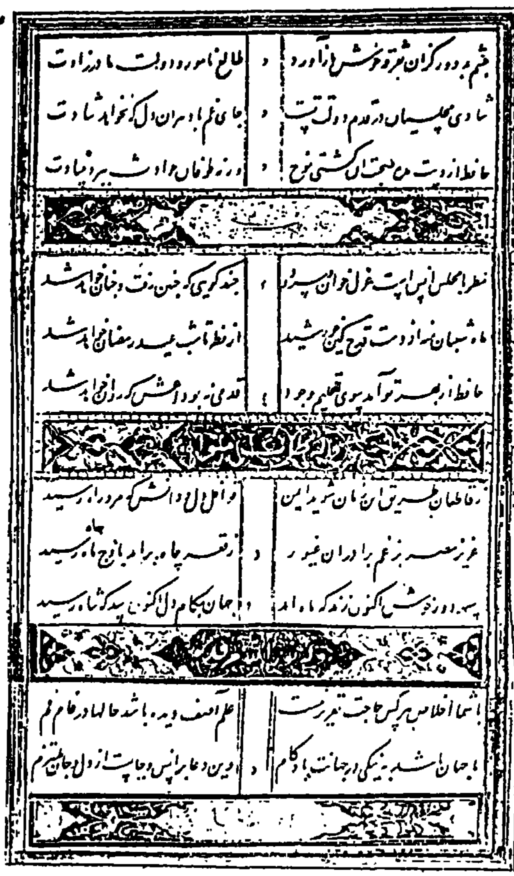
••-



[دیوان حافظ (نسخهٔ شاهان مغلیه) خدابخش لائبریری]



[دیوان حافظ (نسخهٔ شاهان مغلیه) خدابخش لائبریری]



چشم بد دور کز آن تفرقه خوش باز آورد | طالع نامور و دولت مادرزادت

شادی مجلسیان در قدم و مقدم توست | جای غم باد مر آن دل که نخواهد شادت

حافظ از دست مده صحبت آن کشتی نوح | ورنه طوفان حوادث ببرد بنیادت

مطرب مجلس انس این غزل خوان پرداز | چند گویی که چنین رفت و چنان خواهد شد

ماه شعبان منه از دست قدح کین خورشید | از نظر تا شب عید رمضان خواهد شد

حافظ از بهر تو آمد سوی اقلیم وجود | قدمی نه به وداعش که روان خواهد شد

ز قاطعان طریق این زمان شوند ایمن | قوافل دل و دانش که مرد راه رسید

عزیز مصر برغم برادران غیور | ز قعر چاه برآمد به اوج ماه رسید

سپهر دور خوش اکنون کند که ماه آمد | جهان بکام دل اکنون رسد که شاه رسید

با شما اخلاص هر کس حاجت تقریر نیست | علم آصف دیده باشد حالها در خاتمم

با جهان باشد به نیکی در جهانت باد کام | وین دعا بر انس و جانت از دل و جان میکنم

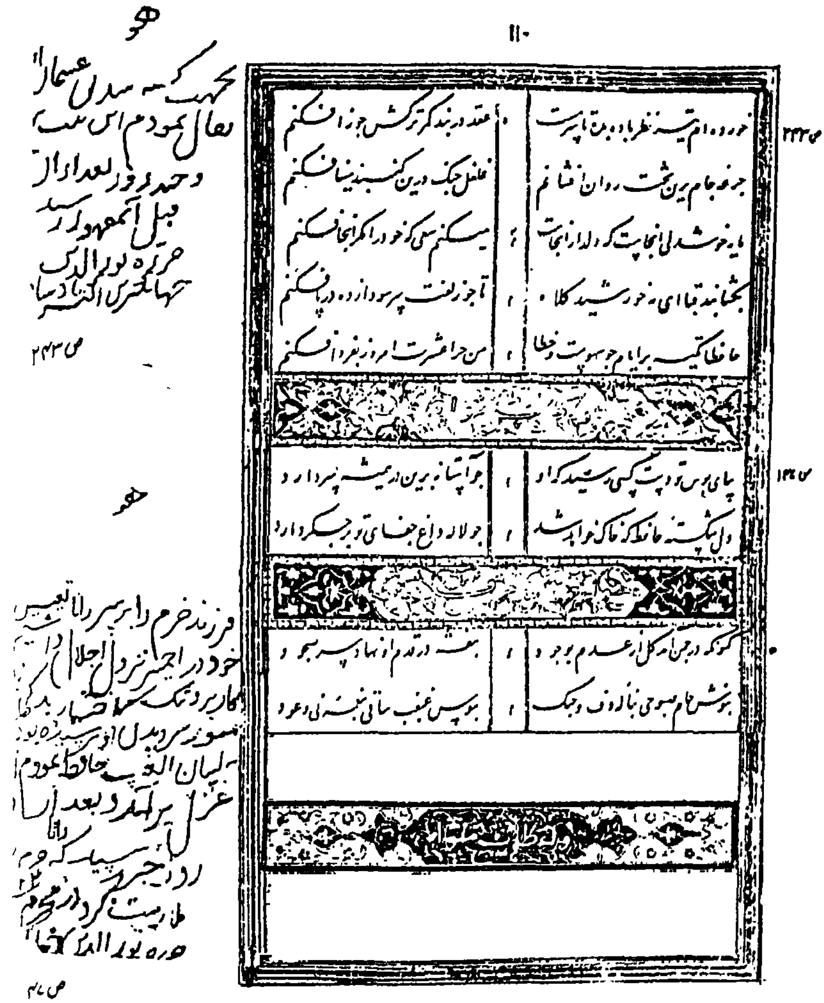
هو
ای نور چشم شاه
... امید که از تفرقه
امان آید ص ۵۰

ص ۱۶۴

این غزل خاص این بیت
... همایون شد ...
ص ۷۷

هو
ص ۳۵۷

[دیوان حافظ (نسخهٔ شاهان مغلیه) خدا بخش لائبریری]



[دیوان حافظ (نسخۂ شاہان مغلیہ) خدا بخش لائبریری]

پروفیسر ظہیر احمد صدیقی
صدر شعبۂ فارسی، گورنمنٹ کالج، لاہور

ایران میں فارسی غزل اسلامی انقلاب کے بعد

بیسویں صدی میں چند ایسے واقعات ہوئے جنہوں نے تاریخ کو ایک نیا رخ دیا، تاریخ عالم کے ماہرین اور واقعات جہان پر نظر رکھنے والوں کو حیرت میں ڈال دیا۔ روس میں کمیونزم کا قیام اور اس کا خاتمہ دونوں ہی حیران کن واقعات بیسویں صدی میں ہوئے۔ اسی طرح اسی صدی میں ایران میں ڈھائی ہزار سالہ بادشاہت کا خاتمہ بھی ... کچھ کم حیرت افزا نہیں ہے...... عام خیال یہی تھا کہ ایرانی فکر و ذہن پر بادشاہت کا نقش اس طرح مرتسم ہے۔ کہ بغیر ظل اللہ کے ایرانی معاشرت اور ایرانی سیاست کا وجود ہی ممکن نہیں...... لیکن یہ خیال غلط ثابت ہوا اور ایران سے بادشاہت حرف غلط کی طرح مٹ گئی۔...... اور اسلامی انقلاب کامیاب ہو گیا گویا طلوعِ فجر ہو گئی۔ ..... یعنی اسلام کے اصولوں کے مطابق حکومت ہو گی اور اسلامی اقدار اور عدل و انصاف کا بول بالا ہو گا...... اس انقلاب کے اثرات ادب پر بھی ہوں گے۔ انقلاب عوامی نعروں کے شور میں آتا ہے، پھر عوام و خواص کے شعور میں جگہ پاتا ہے، اپنے آپ کو مستحکم کرتا ہے اور آہستہ آہستہ شعر و ادب پر اثر انداز ہوتا ہے، لیکن یہ اثرات ایک مدت کے بعد واضح شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔ شروع میں تو نشست و برخاست، ساخت و پرداخت، دگرگونی، دگر سازی کی گھن گرج اور گونج۔ جو انقلاب اپنے جلو میں لاتا ہے۔ اسی کا ادب پر سایہ پڑتا ہے...... سو فارسی ادب و شعر جو ایران میں انقلاب کے بعد وجود میں آیا ہے اس پر انقلاب کا اسی طور کا اثر ہے، خاص طور پر جنگ عراق و ایران نے پورے ادب کو جھنجھوڑ ڈالا اور ایران میں فارسی غزل بھی اس کے زیر اثر آئی...... جنگ ختم ہو گئی۔ اس جنگ کا اثر بھی

جلد ہی ختم ہو جائے گا کہ یہ ایک ہنگامی چیز تھی ـــــــ ادب پر یہ ہنگامی اثر بھی دیر پا ثابت نہیں ہوگا۔ لیکن شعر و ادب پر یا غزل پر ایران میں انقلاب اسلامی کے اثرات صحیح معنوں میں کیا ہوں گے، یہ تو مستقبل ہی بتائے گا۔ ہاں یہ یقین سے کہا جا سکتا ہے کہ ایک اسلامی ماحول میں کہی گئی غزل ابتذال اور عریانی افکار سے پاک ضرور ہوگی۔ اور اس میں وہ رکھ رکھاؤ ضرور ہوگا جو اسلامی اقدار سے مخصوص ہے، البتہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ ایک خاص مذہبی ماحول میں جو غزل تخلیق ہو وہ نماز اور روزہ کی تلقین ہی پر مبنی ہو۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی نہیں ہونا چاہیے کہ وہ فسق و فجور کی مبلغ بنے، ہاں غزل میں عشقیہ مضامین تو ضرور ہوں گے کہ غزل کا مزاج انہی مضامین سے استوار ہوا ہے ..... اور خود اس انقلاب اسلامی کے بانی جناب آقای امام خمینی شعر گوئی کا ستھرا ذوق رکھتے تھے اور غزل خوب کہتے تھے ...... ان کی عارفانہ غزلیں بہت مقبول و مشہور ہیں ......

فارسی غزل میں عشقیہ مضامین کے ضمن میں عریانی بیان کے علاوہ شیخ، ملا اور زاہد کی تضحیک، شراب و شاہد و ساقی کی تعریف، مغ بچہ، پیر مغان کا محبت و عقیدت سے ذکر اور بہت حد تک دین، مذہب اور دینی شعائر کی تحقیر سے متعلق مطالب بھی ملتے ہیں جو غزل کی روایت بنے ہوئے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ایرانی غزل گو شعرا اسلامی روایات کے تحت کس طرح ان فرسودہ اور بیہودہ مضامین سے چھٹکارا حاصل کرتے ہیں اور غزل میں جدت و ابتکار سے کام لے کر نئی روایات کو جنم دیتے ہیں، جو خوبصورت بھی ہوں اور غزل کی آہنگ سے لگا بھی کھاتی ہوں۔

فی الوقت ایران میں انقلاب کے بعد غزل گوئی کے تین رنگ ملتے ہیں۔ ایک قدیم کلاسیکل انداز میں کہی ہوئی غزلیں ہیں۔ ظاہر ہے یہ غزل کا سکہ بند اسلوب، یہ یکدم اور یکلخت معدوم نہیں ہو سکتا ...... ایک غزل کا وہ انداز جو تحریک انقلاب اسلامی اور جنگ ایران و عراق کے سلسلے میں وجود میں آیا۔ ایک غزل کا وہ نیا رجحان جو انقلاب اسلامی کی اقدار سے متاثر نظر آتا ہے۔ اسی انداز شعر گوئی سے امید کی جا سکتی ہے، کہ یہ غزل میں آئندہ کسی مستقل اسلوب یا روایت غزل گوئی کو جنم دے گا۔

انقلاب اسلامی سے پہلے بھی غزل میں شعرا نے جور و استبداد حکومت شاہی کے خوف اپنے افکار کا اظہار کیا ہے ـــــــ عارف قزوینی، فرخی یزدی، عشقی، پور داؤد اور ملک الشعرا بہار نے مشروطیت یا جمہوری حکومت کے قیام کے لئے اپنے فن شعر گوئی اور غزل سرائی کے ذریعہ بھی جہاد کیا۔ اور قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں۔

اسی سلسلے میں انقلاب اسلامی سے کچھ دیر پہلے شاہی دور میں ایک شاعر غلام رضا قدسی زندان میں تھا اس کی یہ استادانہ غزل طلوع صبح انقلاب کی خبر دیتی

ہے۔ یہ خوبصورت غزل میرزا صائب کے اس مشہور شعر کی تضمین ہے۔

در عدم ہم زعشق بوی ہست
گل گریبان دریدہ می آید

گلھای چیدہ

بوی گلھای چیدہ می آید
خونم از دل بہ دیدہ می آید
بہ تماشای غنچہ ھای شہید
گل بہ رنگ پریدہ می آید
از غم داغ گلرخان، از خاک
لالہ در خون تپیدہ می آید
نالہ ھای شرارہ خیز، بہ گوش
ز آھوان رمیدہ می آید
موجۂ این محیط، توفان زاست
گر بچشم آرمیدہ می آید
از پی ہر شکست، پیروزی است
از دل شب، سپیدہ می آید
بیت نغزی بہ خاطرم "قدسی"
زاوستادی گزیدہ می آید
"در عدم ہم زعشق بوی ہست
گل گریبان دریدہ می آید"

نصراللہ مردانی ناصر کی یہ غزل بھی عام روش سے ہٹکر ہے۔ اس میں دلبران شوخ و شنگ کی تعریف ان کی اداؤں اور عشووں اور ان کے ظلم و ستم کے ذکر کے بجائے سپیدۂ (سحری) گل آفتاب (انقلاب) زمزم مہتاب و گل، شراب ہوش، وسعت بینائی قلم، درفش پارۂ دل، منارۂ تاریخ، کربلائے ظفر، غروب غم، سپاہیان سحر، حضور بیداری، روند بودن آیندہ، چراغ روشن اندیشہ... ایسی خوبصورت تراکیب اور علامات ہیں جو انقلاب اسلامی کی سحر طلوع ہونے کی خوشخبری دے رہی ہیں۔ واقعی جو قومیں درفش پارۂ دل یعنی دل کے ٹکڑوں کے جھنڈے تاریخ کے منارے پر گاڑ دیتے ہیں انہی کے لئے کربلائے ظفر اور غروب غم کی نوید ہے۔

سپاھیانِ سحر

صلای روز بہ بام سپیدہ دم بزنید

به دست عشق، به دریای خون علم بزنید
به زخم سایه، گل آفتاب بگذارید
قیام نور به دیوان شب رقم بزنید
گل ستاره به صحرای شب شکوفا شد
کنار زمزم مهتاب و گل قدم بزنید
درفش پارهٔ دل، بر منارهٔ تاریخ
به کربلای تفکر درغروب غم بزنید
سمند مرگ به میدانِ نیستی تازید
به عرصه گاه فنا، خنده بر عدم بزنید
سپاهیان سر! در حضور بیداری
روند بودنِ آینده را بهم بزنید
چراغ روشن اندیشه، بر بلندی خاک
به نام نامی روحانی عجم بزنید

سی افکار کا عکس حمید سبزواری کی اس غزل میں ہے۔

ساحل خاموش

غمم چون زخمه بر دل می زند، آوای من بشنو
زچنگ سینه ام فریاد جان فرسای من بشنو
حدیث آرزومندی که در دفتر نمی گنجد
گرت بگشوده باشد گوشِ دل، از نای من بشنو
چو از بیم قفس، لب بسته دارد از سخن، بلبل
سرودِ آشنایی از لب گویای من بشنو
سراپا شوق، چون پروانه شو تا شمع جان بینی
اگر جان وقفِ جانان کرده ای، سودای من بشنو
دراین گلشن که از جورِ خزان بس غنچه پر پر شد
نوای عندلیبی بر نمیخیزد، وای من بشنو
اگر مرغ شب، آهنگِ سحر گاهان نمی سازد
نویدِ صبح را از چشم شب پیمای من بشنو
حمیدا! ساحل خاموش، طوفان زیر سر دارد
خروش موج را از سینهٔ دریای من بشنو

اسی رنگ کی ایک غزل "صبح فتح" کے عنوان سے اجتہادی کی بھی ہے۔

صبح فتح

(از حسن اجتنادی)

"ز باران مگو هیچ باران بهار"
سر باش و بر سبزه زاران بهار
جوان وار تابنده ی آفتد خش
چو آفاق شب زنده داران بهار
سرودی است از سنره در گوش تو
که بر صبر آبشاران بهار
چو سیلاب سر زنده ای آفتاب
به رخسار سرخ سواران بهار
بر این خاک، این خون پائیزگان
به آئین ابر بهاران بهار
پیام بشارات شوای صبح فتح
ز لبهای امیدواران بهار
بیا هرچه باران پر مایه است
به سرمایهٔ روزگاران بهار

اسی نوع کی ایک غزل سیمین دخت وحیدی کی ہے۔

هلا برید حکایت ز گیم دوران را
رسید مژدهٔ رحمت امیدواران را
طلوع فجر درخشید و نور باران کرد
بنام پاک خدا سنگر دلیران را
نگار من، گل فتح از دیار عشق دمید
شکوفه زینت تن گشت شاخساران را
بلند قامت الله پوش حلهٔ خون
گرفت هوش ز سر جمع بیقراران را
نظاره کن که چه روانه از وطن راندند
گروه جبههٔ حق، خیل نابکاران را
بسان تندر و طوفان به نعره ای سرباز
شکست بر سر شب خواب کوهساران را

خبر دهید به نیلوفران خاک نشین
گرفت آتش کین گناهکارانرا
باعتبار کلام خدا چشم و به بین
صلابت قدم و عزم پاسدارانرا
یکی به حنجره ی سنگر چراغ خون افروخت
یکی پیام سر گشت رهسپارانرا
یکی به سینهٔ تاریخ ماهرانه کشید
ز رنگ جوهر خون نقش روزگاران را
اذان سرخ بخوان، ای بلالِ مسجد عشق
رسان بگوش ملایک قنوت یاران را
به کوچ هم نفسانم که رفته اند شهر
بدل غنیمت صبر است سوگواران را
ز چشمهٔ ظفر امشب ترانه میجوشد
بیاد گوش کن آهنگ جویبارانرا
شکوه نم نم باران لطف حق، امروز
بباغ هدیه کند، جلوه ها بهارانرا
بکوچه های زمان می برد چکاد باد
صدای نبض خروشان آبشارانرا
مهاجران همه اندر عروج، وه چه صبور
نشسته ای به تماشا عبور یارانرا
کنار خاره و خاشاک ره سنم سیمین
که جان نثار کنم کام تکسوارانرا

ایران میں اسلامی انقلاب کے فوراً بعد ایران اور عراق کے درمیان ہولناک جنگ شروع ہو گئی جو دس سال سے زیادہ عرصہ تک جاری رہی۔ ایرانی عوام نے اس خوفناک جنگ کا نہایت دلیری اور پامردی سے مقابلہ کیا اس جنگ سے شعر و ادب بھی متاثر ہوئے اور ایران کی فارسی غزل پر بھی اس کے گہرے اثرات مرتب ہوئے۔

گلهای بهاران

(از: بیگی حبیب آبادی، بهمن)

یاران چه غریبانه، رفتند از این خانه
هم سوخته شمع ما، هم سوخته پروانه
بشکسته سبوهامان، خون است به دلهامان

فریاد و فغان دارد، وردی کش میخانه
هر سوی نظر کردم، هرکوی گذر کردم
خاکستر و خون دیدم، ویرانه به ویرانه
افتاده سری سویی، گلگون شده گیسوئی
دیگر نبود دستی، تا سوی کند شانه
لبخند سروری کو، سر مستی وشوری کو
چون کوزه نگون گشته بشکسته چه پیمانه
تا سر به بدن باشد، این جامه کفن باشد
فریاد اباذرها، ره بسته به بیگانه
آتش شده در خرمن، وای من و وای من
از خانه نشان دارد، خاکستر کاشانه
ای وای که یارانم ، گلهای بهارانم
رفتند از این خانه، رفتند غریبانه

اسی نوع کی غزل حمید سبزواری کی بھی ہے

نوبهار امسال رنگ و بوی خون دارد همی
دامن از خون شهیدان لاله گون دارد همی

بر سر ویرانه های جنگ ویرانگر هزار
درگلوی خویش فریاد جنون دارد همی
غرش توپ و صفیر تیرو هرای تفنگ
جای صوتِ عندلیب و ارغنون دارد همی
روستا و شهر ویران، خانه و کاشانه هم
بر طرف شکسته صد سقف وستون دارد همی
کوبه کو افتاده نقلی، سو به سو پر پر گلی
بوستانِ ما گل حسرت فزون دارد همی
عید را گو باز گرد از کوچه های شهر ما
کین شهادتخانه هر دم عید خون دارد همی
عید ما فرداست، فردائی که طوفان قیام
پرچم مستکبران را سرنگون دارد همی
عید مافرداست، فردائی که دستِ انتقام
از دیار قدس دشمن را برون دارد همی
عالم اسلام تا باشد اسیر دام کفر

خنده برلب است اسلام چمن . وارد همی؟
دور دورِ آزمونِ ماست، مارا گردگار
پای در میدان جنگ آزمون وارد همی
مو شهیدی باد مارا اندرین میدان "شهید"
زان سبب کاری که با خصم دون وارد همی

اسی انداز کی ایک غزل ترکیب بند کی شکل میں ایران کے مشہور شاعر مهدی اخوان ثالث کی بھی ہے۔ اس کے چند شعر پیش کئے جاتے ہیں۔

برای شهیدان

از: مهدی اخوان ثالث (م — امید)

هر چند همچو گل همه برباد رفته اند
هرگز گمان مدار که ازیاد رفته اند
اینان نه آن گل اند که گویی درین بهار
از یاد رفته اند چو برباد رفته اند
اینان نه آهوند که گویی دریغ و حیف
در چنگ غافلانهٔ صیاد رفته اند
جای دریغ نیست برایشان که این گروه
باعزم آهنین و دل شاد رفته اند
"استاد" گفته بود که باجان و دل به پیش
اینان بنابه گفتهٔ استاد رفته اند
سرباز آهنین نبرد خدایی اند
پولاد زیست کرده و پولاد رفته اند
در راه پی گذاری کاخ جهان نو
برجا نهاده پایهٔ و بنیاد رفته اند
در راه آفرینش باغی پر از شکوه
بی خس و خار و آفت و اضداد رفته اند
"پیروز باد ملتِ ما، انقلاب ما"
گویان، به رغم دشمنِ جلاد رفته اند
یکو بنده باد جنبش علاقِ رنجبر
برگوش عالمی زده فریاد رفته اند
برباد رفته نیز نهایست گلستان

در قلب ما نهاده بسی یاد رفته اند
به پر و پای پای نماید در آینه
"تاریخ حکم آینه دارد هر آینه"

علام حسین پرتابیان کی ایک غزل جو جنگ کے پس منظر ہی میں لکھی گئی ہے پیش کی جاتی ہے۔

پیام یاران

(از علام حسین پرتابیان)

بنشسته خال سبز یاران
در خاطر سرخ تو بهاران
از قامت نقطه های خونین
آذین شده نام روزگاران
گلبوته خوشه های مهتاب
روییده کنار جویباران
خورشید زنان دو پاره تابید
بر دامنه های لاله زاران
آورده نسیم صبحگاهی
از سنگر خون پیام یاران
در جبهه حق ستاده باشید
چون صخره سخت کوهساران
با نغمه خون، شبانه بابا
آن خوش خبران، طلایه داران
آواز ظفر دوباره خوانید
در صحنه رزم، چون سواران

حسن حسینی نے مندرجہ ذیل ولولہ انگیز غزل مجاہدین کے لئے لکھی کہ حق کے لیے ڈٹے رہو تمہارے لئے نصر من اللہ کا قلعہ سب سے بڑا مورچہ ہے

ای زده شعله به شب بارقهٔ باورتان
پیش تا صبح ظفر! دست خدا یاورتان
سینه سرخان مهاجر به شما رشک برند
که شفق وام گرفته ست ز بال و پرتان
دل تان چشمهٔ جوشندهٔ ایمان و یقین

رود بسواره خروشان شرف پیکرِ تان
ای ہمہ ھای اسلام بہ ہنگام نبرد
عرشیان بال گشایند فراز سرتان
خصم بعثی کہ بود فتنہ گرد هریده جو
بادۂ مرگ کشد دمبدم از ساغر تان

خود بہ ہنگامۂ پیکارچہ تدبیر کند
گر فراری نشود دشمن بدگوہرتان
دل مہدی (ع) زعدایای شما روشن باد
ہم از ین رزم الہیٰ دلِ پیغمبرتان
درشما فتنۂ خناس ندارد اثری
تا بود آیت حق "روح خدا" رهبرتان
بانگ تکبیر شما مژدۂ فتحی است قریب
تادرش نصر من اللہ بود سنگرِتان

مجاہدین کی تعریف میں ایک غزل نصر اللہ مردانی کی بھی ہے

از خون ستاره ھای گردون
شد گونۂ خاک پر گلگون
با لشگریانِ نور خورشید
بر کشور شب زند شبیخون
برپای سپاه صبح ریزند
در شهر شفق شکوفۂ خون
فریاد ستار ھای شبگرد
پیچیده درین سپهر وارون
از حنجرۂ سپیده ریزد
آواز زلال روز بیرون
پیکارِ دلاوران تاریخ

در هم شکند حصار قانون
با جنبش پرشکوه توحید
اسلام جهان کند دگرگون
سردار بزرگ خلق بیدار
در سنگرِ آفتاب اکنون

مردان حق کے عنوان سے سید محمد مجید رزوقی شفق کی غزل مردان حق کی مدح میں ہے۔ وہ مردان حق جو حق آشنا ہیں۔ جنہوں نے نفس کو مغلوب کر لیا ہے، جنگ کے وقت دشمن سے خوف نہیں کھاتے، حادثے کے وقت اولوالعزمی کا مظاہرہ کرتے ہیں، شمع کی طرح دوسروں کے لئے جلتے ہیں، سونے کی طرح مصائب کی بھٹی سے کندن بن کر نکلتے ہیں، جو دوسروں سے نیکی بغیر معاوضے کے کرتے ہیں اور پسماندہ لوگوں کی بے لوث مدد کرتے ہیں، شوق دل کے ساتھ آخرت کا سفر اختیار کرتے ہیں اور پانی پر فانی گھر نہیں بناتے۔ تاریک رات سورج سے بھاگتی ہے اور روشن ضمیر لوگ ہی حقیقتِ حق کا ادراک کرتے ہیں۔

مردان حق

از: سید مجید رزوقی (شفق)

مردان روزگار خدا راشناختند
بردیو نفس باسپہ عقل تاختند
در روز رزم بیم ز دشمن ندا شتند
خود را بہ وقت حادثہ ہرگز نباختند
چون شمع بہر گری ہر جمع سوختند
چون زر بہ کورہ ہای مصیبت گداختند
وقت کرم جزای محبت نخواستہ
افتادہ را ز راہِ فتوت نواختند
باشوق دل بہ حضرت باقی شتافتند
بر روی آب خانۂ فانی نساختند
شب کور از آفتاب گریزان بود "شفق"
روشندلان حقیقت حق راشناختند

علام رضا قدسی مشہدی ایک غزل میں فتح وظفر کی نوید سناتے ہیں۔

صبا نوید ظفر میدھد

(از: علام رضا قدسی مشہدی)

گل امید دمد از دم بہار امسال
ز شوق خندہ زند گل بہ شاخسار امسال

سپیده با قلم نور می کند ترسیم
صفا و صلح در آئینهٔ بهار امسال
به راغ و باغ کند اشک ژاله و شبنم
زردی لاله و گل شستشو خمار امسال
کند به خنده چو لب باز صبح، گوید نیست
زاشک شوق تهی چشم آبشار امسال
زجوش لاله زند موج خون به چشم شفق
شود چو محو تماشای لاله زار امسال
چرا بنفشه صفت سر تهی به زانوی غم
چو گل شگفته شو از لطف کردگار امسال
شود ز پرتو ایمان، فروغ مهر و صفا
چو آفتاب درخشنده آشکار امسال

ایران میں انقلاب اسلامی کے بعد غزل کے حوالے سے کوئی حتمی بات نہیں کہی جا سکتی۔ کسی معاشرے میں موجود حالات کا عکس اور اس کے اثرات شعرو ادب پر آہستہ آہستہ مرتب ہوتے ہیں۔ اور ایک مدت کے بعد جامع شکل میں نمایاں ہوتے ہیں۔ ادبی یا شعری روایت چند مہینوں یا سالوں میں نہیں بنتی، اس کے لئے ایک عرصہ درکار ہوتا ہے------ فارسی غزل پر ابھی انقلاب کے جو نقش نظر آتے ہیں وہ زیادہ تر باطل کی شکست کی پیش گوئی، صبح انقلاب کا خیر مقدم، جنگی جوش، اجڑنے والوں کا غم اور بچھڑنے والوں کا صدمہ حق و باطل کی معرکہ آرائی، حق کی فتح کی خوشخبری، آنے والے سنہری دور کے خواب---- یہ ہیں وہ ہنگامی اثرات جو غزل میں پائے جاتے ہیں------- اور قدرتی طور پر ہونے بھی چاہیں۔ لیکن کچھ اثرات غزل پر غیر معمولی طور پر نئے ہیں اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ غزل کی خوبصورت اور پاکیزہ روایت جو جذبات عشق و محبت کے بیان کے ساتھ ساتھ زندگی کے حقائق کی ترجمان بھی ہے اور انداز بیان کی خوبیوں سے مالامال بھی۔ زاہد شیخ ملا کی تضحیک، شراب وساقی کی تعریف و توصیف، مذہبی شعائر کی تحقیر کے فرسودہ مضامین سے پاک بھی---- وجود میں آ رہی ہے ---- ایران کے دو معروف جوان شاعروں، عبدالملکیان اور مشفق کاشانی کی غزلیں پیش کی جا رہی ہیں جو اس روایت کی بہت حد تک عکاس ہیں۔

محمد رضا عبدالملکیان کی غزل کے یہ اشعار کیا خوب ہیں،، حق تو یہ ہے تغزل کی جان ہیں۔

رخت گلگون به ارغوان دادی
جامه از جان ما به بر کردی

تا رسیدن چقدر فاصله بود
راه دل را تو مختصر کردی
قدر خورشید را نه فهمیدیم
تا تو از چشم ما سفر کردی

جناب آقای مشفق کاشانی کی غزل کے یہ اشعار کیا پر بہار ہیں اور عرفان و تغزل کا کیا خوبصورت امتزاج ہے اور ایمائیت بھی دیدنی ہے۔

من آن نغمه پرواز رای شناسم
از این پرده آواز رای شناسم
زپژواک آن کو مرا باز خواند
نهان خانهٔ راز رای شناسم
خدای ستم سوز رای ستایم
خدای سبب ساز رای شناسم

جناب آقای محمد رمضان عبدالملکیان (متولد سال ۱۳۳۱ ش (۱۹۵۲م)۔ زرعی انجینئر ہیں۔ وزارت فرہنگ ایران کے مشیر ہیں اور دفتر شعر جوان کے سرپرست ہیں۔ کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور بہت اچھے شاعر ہیں۔ ایک مشاعرے میں ملاقات ہوئی ذیل کی غزل اس مقالہ کے لئے عنایت فرمائی۔ نیز کچھ اور سواد بھی مرحمت فرمایا جس کے لئے میں ان کا بیحد متشکر ہوں۔

پلک بستی، مرا سر کردی
عشق بودی مرا خبر کردی
رخت گلگون به ارغوان دادی
جامه از جان ما به بر کردی
سالها با منی که من بودم
چه بگویم چگونه سر کردی!
این طرف خاک و آن طرف خورشید
از پل آرزو گذر کردی
به وداع از حریم آینه‌ها
هستی خویش را سپر کردی
باور ابر رایگان دادی
عطش خاک را خبر کردی
آب و آینه سر به هم بروند
رخنه در کار دل مگر کردی؟!
نه فقط در دل گیا می گل
در دل سنگ هم اثر کردی
تا رسیدن چقدر فاصله بود

راهِ دل را تو مختصر کردی
قدر خورشید را فهمیدیم
تا نوازِ چشم ما سحر کردی

فائزہ جمالی طالب علم ہیں اور صرف ۱۹ سال کی عمر ہے، ان کی ایک غزل پیش کی جاتی ہے۔ غزل کا کیا پختہ رنگ ہے بڑے بڑے پختہ عمر کے پختہ گو شعراء نے بھی ایسی خوب غزل کم ہی کہی ہوگی۔

یہ مصرع کیا خوب ہے
هر که عاشق نباشد از ما نیست

یہ شعر کیا پیارا ہے
روزی از سمت دل گذر کن، وی
جای پایت چقدر نورانی است

مشفق کاشانی ------ جناب آقای عباس مشفق کاشانی (متولد ۱۳۰۴ھ ش) کئی کتابوں کے مصنف ہیں ایک مشاعرے میں اسلام آباد میں ملاقات ہوئی انہوں نے ازراہ کرم یہ غزل اس مقالہ کے لئے مرحمت فرمائی۔

سبب ساز

من آن نغمهٔ پرواز رامی شناسم
و در این پردهٔ آواز رامی شناسم
بدین شور و این مایه شور آفرینی
نواهای این ساز رامی شناسم
پریده است آن باز پروازی، آری
از این بام پرواز رامی شناسم
ز پژواک آن کو مرا باز خواند
نهان خانهٔ راز رامی شناسم
به اوجی غریب آشنا پر گشود
سبک سیر شهباز رامی شناسم
به نقش آزمون پردهٔ آفرینش
سرانگشتِ اعجاز رامی شناسم
خدای ستم سوز رامی ستایم
خدای سبب ساز رامی شناسم
چه گویم در این خواب آشفته حالی؟
که انجام و آغاز رامی شناسم

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایران کے عمر رسیدہ شعراء سے یہ توقع ممکن نہیں کہ انقلاب اسلامی کے زیر اثر غزل گوئی کی کسی نئی روایت کو جنم دیں، یہ امید ان نوجوانوں سے کی جا سکتی ہے جن کے شعور نے انقلاب اسلامی کی روشنی میں آنکھ کھولی ہے ـــــــ ایران کے وہ نوجوان شاعر جن کی عمریں ۱۸ سال سے ۲۵ سال تک ہیں ان کی غزلیں دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے بلکہ امید بندھتی ہے، کہ فارسی غزل گوئی مستقبل قریب میں ایک نئے رنگ میں جلوہ گر ہوگی ـــــــ جو عشق و محبت کے سچے جذبوں کی عکاس بھی ہوگی، زندگی کی ترجمان بھی اور فرسودہ مضامین سے پاک بھی ـــــــ ایرانی نوجوانوں کی غزلوں کا مجموعہ حال ہی میں بعنوان "دفترِ شعرِ جوان" جناب آقای عبدالملکیان کی زیر ادارت شائع ہوا ہے، اس میں سے چند نوجوان شعراء کی غزلوں کے نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

حمید واحدی ادبیات فارسی کے طالب علم ہیں عمر ۲۵ سال ہے، ان کی ایک غزل پیش کی جاتی ہے جو حمد کے مطالب پر مشتمل ہے، لیکن انداز حمد گوئی عام روش سے مختلف ہے۔

ای دور ز ما، همیشه بابا!
در آینه روی توست یا ما؟
ماسوی تو رهسپار و از تو
افسوس! چقدر مانده تا ما
تو اوجی و ما حضیض، هیهات
سر منزل تو کجا، کجا ما!
یک رنگ تویی و فارغ از رنگ
بازیچهٔ دست رنگها ما
فریاد تکلم تان تو
در کوه زمین صدا، صدا ما
تو چشمهٔ آشنائی و مهر
لب تشنهٔ آشنا با ما
با عشق تو همصدا و همراه
از عشق جدا، جدا، جدا ما
پیوسته به اوج انتها تو
وامانده به قعر ابتداء ما
از پردهٔ خامشی برون آی
بی پرده سخن بگوی با ما

تقریباً اسی رنگ کی ایک غزل حسین عبدی کی ہے۔ اس غزل میں "نگاهِ سلام" کیا خوبصورت ترکیب ہے۔

دوام

در جاده بوی گام تو رای شود شنید
پژواک سرخ گام تو را می شود شنید
در جاری نگاه تر چشمه های سبز
گلبانگ سلام تو را می شود شنید
پیوسته از ترنم سبز صنوبران
موسیقی پیام تو را می شود شنید
هر گز نمرده ای که هم از لاله های دشت
افسانهٔ دوام تو را می، شود شنید
رفتی به سمت آبی فردا ولی هنوز
درجاده بوی گام تو را می شود شنید

خانم ژرژه حبابی — غزل

این طرفه که عقل زندانی است
هر که عاشق نباشد از ما نیست[1]
کلبهٔ خالی از تنفس عشق
سرد و غمگین و روبه ویرانی است
روزی از سمت دل گذر کردی
جای پایت چقدر نورانی است
عطر تو خواب برکه را آشفت
برکه لبریز آن پریشانی است
آسی دریا چقدر دورم من
خسته ام، راه سخت و طوفانی است
لحظه ای را ز عشق و ماندم
لحظه هایم پر از پشیمانی است
دل من مثل ابرها تنگ است
آسمانی همیشه بارانی است

چنگیز بہمنی بھی طالب علم ہیں ۱۹ سال کی عمر ہے غزل دیکھئے کیا استادانہ کہی ہے، ان کی اس غزل میں ان تراکیب کا استعمال بیدل کی یاد تازہ کردیتا ہے۔

---

[1] نظیری نے کہا تھا

کسی کہ کشتہ نشد از قبیلۂ ما نیست

روستای دل، جادهٔ آفتاب، آسمانِ خیال، کوچہ ھای غریب احساس، قمرِ شعلہ وغیرہ

تکسوار

روستای دلم مہ آلود است
جادهٔ آفتاب مسدود است
کوچہ ھای غریب احساسم
بہ خیابانِ درد محدود است
شعر در قمر شعلہ می سوزد
آسمان خیال پر دود است
گفتی از این کوچہ باید رفت
گفتمت آہ! صبر کن، زود است
شیههٔ اسپِ کیست؟ گوش کنید!
شاید آن شہ تکسوار موعود است

۲۰ سالہ طالب علم محمد رمضانی فرمانی کی ایک غزل پیش کی جاتی ہے۔ جو ایک اچھی غزل کی روح لئے ہوئے ہے اور ایمائیت سے پر ہے۔ محمد رمضانی فرمانی کہتے ہیں کہ اے میرے عشق یعنی محبوب میں تو بے قرار ہوں لیکن تو! میں تو تجھے دوست رکھتا ہوں لیکن تو، مجھ ایسی خوبیاں کون رکھتا ہوگا میں کچھ نہیں کرتا یہی میرا کام ہے، لیکن تو--- بے شک میں مانتا ہوں کہ میں مرجھایا ہوا پتا ہوں فضول ہوں بے اعتبار ہوں لیکن تو--- اے بے وفا پتھر کو دیکھ کہ ہر وقت مجھ پر پھول نثار کرتا ہے لیکن تو--- میں نہ پتھر ہوں نہ آئینہ ہی ہوں، مجھے ٹوٹنے سے کیا کام، لیکن تو---- اس شعر میں کیا خوبصورت ایمائیت ہے۔ یعنی تم پتھر بھی ہو اور آئینہ بھی۔ جسم شیشے کا ہے اور دل پتھر کا---- ٹوٹنا تمہارا کام ہے میرا تو نہیں---------- میں نے اپنی ذات کو تیرے حوالے کر دیا ہے اور تیرے سوا میرے پاس کچھ ہے بھی تو نہیں لیکن تو--- میں نے شعر تو اچھے نہیں کہے اور اس کا علاج بھی کیا کیا جائے ہاں غزل میں نیا رنگ تو پیش کیا ہے، لیکن تو:

من تو را دوست دارم

عشق من! بی قرارم ، تو اما----
من تو را دوست دارم، تو اما-----
هیچ کس این طرفها ندارد
هیچ کاری به کارم، تو اما-----
برگ زردم، بله می پذیرم

پیچ و بی اعتبارم، تو اما ------
بی وفا! سنگ رابین که هردم
می کند گل نثارم، تو اما -----
من نه سنگم، نه آئینه حتی
با شکستن چه کارم؟ تو اما ----
من خودت را به تو می سپارم
جز تو چیزی ندارم، تو اما -----
شعر خوبی نه شد چاره ای نیست
در غزل تازه کارم تو اما ------

یہ غزل سبک ھندی کا خوبصورت رنگ لئے ہوتے ہے اور غزل کے خوبصورت مستقبل کی نشاندہی کرتی ہے۔

غزل کے دو بنیادی مطالب ہیں، حسن محبوب کی مدح اور درد و فراق کا ذکر۔ حمید رضا شار سری (عمر ۲۴ سال) کی ایک غزل پیش کی جاتی ہے جو انہی مطالب پر مشتمل ہے، پہلے شعر میں کہتے ہیں تیرے بغیر میری سرگذشت قصۂ پریشان ہے اور تیرے حسن کی تعریف خالص عرفانی شعر ہے۔ آخری شعر مین کہتے ہیں کہ میں مسافروں کی طرح بادلوں کے پیچھے قید ہوں، آفتاب کی طرح ہوں لیکن وہ آفتاب ہوں جو قید میں ہو۔ آفتاب زندانی کیا خوب اور بدیع تشبیہ ہے۔

سرگذشتِ من بی تو قصۂ پریشانی
وصف روی تو اما شعر نایاب عرفانی
بی تو سخت دلتنگم چون غروب پا ییزی
چشمهای خون بارم ابرهای بارانی
بی تو خنده بی معنا، شور عشق ناپیدا
بی تو زندگی یعنی یک عذاب طولانی
سر به جیب غم برده بی نشان و سر خورده
پیش می روم تنها در مسیر ویرانی
مانده ام غریبانه پشت ابرها دربند
آفتاب را مانم، آفتابِ زندانی

زندگی ہے تو عشق بھی ہوگا اور عشق ہوگا تو غزل بھی وجود میں آئے گی۔ زندگی عشق اور غزل تینوں ایک دوسرے سے منسلک ہیں ----- حمید واحدی کی ایک اور غزل عشق اور زندگی کے مطالب پر مشتمل ہے، مطلع میں کہتے ہیں۔ بے حد پیاسی بنجر زمین میں زندگی گزارنا سخت مشکل ہے اور اس سرزمین تیں سراب سے

امید کا کر جینا سخت مشکل ہے۔ ایک شعر میں کہتے ہیں جس جگہ عشق کی کوئی قدر و قیمت نہیں وہاں ہزار بار مرنا جینے سے بہتر ہے۔ آخری شعر میں کیا اخلاقی نکتہ اور جینے کا درس دیا ہے ہم لاکر مٹی کے بستر سے آلودہ ہیں لیکن بسیط زمین پر پانی کی طرح پاک جینا کیا خوب ہے "پانی کی طرح پاک زندگی گزارنا جس کا بستر بھی مٹی ہوتا ہے" بہت خوب تمثیل ہے۔

معبر تھا جم کولاک

سخت است در کویر عطشناک زیستن
دل بستہ بر سراب در این خاک زیستن
در چار چوب بستۂ تصویر پر زدن
چون سنگ پشت، در قفس لاک زیستن
آنجا کہ عشق را بہ پشیزی نمی خرند
مردن ھزار مرتبہ بہ تا کہ زیستن
سخت است در قلمرو ظلمت قدم زدن
در کوچہ ھای خاکی ادراک زیستن
ماز یستیم، گرچہ مداوم نمی توان
در معبر تھا جم کولاک زیستن
آلودگان بستر خاکیم، ای خوشا
چون آب در بسیط زمین . پاک زیستن

زمرا گرجی (عمر ۲۳ سال) بھی ایک طالب علم ہیں ان کی غزل عشق و محبت کے پاکیزہ افکار پر مبنی ہے جو انہوں نے آسمانی دلوں کے لئے کہی ہے اور جن کی نظر میں عشق آسمانی دلوں کا خدا ہے۔

غزل بگو امشب ای دل من! برای دلهای آسمانی
تمام ابیات مهربانی، فدای دلهای آسمانی
هوای داغی دوباره دارم، هواي از غربت نیستان
هوای اشعار سبز سلمان، هوای دلهای آسمانی
ببر مرا تا نماز دلها بہ فصلهای سپید باور
مرا بیفشان بہ دامن عشق بہ پای دلهای آسمانی
صبوری دستهای لبریز اصالت کرتهای بی تاب
تلاوت ریشہ ھای زخمی بنای دلهای آسمانی

کجاست راه نهایت دل؟ کجاست راه اجابت عشق؟
کجاست ای عشق ، آخر ای عشق! خدای دلهای آسمانی؟

۲۴ سالہ طالب علم نور الدین مقدم اپنی غزل میں غم حیات کا قصہ بڑے ہی پردرد لیکن پرتاثیر انداز میں پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میں انتہائے غربت غم میں ایک تنہا مسافر سے زیادہ تنہا بیٹھا ہوں۔ ایک شعر میں کہتے ہیں کہ جب اپنی زندگی پر نظر ڈالتا ہوں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا میں وہ داغ ہوں جو لالۂ صحرا کے دل پر ہے-------- آخر میں کہتے ہیں کہ کیا تیرے آبی ہاتھ مجھے سرسبز کریں گے، میں ایک برگ زرد ہوں اس تمنا میں بیٹھا ہوں۔

در انتهای غربت غم تا نشسته ام
تنها تر از غریبۂ تنها نشسته ام
برشانه هاي نیلی غم تکیه کرده ام
چون آفتاب برلبِ دریا نشسته ام
ای برگهای روشنِ تفسیر زندگی
آه! این منم که در "شب آیا" نشسته ام
در شرح خویش و زندگی احساس می کنم
داغم، بہ قلب لالۂ صحرا نشسته ام
من آن نسیم خسته ام آرام می وزم
طوفان ناگهانی ام، اما نشسته ام
دستان آبی تو مرا سبز می کنند؟
من برگ زردم و بہ تمنا نشسته ام

۱۹ سالہ علی رضا دمرویہ (طالب علم) کی ایک غزل مختصر پیش کی جاتی ہے ہر شعر تیرو نشتر ہے۔ مطلع میں کہتے ہیں میں ایک پیاسی بنجر زمین ہوں دریا مجھے آواز دے رہا ہے اور میری آنکھوں کی بنجر زمین میں نبض باران (بارش کی نبض) دھڑک رہی ہے-------- فارسی شاعری میں اس قسم کا خوبصورت انداز بیان بہت کم دیکھنے میں آیا ہے۔ شاعر نے اس کیفیت کو کہ غموں کے ہجوم میں اشکوں کا دریا مدام چلا آرہا ہے۔ لیکن شاعر ضبط غم کئے ہوئے ہے۔ کس خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے اور پھر دوسرے مصرع میں "نبض باران" اور "کویر چشم" کی تراکیب فارسی شاعری میں بدیع اور بے مثل ہیں۔

چون کویر تشنہ ام دریا صدایم می زند
نبض باران در کویر چشمایم می زند

دوسرے شعر میں کہتے ہیں کہ میں تو آئینہ سے کوئی رشتہ نہیں رکھتا پھر کیوں اس جانب سے یعنی آئینہ سے مجھے (ہمسایہ) کہہ کر پکارا جارہا ہے اس شعر میں "ہمسایہ" کا لفظ اپنے لغوی مجازی اور اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس لفظ نے اس شعر میں جان ڈال دی

تیسرے شعر میں کہتے ہیں میں مسکراتا ہوا دور دراز کا راستہ طے کر کے آیا ہوں کیا کسی پھول کی پتی کا دل میری محبت میں بھی دھڑکتا ہے۔؟

بی تو

چون کویر تشنہ ام، دریا صدایم می زند
نبض باران در کویر چشمایم می زند
من کہ با آیلینہ پیوندی ندارم پس چرا
زآن طرف بانام "ھمسایہ" صدایم می زند
من کہ از لبخند می آیم ز راہی دور دست
قلب یک گلبرگ آیا در ھوایم می زند؟
ای تو این جاچون کویر تشنہ، من لبریز آہ
غم نشستہ درکنارم نی برایم می زند

اتوسا صالحی طالب علم ہیں اور انیس سال کے ہیں، ان کی ایک دلنشین غزل جو بہت مشکل زمین میں ہے پیش کی جاتی ہے۔ اس زمین میں، جس کی ردیف "بسیار است" ہے اور قافیہ داغ، باغ ہیں، اچھے شعروں کے پھول کھلانا ذرا دشوار ہی ہے لیکن صالحی نے چند اچھے شعر کہہ ہی لئے ہیں ان کا ایک شعر ہے۔

لالہ ای چید باد، ودستش سوخت
التہابِ چراغ بسیار است

ہوا نے لالہ کا پھول توڑا تو اس کے ہاتھ جل گئے ہاں چراغ کے شعلہ کی حرارت بھی تو بہت ہے۔ ایک شعر ہے۔

ہیچ می دانی ای مسافر عشق
در دلم کوچہ باغ بسیار است

اے مسافر عشق تجھے معلوم ہے کہ میرے دل کی گلی میں باغ بہت سے ہیں۔ دونوں شعروں میں بلکہ پوری غزل میں سبک ھندی نمایاں ہے۔

در زمینی کہ داغ بسیار است

رویش سرخ باغ بسیار است
های پرچین سکوت پیچیده
آن طرفها کلاغ بسیار است
لاله ای چید باد و دستش سوخت
التهابِ چراغ بسیار است!
هیچ می دانی ای مسافرِ عشق؟
در دلم کوچه باغ بسیار است
کوچه هایی که باز می گیرند
عابری را سراغ بسیار است ——

راضیہ کلاہ دوزان ۲۵ سالہ طالبۂ علم ہیں، اور مرضیہ موسوی ۲۲ سالہ طالبۂ علم ہیں اور محمود سنجری ۲۰ سالہ طالب علم ہیں۔ تینوں کی غزلیں پیش کی جاتی ہیں۔

بی تو من یک تکه سر گردای ام
خالی ام، انبوهی از ویرانی ام
در هیاهوی عبور ابرها
سایه ای موهوم، نگاهی فانی ام
در طواف باغ چون پروانه ها
در مدارِ بستهٔ حیرانی ام
برکه ای خشکم که در آن سوی آب
تشنهٔ یک لحظه بارانی ام
پیشتر می شد گریزی داشت، آه
پشت پیچکها چرا زندانی ام؟

کسی دوباره صدا زد

(مرضیہ موسوی)

حریم خانهٔ من باسکوت آذین است
به سال قحطی ایمان پناه من این است
کسی درون مرا از خودم تهی می کرد
کسی که حجم نگاهش هنوز سنگین است
به التهابِ دو بالی که خسته برگشتند
تمام دامنِ دریا ببین چه پرچین است
کسی دوباره صدا زد، بیا، ببین در دشت
پس از ترانهٔ باران کمانِ رنگین است

محمود سنجری

هلا! موج آشفته گیسوی دریا
مرا پل بزن تا فراسوی دریا
رها کن مرا ای رها مثل طوفان
صدا کن مرا ای هیاهوی دریا
مرا میل دریاست در صبحگاهان
که دارد نسیم سحر بوی دریا
خوشا بال در بال مرغان عاشق
سحرگاه پرواز بر روی دریا
گذشتیم از بند مرداب رخوت
چو دادیم بازو به بازوی دریا

ان نوجوان شعرا کی جو غزلیں پیش کی گئی ہیں ان سے ایک بات واضح ہوتی ہے کہ دورۂ بازگشت میں ایران میں فارسی غزل نے سبک خراسانی کی جو تقلید شروع کی تھی اس کا زور ٹوٹ گیا ہے، ان نوجوانوں کی غزلوں میں سبک ہندی کے اثرات نمایاں ہیں، خاص طور پر ایمائیت، مضمون بندی، ترکیب سازی، تجسیم سازی اور تمثیل نگاری کے لحاظ سے سبک ہندی کا تتبع موجود ہے لیکن یہ انداز غزل گوئی سبک ہندی سے مختلف بھی کہ اس میں مبتذل یا مشکل پسندی، بے جا خیال بندی، مضمون بندی، بے تکی ایہام گوئی موجود نہیں۔ ان غزلوں میں ایک پروقار طریقے سے، خوبصورت قرینے سے اور پراثر انداز میں عشقیہ مضامین اور حقائق حیات پیش کئے گئے ہیں۔ گویا یہ نیا رنگ سبک خراسانی، سبک عراقی اور سبک ہندی کا امتزاج ہے۔ اس جدید اسلوب کو مستقبل میں کس نام سے یاد کیا جائے گا یہ تو مستقبل ہی بتائے گا البتہ نوجوانوں کی وہ غزلیں جو پیش کی گئی ہیں فکر و فن، ہیئت اور انداز بیان کے حوالے سے خوبصورت ہیں اور اس دور کے نوجوانوں کی نمائندہ غزلیں ہیں، جو غزل کے خوش آیند مستقبل کی نشاندہی کرتی ہیں۔ اگر یہ نوجوان مسلسل مشق سخن کرتے رہیں تو توقع کی جا سکتی ہے کہ مستقبل قریب میں ان میں سے کوئی رومی، سعدی، حافظ جامی کے پایہ کا غزل گو شاعر بن کر ابھر سکے گا۔ اس باب کو عصر حاضر کے ایک نوجوان شاعر چنگیز بہمنی کے امید سے پر اس شعر پر ختم کرتے ہیں۔

شیهه اسب کیست؟ گوش کنید
شاید آن تکسوار موعود است

••

"کاوش" (۲) ۱۹۹۲ء

کتابیات

۱۔ ادبیات انقلاب اسلامی ایران مطبوعہ خانہ فرہنگ جمہوری اسلامی ایران دہلی

۲۔ شعر جنگ مطبوعہ وزارت ارشاد اسلامی ایران، تہران

۳۔ دفتر شعر جوان مطبوعہ وزارت ارشاد اسلامی ایران، تہران

غلام رازق خلیل الرحمٰن شیخ
گاندھی نگر گجرات

گجرات کی اردو بولی، ایک جائزہ

علاؤالدین خلجی کی فتح گجرات کے ساتھ زبان دہلوی کی شکل میں اردو گجرات میں وارد ہوئی لیکن اردو کی آمد سے قبل ہی گجرات میں بھی ایک ایسی ہی مخلوط بولی کا آغاز ہو چکا تھا۔ جو جدید ہند آریائی زبانوں کی طرح اپ بھرنش سے وجود میں آئی تھی اور چونکہ دونوں کے بنیادی عناصر میں حد درجہ مماثلت تھی۔ لہٰذا دہلوی زبان بہت جلد گجرات کی اُس مخلوط بولی میں گھل مل گئی اور اس طرح شمال سے آئی ہوئی زبان جب گجرات کی زبان میں گھلی ملی تو اس عملِ امتزاج سے زبان کی ایک ایسی شکل ظہور میں آئی جو بعد میں ممتاز ہو کر گجری اردو کہلائی۔[1]

حالانکہ محمد اکبرالدین صدیقی جیسے بعض دکنی محققین کا موقف تو یہ ہے کہ زبان گجری کا گجرات سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ وہ تو اسے دکن کے قصبات کی گذرگاہوں پر لگنے والی "گذری" سے منسوب کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہی "گذری" کثرتِ استعمال سے "گجری" ہو گیا۔[2] اور بعد میں یہی لفظ اُن بازاروں میں بولی جانے والی غیر فصیح اور معیاری زبان کے لیے استعمال ہونے لگا۔ لیکن اس خیال کو ماننے میں تامل ہوتا ہے، کیونکہ اس قسم کے بازار محض دکن میں ہی نہیں بلکہ گجرات میں بھی لگتے تھے۔ اور آج بھی لگتے ہیں۔ درحقیقت گجری نام گجرات کی مناسبت سے دیا گیا ہے، اور یہی زیادہ قرینِ قیاس ہے۔[3]

چونکہ گجرات میں زبان گجری کو صوفیائے کرام نے پہلے پہل ادبی درجہ عطا کیا۔ اس لیے گجری ادب کے نمونے جو دستیاب ہیں، وہ یا تو صوفیائے کرام کے ملفوظات ہیں یا پھر شاعری کے وہ نمونے جو شیخ بہاالدین باجنؒ، قاضی محمود دریائیؒ، شاہ علی جیو گام دھنیؒ اور خوب محمد چشتیؒ کے متصوفانہ کلام کے نمونے ہیں۔ غرض یہ کہ گجری اردو کا جو سرمایہ ہم تک پہنچا ہے، وہ صوفیائے کرام کے ملفوظات کے علاوہ پورا کا پورا شعری ادب پر مشتمل ہے۔ چونکہ اُس دور کے

---

[1] تاریخ ادب اردو، جلد اول۔ مرتبہ ڈاکٹر جمیل جالبی۔ ص ۹۳۔ [2] قدیم اردو، دور سوم، جلد اول ۱۹۷۱ء مرتبہ محمد اکبرالدین صدیقی کا مقدمہ ص ۲
[3] سخنورانِ گجرات، مرتبہ ڈاکٹر سید ظہیرالدین مدنی۔ ص ۲۹۔

صوفیائے کرام نے اس زبان کو رشد و ہدایت کا وسیلہ بنایا تھا۔ اس لئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ اُس دور کے عوام کی زبان گجری رہی ہوگی۔ اس کے باوجود چونکہ اُس دور کے عوام کی بول چال کے نمونے دستیاب نہیں ہیں، لہٰذا ہمارے لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ اس وقت کے خواص و عوام کی زبان میں کیا فرق تھا یا فصیح اور غیر فصیح کا کیا معیار تھا۔

تاہم صوفیائے کرام کے ملفوظات (مثلاً شاہ وجیہ الدین علوی کے ملفوظات جو بحر الحقائق کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں جیسے۔ (۱) اپنوں کو کشف ہوئے یا نہ ہوئے کام اس کا ہے۔ اور (۲) ولیوں کیاں صفتاں ہوتیاں ہیں۔ وغیرہ۔ اور گجری مثنویوں میں موجود معدودے چند مکالمات (مثلاً حامدی کی مثنوی "قصۂ نازنین پٹھان میں خان اور ناگرنی کے سوال وجواب یا پیر بین کی مثنوی "ہیر لال" میں خان اور ہیرا کے مکالمات) کے مطالعہ سے مندرجۂ ذیل نتائج مرتب ہوتے ہیں۔

۱۔ اس دور کی گجری اور دکنی میں انتہائی مماثلت اور یکسانیت پائی جاتی ہے حتیٰ کہ "گجری ادب" کو "دکنی ادب" میں ملا دیا جائے تو ایک کو دوسرے سے شناخت کرنا مشکل ہوگا۔

۲۔ مثنویوں کے گجراتی اور اردو مکالمات سے پتہ چلتا ہے کہ اس عہد کے عوام گجراتی زبان کو بخوبی سمجھتے رہے ہوں گے۔

۳۔ گجری میں جہاں عربی فارسی کے الفاظ کی بگڑی ہوئی شکلیں نظر آتی ہیں، وہیں ہندوستانی الفاظ کے ساتھ گجراتی زبان کے بے شمار الفاظ مختلف صورتوں میں اپنا رنگ دکھاتے ہیں۔

اس طرح گجری کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس دور کے عوام کی زبان پر گجراتی کے گہرے اثرات مرتب ہوئے تھے جن میں بعض اثرات تو آج بھی گجرات کے اردو بولنے والے عوام کی زبان میں پائے جاتے ہیں۔

گجری کے بعد کا جو دور ہے وہ گجرات میں جہاں تک شعر و شاعری اور ادبیات کا تعلق ہے، شمالی ہند کی اردو زبان اور اس کے معیار کے مطابق ہے۔ اور یہ دور جو ہمارے زمانے تک پھیلا ہوا ہے اس میں شعر و ادب اور علم و فن کی زبان معیاری یا ٹکسالی اردو سے مختلف نہیں ہے۔ لیکن گجری سے ضرور مختلف ہے۔ گجری سے اس معنی میں مختلف ہے کہ گجری زبان کے الفاظ قدیم اور متروک ہو جانے کے سبب اب ہمارے لیے بہت زیادہ قابلِ فہم نہیں رہے لیکن یہ علمی زبان تاحال قابلِ فہم ہے۔ ظاہر ہے کہ اس علمی زبان کے ارتقائی

مدارج میں جو زبان عوام بولتے ہوں گے وہ علمی زبان کی طرح معیاری تو نہیں ہوگی اور نہ ہی اتنی صحیح جتنی کہ آج کی معیاری اردو ہے۔ لیکن چونکہ علمی و ادبی اور خصوصاً نثر کی کتابوں کی کوئی ایسی مثالیں موجود نہیں ہیں، جن سے عوام کی بولی کا پتہ چل سکے اس لیے یہ کہنا مشکل ہے کہ اُس دور کے عوام کی زبان کی شکل کیا رہی ہوگی؟ آجکل گجرات کے عوام جو زبان بولتے ہیں کیا اس کی شکل بھی ویسی ہے جیسی آج سے دو سو سال قبل کی عوامی زبان کی تھی؟ تاہم گمان غالب ہے کہ جو زبان اُس دور کے عوام بولتے ہوں گے وہ پرانی گجری سے زیادہ قریب رہی ہوگی۔ کیوں کہ آج سے پچاس یا پچھتر سال پہلے گجرات کے بعض دیہی علاقوں کے مسلمان جو اردو بولتے تھے اس قدر پرانی معلوم ہوتی تھی کہ اس کا سلسلہ گجری سے ملتا نظر آتا تھا۔ یعنی گجری زبان میں الفاظ اور جملوں کی ساخت کو دیکھ کر اُس کے نہایت قدیم اور متروک ہونے کا احساس ہوتا تھا، لیکن دیہاتی عوام کی جب بات چیت سنی جاتی تو لگتا تھا کہ یہ تو وہی زبان ہے جو گجری شعر و ادب میں نظر آتی ہے۔ ممکن ہے کہ گجرات کے بعض دور دراز کے دیہی علاقوں میں انتہائی قسم کی دہقانی یا گجری زبان آج بھی بولی جاتی ہو۔ لیکن پھر بھی گجری زبان اپنی پرانی شکل میں سننے کو نہیں ملتی کیوں کہ آمد و رفت کے ذرائع نے دیہات اور شہروں کے فاصلے کم کر دیئے ہیں، اور ترقی پذیر شہر روز بروز اس قدر پھیلتے جاتے ہیں کہ اُن کی حدود دیہاتوں سے جا ملی ہیں علاوہ ازیں تعلیم عام ہونے کے ساتھ جدید ذرائع ابلاغ نے بھی عوام کی زبان کو متاثر کیا ہے۔ اس لیئے اب دیہات اور شہر کے عوام کی زبان میں بہت زیادہ فرق نہیں رہا۔ پھر بھی گجرات کے مسلمانوں میں خواص و عوام کی زبان میں فرق ملتا ہے۔ چونکہ خواص کا تعلق سورت، بھڑوچ، بڑودہ، احمد آباد، کھمبایت، جوناگڑھ، مانگرول، سچین اور پالن پور وغیرہ کے عمائدین سلطنت اور مشائخین وقت کے ساتھ رہا تھا اور ان میں اردو تعلیم کا رواج بھی تھا۔ لہٰذا اس طبقے کے مختلف خاندانوں میں صحیح اور شائستہ اردو صحیح تلفظ سے بولی جاتی تھی۔ سب سے اچھی اردو کھمبایت کے مشائخین میں بولی جاتی تھی۔ اور کھمبایت کے مشائخین سے تعلقات کے سبب احمد آباد کے شیعہ بخاری خاندانوں میں بھی صاف اور شستہ اور فصیح اردو کا رواج تھا۔ چونکہ بڑودہ کے نواب خاندانوں کا تعلق بدایوں کے قریب سہسوان اور یو پی کے دیگر اضلاع کے نواب خاندانوں سے تھا۔ اور اُن کے مابین شادی بیاہ کے تعلقات بھی تھے۔ اسلیئے ان خاندانوں کی زبان کا اثر ہونا لازمی تھا۔ اس لیے وہاں کے خواص میں بھی زبان اپنی معیاری شکل

میں موجود تھی۔ بڑودہ کے تعلقات بھروچ، انکلیشور، سورت اور راندیر سے ہونے کے سبب وہاں کے مشائخین میں بھی معیاری زبان عام تھی۔ اس کے باوجود بہت سے گھرانے ایسے بھی تھے جن پر مقامی زبان کے اثرات پڑ رہے تھے اور اُن کی زبان میں جسے بگڑی ہوئی اردو کہا جاتا تھا، اس کا رنگ آہستہ آہستہ بڑھتا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ زبان کے معیاری اور غیر معیاری ہونے کے معاملے میں یہ کشمکش بعض گھرانوں میں کافی شدید ہو گئی تھی۔ مثلاً ایک اونچے گھرانے کا کوئی فرد اگر "پانی" کو "پانڑی" کہہ دیتا تو دوسرے گھرانے والے اُسے ٹوکتے تھے یا ہنس دیتے تھے، لیکن یہ اثرات پھیلتے پھیلتے مشائخین کے بھی بہت سے خاندانوں کو بھی اپنی لپیٹ میں لیتے گئے۔ پھر پچھلے پچاس سال میں اردو تعلیم سے بے توجہی کے سبب زبان خاندانی افتخار کا مقام کھو بیٹھی اور اب زبان کے بگڑنے کے ان اثرات کو بڑے پیمانے پر چاروں طرف دیکھا جا سکتا ہے۔ اب تو صرف اردو سے قدیم وابستگی رکھنے والے یا پڑھے لکھے گھرانوں میں صحیح اردو کو سنا جا سکتا ہے۔ وہ "پانڑی" نہیں "پانی" کہیں گے۔ "جرا" نہیں "ذرا" کہیں گے۔ "آیا تھا" کہیں گے "آیلا" نہیں۔ لیکن اب ایسے گھرانوں میں بھی یہ الفاظ آہستہ آہستہ داخل ہوتے جاتے ہیں۔ کیونکہ آج کے زمانے میں بچوں کو عام صحبتوں سے دور رکھنا مشکل ہو گیا ہے۔ خواص کی زبان سے الگ عوام کی زبان اس زمانے میں بھی جبکہ خواص میں معیاری زبان کا چلن تھا، مختلف تھی، لیکن اتنی بھی مختلف نہیں تھی جتنی کہ آج نظر آتی ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ عوام میں اردو تعلیم آج کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ آج تو رجحان گجراتی تعلیم کی طرف زیادہ ہے۔ دوسرے شہر چھوٹا ہونے کے سبب عوام اور خواص میں سماجی میل جول بہت زیادہ تھا۔ محلّے کے غریب عوام مشائخین کے گھروں میں آتے جاتے، ملتے جُلتے اور کام کاج کرتے رہتے تھے۔ اور وہ صورت آج نہیں رہی۔ اس کے علاوہ عوام میں وعظ، مجالسِ عزا، مذہبی تقاریر، مشاعروں، مسالموں اور قوالیوں کا بہت چلن تھا۔ جن سے معیاری اردو مسلسل اُن تک پہنچتی رہتی تھی۔ لیکن یہ سب چیزیں اب کہاں۔ عوام کے جو بچے اردو اسکولوں میں پڑھ کر نکلتے تھے۔ ان کی زبان اِن بچوں کے مقابلے میں جو آج اردو اسکولوں میں پڑھ کر نکلتے ہیں، اُن سے زیادہ صاف ستھری ہوتی تھی۔ کیونکہ زبان کو متاثر کرنے والی وہ ثقافتی سرگرمیاں جو پہلے پورے معاشرے میں عام تھیں اب ناپید ہیں۔ لہٰذا گجرات کے بڑے شہروں میں مسلمان عوام جو زبان آج بولتے ہیں اُن پر مقامی زبان کے کیا اثرات پڑ رہے ہیں۔ اور اردو زبان کے کیا اثرات پڑ رہے تھے اردو زبان پر گجری کے دور سے جو مقامی اثرات پڑ رہے تھے اور اُن کے تحت الفاظ اور

جملوں میں جو تبدیلیاں آئی تھیں، اُن میں سے کیا کیا صورتیں آج تک قائم ہیں۔ اُن کی تحقیق و تفحص ہی اس مقالہ کا منشا ہے۔

صوتی خصوصیات

۱۔ گجرات کے عوام معیاری اردو کے مصمتے /ش/ص/ اور /س/ میں فرق نہیں کرتے اور تینوں حروف کا تلفظ ایک ہی طرح مصمتہ /س/ سے کرتے ہیں۔ مثلاً :۔ ثواب کے بجائے سواب۔ صاحب کے بجائے ساب۔

۲۔ اسی طرح گجرات کی اردو بولی میں معیاری اردو کے مصمتے /ذ/ز/ اور /ژ/ تینوں کا اظہار مصمتہ /ج/ سے ہوتا ہے۔ مثلاً:۔ ذرا کو جرا۔ زیادہ کو جیادہ۔ اور اژدہا کو اجدہا بولا جاتا ہے۔

۳۔ معیاری اردو کے مصمتے /خ/غ/ اور /ق/ گجراتی اردو میں بالترتیب /کھ/گ/ اور /ک/ مصمتوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً :۔ قدم کے بجائے کدم، قوم کے بجائے کوم، غارت کے بجائے گارت، غریب کے بجائے گریب، خالی کے بجائے کھالی، خوشی کے بجائے کھُشی بولا جاتا ہے۔

۴۔ گجرات کے اردو بولنے والے معیاری اردو کے مصمتہ /ف/ کو /پھ/ سے بدل لیتے ہیں۔ مثلاً :۔ فائدہ کو پھائدہ، فاروق کو پھاروک، بولا جاتا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کی مقامی زبان گجراتی میں /ف/ کا مصمتہ نہیں پایا جاتا۔

۵۔ گجرات کے اردو بولنے والے حائے حطّی کو ہائے ہوّز سے بدل لیتے ہیں، اور /ع/ کو ماقبل مصوّتے میں یا مصمتے میں ضم کر دیتے ہیں۔

۶۔ گجرات میں یائے لین کو یائے مجہول اور واو لین کو واو مجہول بولنے کا رواج عام ہے۔ مثلاً:۔ اَیسے، ایسے۔ جَیسے، جیسے۔ کَیسے، کیسے۔ مَیں، میں۔ ہَے، ہے۔ کَون، کون۔ یَون۔ یون۔ تَوند، توند۔

ڈاکٹر گیان چند جین کی اطلاع کے مطابق مذکورہ خصوصیات بھوپالی اردو میں بھی پائی جاتی ہے[1]۔

۷۔ گجرات میں ہائے وسطا نہیں بولی جاتی اور ہائے وسطا والے تمام الفاظ /ہ/ مصمتے کے بغیر ہی بولے جاتے ہیں۔ مثلاً:۔ آہستہ، آستے۔ مہرو، میرو۔ نہیں، نئیں۔ یہاں، یاں۔ کہاں، کاں۔ وغیرہ

۸۔ اردو میں نون مخلوط الصّوت (ننّھ) کا استعمال نہایت محدود ہے۔ اسی لیے سنسکرت

---

[1] بھوپالی اردو مشمولہ لسانی مطالعے از: ڈاکٹر گیان چند جین ص ۲۵۶

سے اردو میں آئے ہوئے (نڑ) کی آواز والے بیشتر الفاظ نونِ مفرد کی آواز سے بولے جاتے ہیں۔ مثلاً: برہمنڑ کے بجائے برہمن۔ گنڑ کے بجائے گن۔

لیکن گجرات کی اردو بولی میں نون مخلوط الصوت کا رجحان اس حد تک عام ہے کہ معیاری اردو کے نونِ مفرد والے الفاظ بھی نون مخلوط الصوت سے بولے جاتے ہیں۔ مثلاً پانی کے بجائے پانڑی۔ کانا کے بجائے کانڑا۔ بینگن کے بجائے بینگنڑ۔

۹۔ اسی طرح معیاری اردو کے تمام افعال میں جہاں علامتِ مصدر "نا" واقع ہوتی ہے۔ وہاں بجائے نونِ مفرد کے نون مخلوط الصوت "نڑ" بولا جاتا ہے۔ مثلاً: کھانا، پینا، آنا، جانا وغیرہ کو بالترتیب کھانڑا، پینڑا، آنڑا، جانڑا وغیرہ بولا جاتا ہے۔

۱۰۔ احمدآباد کے چند محلّوں، خصوصاً شاہ پور اور دریاپور کے عوام اردو کے صوتیے /ت/ اور /ر/ کا تلفظ بالترتیب /ٹ/ اور /ڑ/ کرتے ہیں۔ یعنی ان میں دندانی مصمتہ کو کوزی یا معکوسی بنانے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ مثلاً: جناب! میڑے باوا کا پگاڑ ابی نئیں آیا۔

یہی رجحان بھڑوچ اور بلساڑ کے باشندوں اور بالخصوص مسلمان پٹیل اور بوہرہ قوم کے افراد میں پایا جاتا ہے۔ البتّہ اس قوم کے وہ افراد جنہوں نے اردو، ہندی کی اعلیٰ تعلیم پائی ہے۔ وہ /ت/ اور /ر/ کے صحیح تلفظ کی شعوری کوشش ضرور کرتے ہیں۔ لیکن انھیں بھی بہت کم کامیابی ہوتی ہے۔

۱۱۔ عربی، فارسی کے سہ رکنی الفاظ جن میں رکن ثانی ساکن ہوتا ہے۔ گجرات کے اردو بولنے والے اس قسم کے الفاظ میں عموماً رکن ثانی کو متحرک کر دیتے ہیں۔ مثلاً: شَرَم، نَرَم، تخَت اور دَرَخَت بولا جاتا ہے۔

حالانکہ دکنی کی مانند گجراتی اردو میں اردو کے مصمتہ /ق/ کو /خ/ میں بدلنے کا عام رجحان اب گجرات میں نہیں رہا۔ تاہم 'وخت' جیسے بعض لفظوں میں یہ رجحان آج بھی موجود ہے۔ یہاں ایک سوال کیا جا سکتا ہے کہ جب اردو کے بقیہ تمام لفظوں میں یہ رجحان نہیں رہا تو 'وقت' کو 'وخت' کیوں بولا جاتا ہے؟۔ غالباً اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ مقامی زبان گجراتی میں 'وخت' ہی فصیح ہے اور اُسی کے اثر سے گجرات کے اردو بولنے والے اس لفظ کو آج بھی 'وخت' بولتے ہیں۔

۱۔ جس طرح دکنی اردو میں الفاظ کے آخر میں "چ" تاکیدی حرف ہوتا ہے۔ ٹھیک اسی

طرح گجرات کی اردو بولی میں بھی الفاظ کے آخر میں " ج " حرف تاکید کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً: آج ج ہونگی۔ میرے ج کھانڑا تھا۔ اس نے ج کہیا تھا۔ وُنے ج بولیلا۔ یہی صورتحال موجودہ گجراتی میں بھی پائی جاتی ہے۔

હુંમે આફિતી આપેલી જ છે.
બહુ થોડા જ જતાં કર્યાં છે.
કોશ વાપરનારા જ બધા જાણી શકે છે.
(બૃહદ ગુજરાતી કોશ ભાગ નં.૩,૪)

۲۔ معیاری اردو میں (بسا اوقات جملہ نفی میں) زمانۂ مستقبل کے جملوں میں اظہارِ استقبال کی خاطر مصدر کے بعد حرف اضافت کا استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً:۔ میں نہیں آنے کا۔ وہ نہیں جانے کا۔
اس طرح معیاری اردو میں اس کا استعمال منفی جملوں تک محدود ہے جبکہ گجراتی اردو میں یہ صورت اثبات و نفی دونوں طرح کے جملوں میں پائی جاتی ہے۔ مثلاً:۔ میرے بھی آنڑے کا ہے۔ ابی تو میرے کھانڑے کا ہے نے۔

۳۔ معیاری اردو میں صرف یہ "گا" مستقبل کی علامت ہے۔ لیکن گجراتی اردو میں صرفیہ حال کے معنی بھی دیتا ہے۔ مثلاً:۔ ہے گا، ہے گی، ہیں گے۔ ہیں گی۔
جملوں میں:۔ باوا گھر میں ہیں گے؟ ہاں ہیں گے۔ میں کاجی ساب کا چھوکرا ہونگا۔

۴۔ گجراتی اردو میں صرفیہ /گا/ تاکیدی حرف کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ اور پنجابی اردو کی طرح یہاں بھی تعداد اور جنس کے لیئے گردان بھی کرتا ہے۔ جیسے: وہ نئی جاتی ہے گی /:/ وہ نئی جاتے ہیں گے /:/ وہ نئی جاتا ہے گا / وغیرہ۔

۵۔ گجراتی اردو میں ایسی مثالیں کثرت سے مل جاتی ہیں جہاں جمع /اں/ سے بنائی جاتی ہے۔ جیسے:
عورت سے عورتاں۔ بات سے باتاں۔ چھوکری سے چھوکریاں۔
دکنی کی طرح گجراتی اردو میں بھی فاعل اگر جمع میں ہو تو فعل اور فعل ناقص بھی جمع میں لاتے ہیں۔ مثلاً:
عورتاں باتاں کرتیاں تھیاں۔ چھوکریاں آتیاں تھیاں۔
لیکن دکنی کی طرح کا یہ استعمال اب محض خواتین تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔ مردوں میں عام طور سے اس طرح کے جملے استعمال نہیں ہوتے۔

۶۔ مذکر اسما کو مؤنث بنانے کے لیے اردو میں جہاں لاحقہ /یا/ کا استعمال ہوتا ہے۔ وہاں گجراتی اردو میں /یا/ کے بجائے لاحقہ /۔ی/ استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے: کُتّا مذکر میں کُتیا کے بجائے کُتّی۔ بندر مذکر سے بندریا کے بجائے بندری۔ گدھا مذکر سے گدھیا کے بجائے گدھی۔ چڑا مذکر سے چڑیا کے بجائے چڑی۔

اردو نہ صرف اسمار مذکر بلکہ بیشتر صفات کی تانیث میں بھی /۔ی/ لاحقہ استعمال ہوتا ہے۔ جیسے: گھوڑا مذکر سے گھوڑی۔ دوسرا مذکر سے دوسری۔

تو پھر چند اسمائے مذکر کی تانیث کے لیے لاحقہ /۔یا/ کا جواز کیا ہے؟ گویا گجرات کے عوام نے اس قسم کے اسمار مذکر جن کی تانیث کے لیے اردو میں لاحقہ /۔یا/ کا استعمال ہوتا ہے۔ بجائے /۔یا/ کے /۔ی/ استعمال کرکے اپنی زبان میں نہ صرف یکسانیت بلکہ آسانی بھی پیدا کی ہے۔

۷۔ اردو میں بعض اوقات مذکر اسم خاص کے آخر میں /۔ن/ لاحقہ لگا کر مؤنث بنا لیتے ہیں مثلاً: رحیم مذکر سے رحیمن اور کریم مذکر سے کریمن۔ اسی اصول کے تحت مصوّتہ پر ختم ہونے والے بعض عام اسمائے مذکر کے آخری مصوتے یا درمیانی و آخری دونوں مصوّتوں کو حذف کرکے /۔ن/ لاحقے سے اُن کی تانیث کی جاتی ہے۔ مثلاً: قاضی مذکر سے قضیانی /قضیانڑی۔ حاجی مذکر سے حجیانی /حجیانڑی۔ مُلّا مذکر سے مُلّانی /مُلّانڑی۔ سیّد مذکر سے سیّدانی /سیّدانڑی۔

جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے کہ اردو بولی گجرات کے خواص کے یہاں اور تعلیم یافتہ گھرانوں میں داخل ہو چکی ہے اور وہاں بھی آہستہ آہستہ اپنے قدم جما رہی ہے۔ اس کے باوجود خواص اور عوام کی بولی میں لہجہ اور شائستگی کا فرق آج بھی پایا جاتا ہے۔ خصوصاً خواص کے یہاں نون مخلوط الصوّت (نڑ ṇ) بولنے سے پرہیز کیا جاتا ہے۔ اور نون مخلوط الصوت سے گجراتی اردو میں رائج تمام الفاظ نون مفرد سے بولے جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ خواص کے گھرانوں میں قضیانڑی، حجیانڑی، مُلّانڑی اور سیّدانڑی نہیں بولا جاتا ہے بلکہ قضیانی، حجیانی، مُلّانی اور سیّدانی بولا جاتا ہے جب کہ عوام کی زبان میں نون مخلوط الصوت کا استعمال کثرت سے کیا جاتا ہے۔ اسی لیے وہ حجیانی اور قضیانی کے بجائے حجیانڑی اور قضیانڑی بولتے ہیں۔

گجراتی اردو کی ضمیریں

ضمائر متکلم

حالت	واحد: گجراتی اردو	واحد: معیاری اردو	جمع: گجراتی اردو	جمع: معیاری اردو
فاعلی	میں (بروزنِ دے)	مَیں	ام	ہم
مفعولی	مُجے/ میرے کو	مجھے	ام کو/ امارے کو	ہمیں/ ہم کو
اضافی	میرا	میرا	امارا	ہمارا
ظرفی	میرے میں	مجھ میں	امارے میں	ہم میں
طوری	میرے سی	مجھ سے	امارے سی	ہم سے

ضمائر حاضر

حالت	واحد: گجراتی اردو	واحد: معیاری اردو	جمع: گجراتی اردو	جمع: معیاری اردو
فاعلی	تو	تو/ تعظیماً آپ	تم	تم/ تعظیماً آپ
مفعولی	تُجے	تجھے/ تجھ کو	تم کو/ تموں کو	تمہیں/ تم کو/ آپ کو
اضافی	تیرا	تیرا	تمارا	تمہارا/ آپ کا
ظرفی	تیرے میں	تجھ میں	تمارے میں	تم میں
طوری	تیرے سی	تجھ سے	تمارے سی	تم سے

ضمائر غائب

حالت	واحد: گجراتی اردو	واحد: معیاری اردو	جمع: گجراتی اردو	جمع: معیاری اردو
فاعلی	وہ	وہ	وہ	وہ
مفعولی	اُس کو	اُسے/ اُس کو	اُن کو	انہیں/ ان کو
اضافی	اُس کا	اُس کا	اُنوں کا	اُن کا
ظرفی	اُس میں	اُس میں	اُنوں میں	اُن میں
طوری	اُس سی	اُس سے	اُنوں سی	اُن سے

واحد متکلم اور واحد حاضر کی مفعولی حالت کی اردو ضمیریں 'مجھے' اور 'تجھے' گجری ادب میں 'مجے' اور

بجے کی شکل میں جلوہ افروز نظر آتی ہیں۔ لہٰذا گجری مثنویوں سے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

۱ : حضرت عیسیٰ نے نزدیک جا کھوپڑی کو حال اُس کا پوچھیا
رب کی سوگند ہے تجے اے کھوپڑی حال اپنا کہہ بجے یاں کوں پڑی

(بحوالہ مثنوی جمجمہ از مسکین تصنیف کردہ ۱۰۹۲ھ)[1]

۲ : میری اہلیہ کوں جو سونپا بجے کہ نبھا بھی تماری اہے وہ سبھی

(بحوالہ مثنوی بی بی ارواح از محمد شفیع تصنیف کردہ ۱۱۲۰ھ)[2]

لیکن اب اردو میں /بجے/ اور /تجے/ کی بہ نسبت /مجھے/ اور /تجھے/ کو زیادہ فصیح تسلیم کیا گیا ہے۔ اسی لیے یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ گجراتی اردو میں بھی /بجے/ اور /تجے/ کا استعمال اب تو محض خواتین خانہ تک محدود ہو چکا ہے۔ مرد عام طور سے /بجے/ اور /تجے/ کے بجائے /میرے کو/ اور /تیرے کو/ بولتے ہیں۔

اردو میں "آپ" تعظیماً واحد حاضر اور جمع حاضر کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی کبھار واحد غائب کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے[3]۔ لیکن گجراتی اردو میں نہ صرف یہ کہ واحد غائب کے آپ کا استعمال مفقود ہے بلکہ واحد حاضر کے لیے بھی اس کا استعمال خال خال ہی ہوتا ہے۔ گجرات کے لوگ تعظیمی ضمیر حاضر "آپ" کا استعمال پیر طریقت، خطیب و امام مسجد یا استاذِ مدرسہ کے لیے ہی کرتے ہیں۔ وہ بھی کبھی کبھی۔ حتیٰ کہ گجرات کی عورتیں اپنے شوہروں کے لیے بھی تعظیمی ضمیر حاضر آپ کا استعمال بہت کم کرتی ہیں۔ اگر کچھ عورتیں تعظیماً "آپ" کا استعمال کرتی بھی ہیں تو اُن کا تعلق خواص کے گھرانوں سے ہوتا ہے۔ یا پھر شمالی ہند سے گجرات میں آکر بسے ہوئے خاندانوں سے۔ چونکہ گجرات کے لوگ "آپ" کا استعمال کم کرتے ہیں، اسی لیے بھوپال کی طرح گجرات میں بھی تعظیمی ضمیر حاضر "آپ" کے ساتھ فعل کے وہ صیغے استعمال ہوتے ہیں جو اردو میں تم کے ساتھ بولے جاتے ہیں[4]۔ مثلاً: "آپ یہ کتاب پڑھیے" کے بجائے "آپ یہ کتاب پڑھو" اور "آپ لیجیے" کے بجائے "آپ لو" بولا جاتا ہے۔

اردو کی ضمیر موصولہ /جو/ کی مختلف صورتیں قدرے صوتی یا ملفوظی اختلاف کے ساتھ گجراتی اردو میں بھی رائج ہیں۔

---

۱ گجری مثنویاں (قلمی)، مرتبہ: ڈاکٹر سید ظہیر الدین مدنی۔ ۲ ایضاً۔ ۳ اردو صرف و نحو مرتبہ: مولوی عبدالحق ص ۴۲۔ ۴ بھوپالی اردو مشمولہ لسانی مطالعے از ڈاکٹر گیان چند جین ص ۲۵۸۔

ضمائر موصولہ :

حالت	واحد: گجراتی اردو	واحد: معیاری اردو	جمع: گجراتی اردو	جمع: معیاری اردو
فاعلی	جو / جن نے	جو / جس نے	جو/ جنوں نے	جو / جنھوں
مفعولی	جس کو	جس کو / جسے	جن کو/ جنوں کو	جن کو / جنھیں
اضافی	جس کا / جس کی	جس کا / جس کی	جنوں کا/ جنوں کی	جن کو / جن کی
ظرفی	جس میں	جس میں	جنوں میں	جن میں
طوری	جس سی	جس سے	جنوں سی	جن سے

مختصراً یہ کہ گجرات میں علامت مفعولی /کو/ اور علامت طوری / سے / کا تلفظ بالترتیب / کو / اور /سی/ کیا جاتا ہے اور ضمیر موصولہ جو کی فاعلی اور مفعولی حالتوں میں /جنھوں/ اور /جنھیں/ کے بجائے /جنوں نے/ اور /جنوں کو/ بولا جاتا ہے۔ مفعولی حالت میں 'جنھیں' کا استعمال صرف ان افراد میں پایا جاتا ہے جو معیاری اردو بولتے ہیں۔

زمانے

۱ : اردو میں ماضی مطلق کے بعد ہے ۔ ہو ۔ ہیں جیسے :۔ فعل ناقص کے صرفیوں کا اضافہ کرکے ماضی قریب کے جملے بنائے جاتے ہیں۔ مثلاً :۔ "وہ لایا ہے۔ وہ لائے ہیں۔ تو لایا ہے۔ تم لائے ہو۔ میں لایا ہوں۔ ہم لائے ہیں۔" مگر گجرات کے لوگ 'فعل ناقص' کو 'فعلی مادّے' میں اس خوبی سے ضم کردیتے ہیں کہ مختلف صیغوں میں فعل ناقص کے صرفیے ہے ۔ ہو ۔ ہیں بالترتیب خفیف اے ۔ او ۔ ایں سے بدل جاتے ہیں۔ نتیجتاً ماضی قریب کے جملے کچھ اس طرح بولے جاتے ہیں: "وہ لایاے۔ وہ لاے ایں۔ تو لایاے۔ تم لائے او۔ میں لایاؤں۔ ام لائے ایں" وغیرہ۔ اور یہی بات مؤنث کے صیغوں میں بھی پائی جاتی ہے۔

۲ : اردو میں ماضی بعید کے جملوں میں ماضی مطلق کے بعد فعل ناقص کے ماضی کے صرفیوں /تھا/ تھے/ تھی/ تھیں کا اضافہ کیا جاتا ہے۔ جیسے :"وہ آیا تھا۔ وہ آئے تھے۔ تو آیا تھا۔ تم آئے تھے۔ میں آیا تھا۔ ہم آئے تھے وغیرہ"۔ یعنی معیاری اردو میں فعلی مادّہ مع صرفیہ کے فاعل کی جنس اور تعداد کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے۔ جبکہ گجراتی اردو میں فعلی مادّہ / امر / + / ے / کی شکل میں مستقل طور پر برقرار رہتا ہے اور صرف تھا

مرفیے /تھا/ کے بجائے /لا/ استعمال کیاجاتاہے۔ جو جنس اور تعداد کے اعتبار سے تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ نتیجہ میں ماضی بعید کی گردان یوں کی جاتی ہے۔ "وہ آیلا۔ وہ آئیلے۔ تو آئیلا۔ تم آئیلے۔ میں آیلا۔ ہم آئیلے۔ وغیرہ۔ یہی صورت مؤنث کے صیغوں میں بھی برقرار رہتی ہے۔ مثلاً: "وہ آئے لی۔ تو آئے لی اور میں آئے لی۔" بجائے "وہ آئی تھی۔ تو آئی تھی اور میں آئی تھی۔

۳ : اسی طرح ماضی ناتمام کے صیغوں میں، میں لاتا تھا اور ہم لاتے تھے کے بجائے میں لاتیلا اور ہم لاتیلے وغیرہ بولا جاتا ہے۔

۴ : اردو میں امر کے بعد /رہا ہے/ اور /رہے ہیں/ کے اضافے سے حالِ ناتمام کی گردان کی جاتی ہے۔ لیکن یہی /رہا ہے/ اور /رہے ہیں/ بعض علاقائی بولیوں میں /ریاہے/ اور /رئیں/ بولا جاتا ہے۔ برخلاف اس کے گجرات میں /ریلاے/ : / ریلیں/ اور /ریلاؤں/ وغیرہ بولا جاتا ہے۔ یعنی اس طرح گجراتی اردو میں حالِ ناتمام، ماضی ناتمام اور ماضی بعید کی گردانوں میں اردو کے متناسب صرفیے کے بجائے گجراتی کا متناسب صرفیہ /لا/ استعمال کیا جاتا ہے۔ جو غالباً مراٹھی میں بھی پایا جاتا ہے۔

محاورات :۔

گجراتی اردو میں ایسے بھی محاورے پائے جاتے ہیں جو اردو سے کسی قدر مختلف ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔ مثلاً: ۱۔ لوٹی دینا = دھوکہ دینا۔

(الف) "کیوں بے تیرے پیسے ملے کی نیں ملے۔" (ب) "اپنے یار کاں سی ملتے۔ وہ تو میرے کو لوٹی دے گیا۔"

۲۔ ماما سمجھنا = بے وقوف سمجھنا۔ "کیا میرے کو ماما سمجھا ہے، جو میرے کو لوٹی دیڑے کے چکر میں ہے۔"

۳۔ لپ لپ کرنا = بے جا دخل دینا۔ "تو کیوں بیچ میں لپ لپ کرتا ہے، چل جا یاں سی۔ جس اُٹھنگر۔"

۴۔ کھانڈ کھانا = بے جا فخر کرنا۔ " سرِعام کے ریا اے وہ چھو بُرا ہے، وہ کھانڈ کھا رہا ہے یہ سمجھا ئیو کدی۔

۵۔ دماغ کادہی کرنا، مغز کادہی کرنا = بے حد پریشان کرنا۔ (الف) کیا ہوا کل کے حساب میں بھول ملی؟ (ب) ارے اُس بھول نے تو میرے دماغ کادہی کر دیا۔

۶۔ اپن مین ساڑھے تین ہونا = کم تعداد میں ہونا۔ (الف) کوں بنا! کل برات میں کتے جنے تھے؟ (ب) ارے یار! اپن مین ساڑھے تین تھے۔ وہ کوئی کے واں جاتا تو ہے پن کوئی آوے کاں سی۔

۷۔ "تو' تو 'کرنا = باتیں بنانا۔" اُس کو کل سی مت بلائیو 'کام کاج کرتی نئیں ہے نے خالی 'تو' کرتی ہے۔"

یوں تو اس موضوع کے تحت گجراتی اردو کی لغات کے نمونے بھی پیش کیے جا سکتے ہیں اور لغات کی مل اور پھر مرورِ ایام کے ساتھ مشترکہ ہندوستانی تہذیب کے زیرِ اثر ان میں ہونے والی صوری اور معنوی تبدیلیوں سے بحث بھی کی جا سکتی ہے۔ لیکن طوالت کے خوف سے اسے نظر انداز کرتے ہوئے میں یہاں گجراتی اردو کے ایک ایسے امتیازی وصف کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو غالباً اردو کے دیگر علاقائی بولیوں میں نہ ہوگا۔ وہ امتیازی وصف یہ ہے کہ گجراتی اردو کو عربی فارسی کے الفاظ صرف اردو کے واسطے سے ہی بلکہ بیشتر الفاظ گجراتی زبان کے واسطے سے ملے ہیں۔

چونکہ ظہورِ اسلام سے قبل بھی عرب تجار سواحل گجرات سے نہ صرف تجارت کیا کرتے تھے بلکہ بعض خاندانوں نے عرب سے آکر سواحل گجرات کی بستیوں میں مستقل سکونت اختیار کر لی تھی۔ لہٰذا سواحل گجرات کی آبادیوں کے ذریعہ عربی کے الفاظ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد سے قبل ہی داخل ہو چکے تھے۔ اسی طرح جب ایرانیوں کے قافلے گجرات میں آئے تو وہ بھی گجرات کے عوام میں شیر و شکر ہو گئے تھے اور اس طرح گجراتی نے فارسی کے بھی بیشتر الفاظ فارسی کو عدالتی زبان کا درجہ ملنے سے قبل ہی قبول کر لئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ گجراتی زبان پر عربی فارسی کا اتنا گہرا اثر پایا جاتا ہے جو اردو اور ہندی کے علاوہ شاید ہندستان کی کسی علاقائی زبان میں نہ پایا جاتا ہوگا۔ اسی لیے عربی فارسی کے بشتر الفاظ گجرات کی نہ صرف معیاری گجراتی میں بلکہ دیہقانی قسم کی ٹھیٹھ دیہاتی بولیوں میں بھی داخل ہیں۔ اسی لئے گجرات کی اردو بولیوں میں بھی وہ اسی طرح مستعمل اور رائج ہوئے جس طرح گجراتی اور گجراتی بولیوں میں مستعمل تھے۔ یہی سبب ہے کہ بعض اوقات گجراتی اردو میں عربی فارسی الفاظ کی شناخت مشکل ہو جاتی ہے۔ چند مثالیں دیکھئے:۔

"ہمارے یہاں بازو کے گوشت کو کتیب کہتے ہیں جو عربی کتِف کی بگڑی ہوئی شکل ہے۔ یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ عام طور سے /ف/ : /ب/ سے بدل جاتا ہے۔ چونکہ گجرات میں عربی ضاد کو ڈواد بولا جاتا ہے۔ اسی لئے عربی عضلہ اور بیضہ بگڑ کر 'ادلا' اور 'بیدا' ہو گئے۔ ادلا ہمارے یہاں ران کے گوشت کو کہتے ہیں جسے شمالی ہند میں غالباً بوم یا بونگ کہا جاتا ہے اور بیدا انڈے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح صَباح اور مَسا کے بجائے صَبَاح اور مَسَا لفظ بھی صبح و شام کے معنی میں مستعمل ہیں۔ اسی طرح لفظ قدح پیالے کے

معنی مستعمل تو نہیں لیکن ایک روزمرہ میں اس کا استعمال آج بھی پایا جاتا ہے۔ اُس کو تو کدا بھر کے جیسے وغیرہ

مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ یہ گجرات کی اردو بولی کا مکمل خاکہ نہیں ہے۔ اور اس مختصر سے مقالہ میں گجرات کی اردو بولی کی تمام خصوصیات سے تفصیلی بحث کرنا میرے لیے ممکن بھی نہ تھا۔ تاہم یہاں پر گجراتی اردو کی بعض ایسی خصوصیات کا ذکر کر دیا ہے۔ جو عام طور سے نمایاں ہے۔ مگر ایسی خصوصیات جو گہرے مطالعے اور عمرانی و لسانیاتی تحقیق و تجزیہ کی متقاضی ہیں۔ انہیں اپنی علمی بے بضاعتی کے سبب نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ پھر بھی مجھے یقین ہے کہ عمرانی و لسانیاتی نقطۂ نظر سے گجری اور گجراتی اردو کا تفصیلی مطالعہ اردو زبان کی ابتدائی تشکیل و ترتیب کے کچھ پیچیدہ مسائل کی عقدہ کشائی اور بعض گم شدہ کڑیوں کی تلاش میں ہمارے لئے اُمید سے زیادہ مفید و معاون ثابت ہوگا۔

●●

مرتبہ ارون سنگھ، پٹنہ

آزاد ہند فوج کی کہانی کرنل محبوب احمد کی زبانی

وہ جلد بازی اور الجھن میں کیا جانے والا ایک سفر تھا۔ بظاہر کوئی اس سفر کے لئے تیار نہیں تھا۔ "جیسے ہند پھر ملوں گا" نیتاجی نے وہاں کھڑے لوگوں سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ وہ ہوائی جہاز دو انجن والا بامبر تھا جس میں جاپان کے سینئر آفیسر بھی تھے۔ شام ۵ بج کر ۱۵ منٹ پر جہاز نے پرواز کی اور اسی شام تاؤرین (فرینچ انڈوچائنا) میں اترا۔ اڑان دوسرے دن بھی جاری رکھی گئی۔ ہوائی جہاز ۱۸ اگست کو دو بجے دن میں تائہوکو (فارموسا) پہنچا۔ مسافر دن کا کھانا کھا رہے تھے اور جہاز میں ایندھن بھرا جا رہا تھا۔ ۲ بجکر ۳۰ منٹ پر جیسے ہی وہ دوبارہ اڑا اس کا پروپیلر خراب ہوگیا۔ جہاز میں آگ لگ گئی۔ وہ تیزی سے نیچے جھکا اور زمین سے ٹکرا گیا۔ تباہ شدہ جہاز سے بوس، حبیب الرحمٰن اور جو لوگ بچے تھے جد وجہد کرتے ہوئے باہر نکلے۔ بوس کے کپڑوں میں آگ لگی ہوئی تھی۔ ان کے ساتھی اس آگ کو بجھانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کا چہرہ اور جسم بری طرح سے جھلس چکا تھا، اور ساتھ ساتھ ان کے سر میں بھی گہری چوٹ لگی تھی۔ اسپتال جانے سے قبل ہی نیتاجی شاید یہ سمجھ چکے تھے کہ اب وہ بچ نہ سکیں گے۔

زندگی آہستہ آہستہ ختم ہو رہی تھی۔ حبیب الرحمٰن دن بھر ان کے بستر سے لگے رہے۔ ڈاکٹروں کی تجویز کردہ دواؤں سے کبھی کبھی حالت سدھرتی تھی اور پھر وہ درد سے بیہوش ہو جاتے تھے۔ ظاہر تھا کہ اب انھیں بچایا نہیں جا سکتا تھا۔ ان کے ہونٹ بری طرح سوج گئے تھے اور انھیں بولنے میں دقت و پریشانی ہو رہی تھی۔ انھوں نے ایک انٹرپریٹر (ترجمان) کو بلوایا اور فیلڈ مارشل تیراؤچی کے نام ایک پیغام لکھوایا۔ آخری وقت کے کچھ منٹوں پہلے انھوں نے اپنے ساتھی سے کہا۔ "حبیب! میں محسوس کرتا ہوں کہ میں جلد ہی مر جاؤں گا۔ میں نے بھارت کی آزادی کیلئے اپنے آخری لمحوں تک لڑائی لڑی ہے۔ میرے ہم وطنوں سے کہنا، بھارت جلد ہی آزاد ہوگا، آزاد بھارت امر رہے"۔ پھر انھوں نے مارفیا کا انجکشن لگانے کو کہا۔ اس کے کچھ دیر بعد رات آٹھ اور نو بجے کے درمیان پٹیوں سے بندھے ان کے جسم میں زبردست تھرتھراہٹ ہوئی اور پھر جسم جامد و ساکت ہوگیا، اور وہ چلے گئے۔ (دی اسپرنگنگ ٹائگر مؤلف ہوٹائی ۱۹۵۹ء، ص ۱۶۷ ـ ۱۶۶)

یہ سچ ہے کہ وہ ۱۸ اگست ۱۹۴۵ء کو تائہوکو کے جاپانی ملٹری اسپتال کے نیم وارڈ میں مر گئے۔

پٹنہ کے باشندہ ۷۰ سالہ کیپٹن محبوب احمد آزاد ہند فوج میں نیتا جی سبھاش چندر بوس کے ملٹری سکریٹری تھے۔ ملٹری سکریٹری کا کام ہوتا تھا آزاد ہند سرکار، آزاد ہند فوج اور نیتا جی کے درمیان ربط و تعلق بنائے رکھنا۔ اس ناتے انھیں نیتا جی کے نزدیک رہنے کا کافی موقع ملا۔

کیپٹن محبوب احمد سے نیتا جی اور آزاد ہند فوج کے بارے میں لمبی بات چیت ہوئی۔ بات چیت کے دوران جب میں نے ان کی انفرادی اور ذاتی زندگی کے بارے میں، ابتدائی دنوں کے بارے میں، نیتا جی سے ربط قائم کرنے سے پہلے کی زندگی اور پھر وہ حالات جن کی وجہ سے انھوں نے آخری وقت تک نیتا جی کا ساتھ دینے کا فیصلہ کیا، کے بارے میں سوال کئے تو وہ تھوڑا سوچنے لگے، جیسے وہ یادداشتوں کو سلسلہ وار ڈھنگ سے جوڑ رہے ہیں۔

پھر انھوں نے کہنا شروع کیا: میں اعلیٰ متوسط طبقہ کے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں۔ میری ابتدائی تعلیم آئی۔ آر۔ ایم۔ سی۔ اسکول دہرادون میں ہوئی۔ وہاں کے پورے ماحول میں انگریزیت تھی۔ انگریزوں کی دیکھ ریکھ میں رہنا پڑتا تھا۔ انھوں نے ہمارے کیرکٹر کی تعمیر تو کی لیکن ہندستان کے بارے میں وہ ہمیں کچھ نہیں بتا سکے۔ ہندستان کے کون کون سے مسائل ہیں اس کے بارے میں وہ ہمیں کوئی جانکاری نہیں دے سکے۔ میں نے ۱۹۴۰ء میں انڈین آرمی جوائن کی، برٹش انڈین آرمی۔ ہم لوگوں کو ملایا میں بھیجا گیا۔ وہاں جاپانیوں کے ساتھ لڑائی ہوئی تھی پوری برٹش فوج کو انھوں نے اپنے قبضہ میں لے لیا۔ ہم لوگ قید کر لئے گئے۔ جاپانیوں نے ہم سے کہا کہ ہماری لڑائی ہندستانیوں سے نہیں ہے۔ ہم لوگ ہندستان میں برٹش سرکار سے لڑ رہے ہیں، ہماری تم سے کوئی لڑائی نہیں ہے۔

"اس وقت تک ہمارے جنرل موہن سنگھ ہوتے تھے۔ وہ ایک دم جوان سکھ تھے۔ پہلے وہ برٹش فوج میں کیپٹن تھے۔ جو فوجی گرفتار کئے گئے تھے، ان میں سے قریب ۲۵ ہزار لوگوں نے کیپٹن موہن سنگھ کی قیادت میں انڈین نیشنل آرمی کو قائم کیا۔ اسی آرمی کے جنرل موہن سنگھ بنے۔ اس وقت ان کا مقصد تھا کہ جتنے ہندستانی برما، ملایا اور جنوبی مشرقی ایشیا میں ہیں ان کی دیکھ بھال کیا جائے، کیونکہ جاپانی بڑے بے رحم اور ظالم ہوتے تھے۔ اگر کوئی جاپانی کسی ہندستانی کے ساتھ بدمعاشی یا بے عزتی کرتا تو وہ خبر موہن سنگھ کے پاس پہنچ جاتی اور وہ شکایت یہ جاپانیوں تک لے جاتے تھے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ موہن سنگھ نے کہا کہ ہم لوگ ہندستان کی آزادی کے لیے لڑنا چاہتے ہیں، یہ ۱۹۴۲ء کا زمانہ تھا۔ اس وقت جاپانی ہمارا استعمال کرنا چاہتے تھے۔"

نیتا جی ہی کیوں؟ :۔

"لیکن پھر جاپانی آپ کو مدد دینے کے لیے کیسے تیار ہو گئے"؟

پہلے استعمال کرنا چاہتے تھے ۔ لیکن بعد میں جاپانیوں نے محسوس کیا کہ انہیں ہندستانیوں کی مدد لینی ہوگی، کیونکہ مشرق بعید میں سب سے طاقتور تھے یوروپین اور وہ حکومت کر رہے تھے۔ دوسرے تھے چینی جو بیوپار میں تھے۔ روپیہ، پیسہ سبھی ان کے پاس تھا۔ لیکن جاپانیوں اور چینیوں کے درمیان اچھے تعلقات نہیں تھے۔ تیسرے ہندستانی اور جو تھے ہوئے مقامی لوگ ملایا، برما وغیرہ کے۔ تو جاپانیوں نے ہم سے پوچھا کہ تمہیں کیا چاہیئے؟ پہلے تو انھوں نے آئی۔ این۔ اے کو توڑنے کی کوشش کی، ڈرانے، دھمکانے کی کوشش کی۔ لیکن جب انھوں نے پوچھا کہ تمہیں کیا چاہیئے تو ہم نے کہا کہ دیکھئے، ہمارا ایک نیتا ہے سبھاش چندر بوس، ابھی وہ جرمن میں ہیں، انھیں ہمارا پیغام دیجئے کہ وہ ہماری قیادت کریں۔ ہم ہندستان کی آزادی کے لئے لڑنا چاہتے ہیں۔"

اس وقت ہم لوگوں کے درمیان قومی لیڈر کی حیثیت سے نیتا جی سبھاش چندر بوس ہی جانے جاتے تھے اور اسوقت وہ جرمنی میں تھے۔ ہندستان سے باہر اور انھوں نے وہیں سے انگریزوں کے خلاف لڑائی شروع کی تھی۔ تو یہ فطری بات تھی کہ ہم ان کا ہی انتخاب کرتے۔ ہاں! تو جب نیتا جی کو ہمارا پیغام ملا تو بولے کہ ہم آئیں گے، ضرور آئیں گے پن ڈبی سے۔ ۹۰ دنوں کا خطرناک سفر کر کے وہ ملایا پہونچے۔ راستہ میں میڈاگاسکر کے آس پاس وہ جرمن پن ڈبی سے جاپان کی پنڈبی میں آگئے تھے۔ وہ بڑا جان لیوا سفر تھا، کیونکہ اس وقت لڑائی شدت اختیار کر چکی تھی ایسا صرف نیتا جی ہی کر سکتے تھے۔ نیتا جی اس کے بعد ٹوکیو گئے۔ توجو سے بات چیت کی۔" ایسا کچھ لوگ مانتے ہیں کہ آزاد ہند فوج اور سرکار جاپانیوں کے ہاتھ کی کٹھ پتلی تھی۔ کیا آپ نے ایسا محسوس کیا تھا؟"

"نہیں بالکل نہیں۔" کیپٹن محبوب تھوڑے بے چین نظر آئے۔ "یہ بات نہیں ہے نیتا جی نے توجو سے بات چیت کی تھی۔ انھوں نے جاپانیوں کا احسان ظاہر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم آپ کے احسان مند ہیں کہ آپ نے ہمیں مدد دینے کی تجویز رکھی ہے لیکن انھوں نے یہ بھی کہا کہ آپ خالی ایک طرف مہربانی نہیں کر رہے ہیں۔ کیونکہ جب تک یوروپین ہندستان میں ہیں۔ تب تک وہ ملایا، برما، انڈونیشیا، تھائی لینڈ پر حملہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے ہم لوگ برابر کی حیثیت سے ہیں۔ کوئی چھوٹا بھائی، بڑا بھائی نہیں ہے۔ آزادی کی لڑائی صرف ہندستانیوں کے ذریعہ ہی لڑی جائے گی۔ پہلا خون ہمارا ہی بہے گا۔ ہمارے پاس ہتھیار کی کمی ہے۔ آپ ہمیں ہتھیار دیں گے، ہم آپ کے احسان مند رہیں گے۔ لیکن ہم لوگ ہتھیار کی قیمت چکائیں گے، کیونکہ ہندستانیوں کے پاس ہتھیار خریدنے کے لئے کافی پیسے ہیں۔ جاپانیوں نے کہا کہ ہندستانی سپاہی لڑ نہیں سکتے۔ ان کو تو ناشتہ چاہیئے، کھانا چاہیئے، ہمارے پاس وہ نہیں ہوگا۔ ہم تو اپنے سپاہیوں کو کہتے ہیں کہ یہ رائفل لو اور جاؤ۔ تو نیتا جی ہم لوگوں کے پاس آئے اور بولے کہ دیکھو، یہ لوگ ایسا کہتے ہیں ہمارے

افسروں نے کہا کہ نیتا جی ہم کو ایک موقع تو دیجئے۔ تب نیتا جی نے ایک رجیمنٹ بنایا اور اسے نمبر ون رجیمنٹ کا نام دیا۔ لیکن ہم لوگوں نے اسے نیتا جی سبھاش رجیمنٹ نام دیا۔ اس کے کمانڈر شاہنواز ہوئے۔

ہم لوگ خوش نصیب ہیں :-

"آپ نے نیتا جی کو پہلی دفعہ کب دیکھا تھا؟ کیسے لگے تھے نیتا جی؟"

نیتا جی کا نام سنتے ہی کیپٹن محبوب تھوڑے رومانٹک سے ہو اُٹھتے ہیں۔ ان کے بارے میں بولتے وقت وہ جیسے دوسری دنیا میں پہنچ جاتے ہیں۔ ان کے چہرے پر ایک دلفریب مسکراہٹ آجاتی ہے۔

"نیتا جی! بڑی مؤثر کن شخصیت تھی ان کی۔ اس وقت ہم لوگ ملایا میں تھے۔ مئی ۱۹۴۳ء میں نیتا جی وہیں آئے تھے۔ تب ہم نے انھیں پہلی بار دیکھا تھا۔ ان کے بولنے کا انداز بھی بڑا مؤثر تھا۔ لگتا تھا کہ آواز ان کے دل سے نکل رہی ہے۔ نیتا جی نے کہا کہ ہم لوگ خوش قسمت ہیں کہ ہمیں دیش کی خدمت کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ اگر آپ اس وقت کا فائدہ اٹھاتے ہیں، ہندستان کی خدمت کرتے ہیں۔ ہندستان کو آزاد کراتے ہیں تو آنے والی نسل آپ کا گیت گائے گی۔"

ایک دفعہ ایک مجلس عام میں نیتا جی نے کہا کہ تمہارے کچھ بھائی ہمارے پاس آتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ ہم لوگوں نے آپس میں بات چیت کی ہے اور طے کیا ہے ہمارا پچاس فیصد، ساٹھ فیصد آپ جو بھی چاہتے ہیں ہم آپ کو دینگے۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟" نیتا جی نے سبھا میں کہا کہ ہم نے ان کو کہا کہ دیکھئے جو جوان لڑکے میرے پاس آتے ہیں تو وہ یہ پوچھتے ہیں کہ نیتا جی آپ کو میرا کتنا خون چاہئے۔ میں پورا حوالہ کرنا چاہتا ہوں۔ اسی وقت اس مجلسِ عام سے نہ جانے کتنے آدمی آئے۔ قریب سات آٹھ لکھ پتی لوگ بھی آئے اور نیتا جی کے پاس آکر بولے،" نیتا جی! یہ ہماری چابی ہے اسٹور کی، یہ ہمارا پیسوں کا اکاؤنٹ ہے، یہ ہمارا پریوار ہے۔ آپ حکم دیجئے۔

میں خاص کر کہنا چاہتا ہوں کہ آجکل ہندستان کی جو آب و ہوا ہو گئی ہے کہ کچھ لوگ مسلمان کو ہندستانی نہیں سمجھتے۔ کچھ کو شک ہے کہ ان کی ہمدردی پاکستان کے ساتھ ہے۔ یہ سب غلط ہے۔ پاکستان کو مسلمانوں نے نہیں بنایا ہے، اسے سیاسی لوگوں نے بنایا ہے۔ اگر نیتا جی ہوتے تو کبھی بٹوارہ نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ ماحول بن گیا ہے، اس کو ہمیں ٹھیک کرنا ہے اور ایک بات میں آپ کو بتا دوں کہ نیتا جی جب جرمنی سے جاپان آئے تو انھیں اپنے ساتھ ایک ہی آدمی کو لانے کو کہا گیا تھا کیونکہ پنڈبّی میں جگہ بہت کم تھی تو انھوں نے اپنے ساتھ ایک مسلمان کو لیا تھا، عابد حسن کو۔ بات مسلم یا ہندو کی نہیں ہے۔ عابد حسن کو اس لیئے لے گئے کہ انھیں وہی کارآمد لگا۔

ہمیں یاد ہے اسی مجلس عام میں بہت سی لڑکیوں نے، عورتوں نے آکر اپنے زیور نیتاجی کے قدموں پر رکھ دیئے تھے۔ اسی وقت ایک بوڑھی عورت آئی، پھٹی پرانی ساڑھی پہنے ہوئے۔ وہ بھی آہستہ آہستہ پلیٹ فارم پر آئی۔ اس نے کمر سے کچھ پیسہ نکالا۔ میں نہیں جانتا کتنا۔ شاید دس یا بیس روپے رہے ہوں گے۔ اس نے وہ پیسے نیتاجی کو دے دیئے۔ ہم لوگ دیکھ سکتے تھے کہ نیتاجی کے چہرہ پر عجیب الجھن کے آثار تھے۔ کیا میں پیسہ لے لوں؟ اگر میں لے لیتا ہوں تو وہ کھائے گی کیا؟ اگر نہیں لیتا ہوں تو سمجھے گی کہ ہم غریب ہیں اس لئے ہمارا پیسہ نہیں لیا۔ پھر نیتاجی نے پیسہ لے لیا۔

قومی محبت کی للک اور امنگ :۔

"اپنے لڑائی کے دلوں کی کوئی بات بتایئے۔" میں نے پوچھا۔

"ہاں! سبھاش ریجمنٹ جب سے برما انڈیا سرحد پر گئی۔ ایک جگہ ہے جنہل، اس میں ایک علاقہ ہے ہاکا۔ اسی میں ہم لوگ تھے۔ ہم لوگ عام طور پر گوریلا لڑائی لڑتے تھے کیونکہ دشمن ہم سے زیادہ طاقتور تھے۔ ان کے پاس بڑی فوج تھی۔ ان کے پاس ہوائی جہاز تھے۔ ہمارے کمانڈر جنرل شاہنواز تھے۔ اسی ہاکا میں ایک دفعہ رات میں ہم لوگ کھانا کھا کر بیٹھے تھے، سات آٹھ بجے ہوں گے کہ جنرل صاحب نے کہا کہ میں باہر جانا چاہتا ہوں۔ رات میں ہم لوگ چینی پہاڑی پار کر نیچے گئے۔ اور پھر جب صبح ہوئی تو ہم لوگ اوپر واپس آ گئے۔ ہم لوگوں کی تعداد دو ڈھائی ہزار کے قریب رہی ہوگی۔ پھر دوسرے دن گئے، پھر تیسرے دن۔ رات میں نیچے اترتے تھے اور صبح سورج طلوع ہونے کے وقت اوپر چڑھ جاتے تھے۔ ہم لوگ سوچتے تھے کہ یہ کیا کر رہے ہیں؟ لیکن ڈسپلن تھا، ہم لوگ پوچھ نہیں سکتے تھے، لیکن دیکھئے کہ جو نیتا ہوتا ہے اس کے دماغ میں ہمیشہ ایک منصوبہ ہوتا ہے۔ وہ یہ بتانا چاہتے تھے کہ ہم لوگ بہت زیادہ تعداد میں ہیں۔ جاسوس سب کے ہوتے ہیں، انگریز کے بھی تھے۔ چنانچہ وہ جاسوس ہماری تعداد کے بارے میں مشکوک ہو گئے۔

"حملہ سے واپس آکر افسر بتاتا ہے کہ آپ نے یہ کام غلط کیا۔ یہ اچھا کیا۔ اس بیٹھک میں سپاہیوں کو بھی اپنی بات کہنے کی آزادی تھی تو ایسی ہی ایک نشست میں ایک سپاہی نے اٹھ کر جب یہ کہا کہ مجھے اپنے افسر کے خلاف شکایت کرنی ہے تو ہم لوگ سکتے میں آ گئے۔ اسے اپنی بات کہنے کو کہا گیا تو اس سپاہی نے اپنے افسر پر یہ الزام لگایا کہ "مجھے میرا افسر مورچہ پر کیوں نہیں لے گیا؟" افسر نے جواب دیا "تم بیمار تھے۔ تمہیں کیسے لے جاتے۔" سپاہی نے کہا کہ "آپ رام سنگھ کو لے گئے، اسے بخار تھا۔"

تو دیکھئے "سپاہیوں کو کتنی امنگ تھی ان میں۔ ہمارے پاس کچھ بھی نہیں تھا، بس ایک نیتاجی تھے ان کے لئے ہم لوگ جان دینے کو تیار تھے۔ انھوں نے محسوس کیا کہ لڑائی ہونے والی ہے اور لڑائی میں انگریز پر دباؤ پڑے گا۔ اور اسی وقت ہم کو انگریزوں پر دباؤ ڈالنا ہے۔ اس کے لیے جس سے بھی مدد ملتی وہ لینے کو تیار تھے۔ جاپانیوں نے انھیں مدد دی۔ ———————— مدد اس لیے نہیں دی کہ وہ ہندستان کو پیار کرتے تھے۔ اس کے پیچھے ان کا اپنا مطلب بھی پوشیدہ تھا۔ انھیں بھی یہ اچھا لگ رہا تھا اور ہمیں بھی۔ نرمی سے مجھے یہ کہنا ہے کہ ہمیں اہنسا سے کب آزادی ملی ہے؟ آزادی اس وقت ملی ہے جب نیتاجی آرمی میں ایر فورس میں، نیوی میں گھس گئے اور بولے۔ تم گولی چلاتے ہو کس پر؟ اپنے بھائیوں پر، اپنے ہی ہم وطنوں پر؟ اسلیے کہ انگریز تمہیں غلام بنائے رکھیں، اس لیے کہ تم پر حکومت کریں؟ حکومت کریں انگریز اور گولی کھاؤ تم؟"

انھوں نے کہا " نیتاجی ہماری آنکھ کھل گئی ہے۔ اب آپ جیسا چاہیں، جو بھی چاہیں، ہمیں بتائیں۔ تو نیتاجی نے کہا کہ ہم ایک دوسرا مورچہ کھولنا چاہتے ہیں۔ ہندستان کے لوگ تنگ آچکے ہیں اب وہ بغاوت کرنا چاہتے ہیں۔ ہمارے یہ لوگ وہاں جائیں گے۔ یہ لوگ جب ہندستان میں فوج سے تعلق قائم کریں گے تب وہ انھیں دیکھیں گے۔ وہ جا کر اپنے گاؤں میں کہیں گے کہ ارے! وہاں تو وہ اپنے آدمی ہیں، اپنے لوگ ہیں۔ جب انگریز نے دیکھا کہ ان کا اعتماد ان پر اب نہیں رہا، اب یہ لوگ اپنے لوگوں پر گولی نہیں چلائیں گے۔ تب انگریز سوچے گا کہ اب وقت آگیا جانے کے لیے۔

ہم خود سپردگی نہیں کرینگے :-

"کب آپ کو لگا کہ اب آپ کے ہاتھوں سے بازی چھن گئی؟ اس وقت کا آپ کا ذاتی تجربہ کیا تھا میں نے کیپٹن محبوب صاحب سے جاننا چاہا۔

" حالانکہ ہم لوگ امفال کی لڑائی میں نہیں جاسکے تھے۔ پھر بھی نیتاجی نے ہندستان کو قانونی فتح دلانے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ کیونکہ تب برٹش کو لگا کہ اب وہ ہندستان پر اپنی حکومت برقرار نہیں رکھ سکتے۔ دیکھیے نیتاجی کا جو خیال تھا وہ یہ نہیں تھا کہ پچاس ہزار سپاہی ملک کو آزاد کرا دینگے۔

ان کا اعتماد تھا کہ وہ ایک قومی شعور و جذبہ پیدا کرینگے، اسے جگائیں گے، پھر ہماری تحریک منزل پر ضرور پہنچ گا، ہم بیٹا پہنچے گا اس کا بیٹا پہونچے گا۔ دیکھیے جب ہماری شکست ہوئی تو سپاہیوں نے کہا کہ ہم تو اب خود سپرد

نہیں کرینگے۔ کچھ لوگ خودکشی کرنے لگے، تو جیسے ہی یہ خبر نیتاجی کو ملی اس وقت وہ فرنٹ لائن پر تھے، نیتاجی نے ایک میٹنگ بلوائی اور کہا کہ سننے میں آیا ہے کہ سپاہی خودکشی کر رہے ہیں۔ اسے روکنا ہوگا۔ میں خود سپردگی نہیں کروں گا، ہماری فوج کبھی خود سپردگی نہیں کرے گی۔ وہ انگریز کے ذریعہ ناکام کرکے ہی قبضہ میں لی جا سکتی ہے وہ قبضہ میں لے لیں۔ انگریز تمہیں پھانسی پر چڑھا دیں۔ جب وہ تم کو پھانسی دینگے تو تمہارے جو آدمی ہیں، وہاں ہندستان میں وہ انگریز کے خلاف ہو جائینگے۔ پھانسی پر جانا بھی ملک کی ہی خدمت ہوگی۔ اس لئے ہم خود سپردگی نہیں کرینگے۔ دیکھئے، وہ سچ مچ نیتا تھے۔ وہ عظیم تھے۔ ہم جانتے تھے کہ وہ جو بھی سوچتے ہیں ٹھیک ہی سوچتے ہیں۔ وہ جو بھی کرینگے، دیش کے فائدہ کے لیے ہی کریں گے۔

کیپٹن محبوب تب چپ ہو گئے۔ سامنے دیوار پر لگی پینٹنگ میں ان کی نگاہیں بھٹکنے لگیں۔ لگا جیسے پرانے دلوں کی یادیں انھیں بے چین کرنے لگی ہیں۔ کیا آپ ایسا سمجھتے ہیں کہ آزاد ہند فوج" آزاد ہند سرکار اور نیتاجی کا وہ کام بے کار گیا۔" میں نے پوچھا۔

تب ان کے چہرے پر متحملانہ سنجیدگی کے آثار ظاہر ہونے لگے۔

بے کار! ہم تو یہ کہتے ہیں کہ انگریزوں نے محسوس کرلیا کہ اب وہ یہاں نہیں ٹھہر سکتے۔

آپ احسان مند ہو رہے ہیں:۔

ایک ٹرائل ہوا تھا۔ شاہنواز، سہگل، ڈھلون تھے۔ انگریزوں کا خیال تھا کہ وہ ہندستانیوں کو بتائیں گے کہ دیکھو، سبھاش کی وجہ سے کتنے سپاہی مارے گئے۔ لیکن نتیجہ ایک دم الٹا ہوا۔ اس بات پر سارا دیش ایک ہو گیا۔ ہم ایک ہو گئے، انگریزوں کے منصوبوں پر پانی پھر گیا۔

نیتاجی کا سب سے بڑا یوگدان یہ رہا کہ انھوں نے ہمیں ہندستانی ہونا سکھایا حبِّ وطن کی بات سکھائی۔ انھوں نے کہا کہ "جو دیش کے لیے قربانی دے رہے ہیں، آپ جو دیش کو دے رہے ہیں، آپ دیش پر احسان نہیں کر رہے ہیں، آپ احسان مند ہو رہے ہیں۔ آپ اس وقت میں پیدا ہوئے ہیں کہ آپ دیش کے لیے اپنی قربانی دے کر سرخرو ہو سکتے ہیں یہ قربانی بے کار نہیں جائے گی۔ شہید کبھی مرتے نہیں۔ وہ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں ہمیشہ ہر طرح علم، سائنس، ٹکنالوجی میں آگے رہنا ہے۔ آپ جانتے ہیں، اس وقت نیتاجی نے گیارہ بارہ لڑکوں کو جاپان بھیجا تھا ایر فورس کی ٹریننگ کے لیے۔ انھوں نے ایک پلاننگ کمیشن بنایا تھا کہ جب ہندستان آزاد ہوگا تب اس کے لئے تعلیم، سائنس اور ٹکنالوجی کے ارتقا کے لئے کام ہو۔

ایک بار جب ہم جیل میں تھے۔ لال قلعہ میں گاندھی جی ملنے آئے تھے۔ شام کا وقت تھا۔ ہم لوگ صبح وہاں جھنڈا پھہراتے تھے اور شام کو جھنڈا اتارا جاتا تھا۔ اس دن شام کا وقت تھا۔ گاندھی جی جانے والے تھے تو ہم نے کہا کہ تھوڑا ٹھہر جائیے۔ پھر قومی گیت گایا۔ "شبھ سکھ چین کی ورشا برسے، بھارت بھاگیہ ہے جاگا۔" ہماری آواز میں جوش تھا۔ گیت سے پورا علاقہ گونج اُٹھا۔ گاندھی جی کہنے لگے کہ اب ہندستان کو آزاد ہونے سے کوئی نہیں روک سکتا۔ دوسرے لوگوں نے بھی جب پوچھا تو انھوں نے کہا کہ "سبھاش نے تو کمال کر دیا ہے۔ اتنا جوش ہے لوگوں میں، اور اس کی فوج میں کوئی ایک ریاست کا نہیں ہے، سب الگ الگ جگہوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ کوئی آسام سے' کوئی بنگال سے، کوئی بہار سے، کوئی اڑیسہ، پنجاب، مدراس سے۔ علاقائی فرقہ واریت کو ایک دم ختم کر دیا ہے!

ہمارے سارے کاغذات اٹھا کر، انھیں کاٹ چھانٹ کر ایک فائل بنا کر افسروں کو دی جاتی تھی۔ ہمیں ایک بار ان کے افسر کے پاس لے جایا گیا۔ اس برٹش افسر نے کہا کہ تم تو ابھی بہت کم عمر کے ہو اور ان سب لفڑوں میں پڑ گئے۔ افسر نے آگے کہا کہ مسٹر بوس، اتنے سارے لوگوں کی موت کے ذمہ دار ہیں۔ دھیان دیجیے، اس نے کہا مسٹر بوس، جب کہ عام ہندستانی انھیں بوس کہتے تھے' اس نے مجھے متاثر کیا۔ تب میں نے کہا اسلیے کہ آپ یہاں جائیں، اور حکومت کریں!! جو بھی میں نے کہا اپنے دل سے کہا جوش میں کہا' تب وہ افسر مڑا اور اس نے ایک جملہ کہا مجھے وہ ابتک یاد ہے۔ وہ بولا کہ میں سوچتا ہوں اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو یہی کرتا جو تم نے کیا ہے۔ پھر اس نے کہا میں ایک اچھا انگریز ہو سکتا ہوں، لیکن ساتھ ہی میں نیتا جی سبھاش چندر بوس کا بہت بڑا مداح بھی ہوں۔

"ہم لال قلعہ میں بند تھے۔ ہم کو خبر ملی کہ ایک ایکسی ڈینٹ ہوا ہے جس میں نیتا جی کا انتقال ہو گیا — پہلے تو ہم نے اس بات پر یقین نہیں کیا، صرف اس لئے کہ اس عظیم انسان کے تئیں ہمارا جذبہ، ہمارا پیار ہمیں یقین نہیں دلا پا رہا تھا۔ ایک دو مہینے کے بعد کرنل حبیب الرحمٰن جو حادثہ میں نیتا جی کے ساتھ تھے اسی کیمپ میں لائے گئے۔ وہ فوراً ہمارے پاس نہیں آئے۔ ان کی جانچ وغیرہ ہو رہی تھی، اس کے بعد جب وہ آئے تو ہم نے اس موضوع کے بارے میں جاننا چاہا۔ انھوں نے بتایا کہ جیسے ہی جہاز اڑا، منٹوں کے اندر ہی وہ آگ کے شعلوں میں گھر گیا۔ دھماکا ہوا تھا۔ جہاز نیچے گر گیا (کرنل حبیب کا چہرہ ہاتھ وغیرہ جھلسا ہوا تھا۔ وہاں سفید داغ تھا) نیتا جی کو لوگوں نے اٹھانے کی کوشش کی۔ انھیں اسپتال لے جایا گیا۔ میں نے پوچھا کہ آپ نے انھیں مردہ نہیں دیکھا؟ انھوں نے یہ نہیں کہا کہ میں نے انھیں مردہ دیکھا، انھوں نے کہا کہ لیکن وہ مر گئے۔

"ہم لوگ جیل سے باہر نکلے تو ہم سے لوگوں نے پوچھا کہ کیا نیتا جی مر گئے"؟ تو ہم نے کہا کہ کسی نے انھیں

مردہ نہیں دیکھا ہے۔ یہاں تک کہ کرنل حبیب الرحمٰن نے بھی نہیں دیکھا ہے۔ لیکن وہ زندہ نہیں ہیں۔ کرنل حبیب اس وقت تک جیل ہی میں تھے۔ انھیں یہ خبر ملی تو انھوں نے خبر بھجوائی کہ خدا کے واسطے آپ لوگ چپ رہیں۔ ہم نے سوچا کہ شاید حکم ملا ہوگا۔ ہم لوگ چپ ہو گئے۔

" مئی ۱۹۴۶ء کو کرنل حبیب جیل سے رہا ہوئے۔ جب ہم اس سلسلہ میں بات کرتے تھے تو حبیب بتاتے تھے کہ جیسے ہی اُڑا، دھماکا ہوا اور پھر وہ رونے لگے۔ اب آپ تصور کر سکتے ہیں کہ ایک فوجی اس طرح سے رو رہا تھا۔ وہ بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتے۔ جب بھی یہ موضوع آتا تو وہ رونے لگتے۔ انھوں نے بعد میں بتایا کہ جہاز بہت بری حالت میں تھا۔ اس کی دیکھ بھال بھی نہیں کی گئی تھی۔ وہ جیسے ہی اڑا منٹوں کے اندر ہی پھٹ گیا۔ اینڈھن وغیرہ ادھر اُدھر بکھر گیا۔ میں زخمی ہوا۔ نیتاجی زخمی ہوئے۔

" شاہ کمیشن بیٹھا تھا۔ وہ سبھی جگہوں پر گئے۔ ڈاکٹروں، نرسوں سے ملے۔ ان سے پوچھ تاچھ کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ نیتاجی زندہ نہیں تھے، لیکن سیاسی لوگوں کا چکّر تھا۔ وہ نیتاجی کو بھنانا چاہتے تھے۔ پھر انھوں نے وہ بات سنائی جب ان کے سامنے ایک جاپانی نے ایک سیاسی لیڈر سے پوچھا تھا کہ بھارت کے لوگ نیتاجی کی استھیاں جاپان سے لے کر کیوں نہیں آتے۔ جواب میں سیاسی لیڈر نے صاف بولا۔ " نہ بابا۔ پھر ہم ان کے زندہ رہنے کا بھرم بنا کر ووٹ کیسے اکٹھا کریں گے۔

ہمارا سارا زخم دور ہو گیا :۔

" آپ نیتاجی کے اتنے قریب رہے۔ کوئی خاص بات یاد ہے جس نے آپ کو بہت متاثر کیا ہو؟ میں نے جاننا چاہا۔

" ایک بار رات کو انھوں نے ہمیں ایک کام دیا۔ ہم دو آدمی تھے۔ وہ ہمارا ہی ہم عمر افسر تھا کیپٹن پتری شرن رتوری۔ انھوں نے ہمیں کہا کہ ابھی ایسا ایسا کرنا ہے، کر کے واپس آؤ۔ اس وقت رات کے دو بج رہے تھے۔ ہم لوگوں کو انھوں نے الگ الگ سمت میں بھیجا۔ جب ہم لوٹے تو صبح ہو چکی تھی۔ جب ہم لوگ واپس لوٹے تو دیکھتے ہیں کہ نیتاجی بنگلہ کے برآمدہ میں اسی طرح ٹہل رہے تھے۔ وہ ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ وہ سوئے نہیں تھے۔ ہم لوگ جو کچھ بھی نہیں تھے ان کا بھی ان کو اتنا خیال رہتا تھا۔ ایسے آدمی کے لئے ہم اپنی زندگی نہیں دیتے تو پھر کس کے لیے دیتے ؟ اور میں ایسا کرنے والا اکیلا آدمی نہیں تھا، لاکھوں لوگ تھے۔

ایک دفعہ رنگون میں حالت بہت خراب ہو گئی تھی۔ دو بجے رات کو نیتاجی آئے اور پوچھا کہ کیسی حالت

ہے؟ میں نے کہا حالت تو ٹھیک نہیں ہے، لیکن لڑائی جاری رہے گی۔ ہم لوگ لڑینگے جو یہاں ہیں لڑینگے لیکن آپ چلے جائیے۔ تو انھوں نے کہا کہ میں کیوں جاؤں؟ میرے سپاہی یہاں رہیں گے اور میں چلا جاؤں؟

نیتاجی! یہ آپ کا فرض ہے۔ میرے منہ سے اچانک نکل گیا۔ آپ شہید ہونا چاہتے ہیں، آپ سپاہیوں کے ساتھ لڑ کر مرجانا چاہتے ہیں، امر ہو جانا چاہتے ہیں، لیکن پھر کون لڑے گا؟ ہماری قیادت کون کرے گا؟ نیتاجی چپ ہو گئے۔ ناراض نہیں ہوئے۔ کیونکہ یہ خلوص تھا ہمارا۔ پھر انھوں نے کہا ٹھیک ہے میں جاؤنگا۔

مانڈلے میں ہمارا ملٹری اسپتال تھا۔ لڑائی کے دنوں میں کوئی سڑکوں پر نہیں چلتا تھا، کیونکہ ہوائی حملے ہوتے رہتے تھے۔ ایک دن میں اسپتال جارہا تھا تبھی میں نے دیکھا کہ سامنے سے ایک سپاہی دوڑتا ہوا آرہا ہے۔ وہ بے حد خوش نظر آرہا تھا۔ نزدیک آکر اس نے زور سے کہا "جے ہند"۔ میں نے پوچھا کیا حال ہے؟ بہت خوش ہو؟ سپاہی نے خوشی سے مچلتے ہوئے کہا "صاحب آج نیتاجی نے ہمیں گلے لگایا ہے۔ ہمارا سارا زخم دور ہو گیا ہے۔ صاحب! اب یہ ایک گولی کیا، مجھے سو گولیاں لگیں تب بھی کیا؟

"آخر میں، میں یہی کہوں گا کہ اگر دیش نے بٹوارہ ٹھکرایا ہوتا اور ہم لوگ لڑتے اور اپنا خون دیش کے لئے بہاتے تو برٹشوں کے لیے دوسرا راستہ نہیں تھا۔ مسٹر جناح پورے ہندستان پر حکومت نہیں کر سکتے تھے۔ انگریزوں کو ہماری بات ماننی پڑتی۔ ہمیں آزادی دیر سے ملتی۔ لیکن ہم تقسیم ملک سے بچ جاتے۔ اگر نیتاجی اس دیش میں ہوتے تو وہ یہ سمجھوتہ کبھی قبول نہیں کرتے۔ وہ آزادی اپنی سی شرطوں پر چاہتے تھے، برٹش کی شرطوں پر نہیں۔ اور ان کے پاس وہ طاقت تھی اور مقابلہ کرنے کی صلاحیت تھی۔ جس سے وہ اپنی بات منوا سکتے تھے۔" "جے ہند"

●●

جناب تقی رحیم
پٹنہ

مولانا آزاد کے تیس صفحات

مولانا آزاد کی کتاب انڈیا ونس فریڈم کے بقیہ ۳۰ صفحات کا انتظار اسی وقت سے بڑی بے چینی کے ساتھ کیا جا رہا تھا جب ان کی اس کتاب کا پہلا ایڈیشن ۱۹۵۹ء میں شائع ہوا تھا۔ کیونکہ اس کے دیباچہ میں ہمایوں کبیر صاحب نے یہ اعلان کر دیا تھا کہ مولانا کی ہدایت کے بموجب اصل مسودہ سے قریب ۳۰ صفحات حذف کر کے یہ کتاب شائع کی جا رہی ہے۔ جس میں ایسے مسائل اور تاثرات پر بحث کی گئی ہے جو بڑی حد تک ذاتی اور شخصی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے اس کی صراحت بھی کر دی تھی کہ پوری کتاب کے دو نسخے خود مولانا کی ہدایت کے مطابق سربہ مہر لفافوں میں بند کر کے نیشنل لائبریری کلکتہ اور نیشنل آرکائیوز دہلی میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔ جنہیں ۳۰ سال بعد کھولا جائے گا اور پوری کتاب اس وقت شائع کی جائے گی۔ چنانچہ لوگوں کو اسی وقت سے یہ معلوم کرنے کی بے تابی تھی کہ مولانا نے ان ۳۰ صفحات میں کون سے ایسے اہم رازوں کا انکشاف کیا ہے اور اپنے رفقاء پر کون سے ایسے ناخوشگوار ریمارک کئے ہیں جن کی پردہ داری انہوں نے ۳۰ برسوں یعنی خود اپنی اور ان کی زندگی بھر تک ضروری سمجھی۔ اور خاص کر ایسی حالت میں جبکہ ان ۳۰ صفحات کو حذف کر کے اس کتاب کا جو پہلا ایڈیشن شائع ہوا تھا اور جسے مولانا کی زندگی ہی میں ان کی سترویں سالگرہ کے موقع پر شائع کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا، اسی کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو گئی تھی کہ مولانا نے اس کتاب میں اپنی عام روش سے ہٹ کر اشخاص و واقعات کے بارے میں کھل کر اور صفائی سے باتیں کی ہیں۔ حالانکہ عام طور پر ان کے قول کے مطابق ان کی باتیں کنایوں کا پہلو لیئے ہوئے ہوتی تھیں۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے تو یہ عرض کر دوں کہ ہمارا اور ہمارے ہی طرح دوسرے بہت سے لوگوں کا خیال یہ تھا کہ مولانا کے حذف کردہ یہ ۳۰ صفحات الگ سے ایک یا کئی بابوں میں مختلف موضوعات پر مشتمل ہیں لیکن پچھلے سال پوری کتاب کی اشاعت کے بعد جب وہ ہمارے سامنے آئے تو معلوم ہوا کہ یہ صفحات الگ سے

قلم بند کرائی ہوئی عبارت پر مشتمل نہیں ہیں بلکہ پوری کتاب میں پھیلی ہوئی مربوط عبارت میں سے جگہ جگہ پر سے کچھ فقروں، کچھ جملوں اور کہیں کہیں پر سے پورے پیراگراف کو حذف کر دیا گیا تھا جنہیں ۳۰ برس بعد شائع ہونے والے اس حالیہ ایڈیشن میں اپنی اپنی جگہوں پر علامتی نشان لگا کر شائع کر دیا گیا ہے اس کے ساتھ ہی مولانا کی تیس سال پردہ پوشی کی ہدایت کو دیکھتے ہوئے ہماری جو یہ سمجھ بنی ہوئی تھی کہ ان صفحات میں مولانا نے کچھ بڑے اندرونی رازوں کا انکشاف کیا ہوگا، وہ سراسر غلط فہمی پر مبنی ثابت ہوئی۔ کیونکہ ان میں کوئی بات بھی ایسی نہیں ہے جو پہلے ہی پریس اور پلیٹ فارم پر بحث کا موضوع نہ بن چکی ہو۔ یا مولانا نے خود اپنی اس کتاب میں اس کی طرف اشارے نہ کر دیئے ہوں جو ان کی حسب ہدایت انہیں حذف کر کے ۳۰ برس پہلے ہی شائع ہوئی تھی۔

ویسے تو مولانا شخصی اور فروعی بحثوں سے کنارہ کش رہنے والے بڑے ہی اصول اور ضابطے کے آدمی تھے ملک کی آزادی ان کی زندگی کا مقصد تھا اور اس کے حصول کے لئے وہ کانگریس کے اجتماعی فیصلوں کی پابندی اور گاندھی جی کی قیادت کو ضروری سمجھتے تھے۔ وہ کمیٹیوں کی بیٹھکوں میں بھی زیادہ بحث و مباحثہ میں نہیں پڑتے تھے بلکہ اشد ضرورت پڑنے پر ہی اپنی رائے کا اظہار کرتے تھے۔ پھر بھی قوم کے ایک مسلمہ لیڈر ہونے کی حیثیت سے جو رائے بھی ملکی مسائل پر وہ دیتے تھے ان میں واقعات کے ساتھ شخصیتوں کے ذکر کا آجانا بھی بالکل فطری تھا۔ اس طرح سے واقعات و مسائل کے ساتھ شخصیتوں کے متعلق ان کی رائے کا پتہ بھی چل جاتا تھا۔ چنانچہ نہرو رپورٹ پر بحث کے دوران قومی رہنماؤں کی جنگ زرگری سے بیزار ہو کر اپنے ایک بیان میں کہا تھا:

مسلمان احمق تھے جو ہندوؤں کے سامنے اپنے مطالبات پیش کرنے گئے تھے

اور ہندو احمق تر تھے جنہوں نے ان کے مطالبات تسلیم نہیں کر لئے!

ظاہر ہے کہ ہندوؤں سے یہاں پر ان کی مراد کانگریسی ہندوؤں سے تھی۔ کیونکہ نہرو کمیٹی کے چیرمین پنڈت موتی لال نہرو تھے اور انہوں ہی نے نہرو رپورٹ مرتب کی تھی اور گاندھی جی اس کے اتنے بڑے حامی تھے کہ ایک کو ما یا سیمی کولن کی تبدیلی کے بھی روادار نہیں تھے۔ اسی طرح سے اور بھی چند موقعوں پر انہوں نے قومی رہنماؤں کی کمزوریوں اور غلطیوں پر اپنے مخصوص انداز میں حرف گیری کی تھی۔ لیکن انڈیا ونس فریڈم چونکہ انہوں نے قلم بند ہی کرائی تھی واقعات و مسائل پر اپنے ذاتی تاثرات ریکارڈ کرانے کے لئے اس لئے اس میں واقعات اور مسائل کے ساتھ شخصیات کے متعلق بھی ان کے خیالات کا اظہار زیادہ واضح اور براہ راست طور پر ہوا ہے۔

بہر کیف چونکہ مذکورہ ۳۰ صفحات الگ سے قلم بند کرائی ہوئی عبارت پر نہیں بلکہ اصل کتاب کے مربوط متن میں سے حذف کئے گئے فقروں، جملوں اور پیراگراف پر مشتمل ہیں۔ اس لئے ان پر الگ سے کوئی رائے دینے کے بجائے ہم مجموعی طور پر پوری کتاب کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی رائے پیش کر رہے ہیں

مولانا کا اپنا ایک مخصوص زاویۂ نظر تھا اور وہ اس پر اتنی مضبوطی اور مستقل مزاجی سے قائم تھے کہ دوسروں کی رائے کو کوئی وقعت دینے کو تیار نہیں ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ خود اپنے کانگریسی رفقا کی سیاسی فہم و بصیرت کے متعلق بھی وہ اتنی حقیر رائے رکھتے تھے کہ سن کر حیرت ہو جاتی ہے اور ان کی رائے پر اعتماد کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ مثلاً جنگ کے متعلق کانگریس کی پالیسی پر روشنی ڈالتے ہوئے انہوں نے اپنی اس کتاب میں لکھا ہے کہ "سردار پٹیل"، راجندر پرشاد اور راجا جی کو لڑائی کو ٹھیک معلوم بھی نہ تھا کہ لڑائی کیا ہے اور کس لئے ہے؟ وہ شاذونادر ہی معاملوں کو اپنے طور پر سمجھنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان لوگوں کے ساتھ بحث کرنا فضول تھا۔"

گرچہ حب الوطنی اور قوم پرستی کے اپنے اونچے تصورات کے پیش نظر مولانا اپنے سیاسی رفیقوں کے فہم و تدبر اور خاص کر فرقہ وارانہ معاملات میں ان کے رخ اور رویہ سے مطمئن نہیں تھے۔ لیکن ان کی مجبوری یہ تھی کہ ان کے سامنے صرف کانگریس ہی وہ جماعت تھی جو متحدہ قومیت کی بنیاد پر پورے ملک کی آزادی کے لئے جدوجہد کر رہی تھی اور جسے گاندھی جی کی رہنمائی بھی حاصل تھی جن کی پکار پر لاکھوں کی تعداد میں عوام اٹھ کھڑے ہوتے تھے۔ اس لئے وہ اسے چھوڑ نہیں سکتے تھے۔ ایسی بات نہیں کہ فرقہ وارانہ معاملات میں انہیں کانگریسی رہنماؤں کی تنگ نظری اور تعصب سے کوئی شکایت نہ ہو۔ لیکن اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود چونکہ وہ آزادی کے جدوجہد میں سرگرم تھے، اس لئے مولانا کے دل کے اندر حریت پسندی کا جو جذبہ بھڑک رہا تھا، وہ انہیں ان ہی کے ساتھ کام کرنے پر مجبور کئے رہا۔

۳۷ء میں صوبائی خود مختاری کی صورت میں آزادی کی پہلی قسط ملنے پر اپنی اکثریت کے زعم میں کانگریس کے رہنماؤں نے اقلیتی فرقوں کو جس طرح نظر انداز کیا اور ان کے رہنماؤں کی جیسی حق تلفی کی، اس سے مولانا کو بہت صدمہ پہونچا تھا۔ چنانچہ اس سلسلے میں انہوں نے لکھا ہے کہ

> " نریمان کو فرقہ وارانہ تعصب کی وجہ سے نظر انداز کیا گیا ہے۔ ایسا الزام صحیح نہ ہو تب بھی اسے غلط ثابت کرنا مشکل ہوتا ہے۔ بمبئی کی صوبائی کانگریس کمیٹی کا

مسٹر نریمان کو مقامی قیادت سے محروم کر دینا غلط تھا۔ اور ورکنگ کمیٹی میں یہ ہمت نہیں تھی کہ وہ اس کا تدارک کرے۔"

مسٹر نریمان کے معاملے کے متعلق ان کی یہ تحریر تو پہلے ہی اڈیشن میں آگئی تھی مگر ہمارے بہار کے ڈاکٹر محمود کے متعلق اپنی تحریر کو مولانا نے اس وقت شائع کرنے سے منع کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ ۳۰ صفحات کے ساتھ شائع ہونے والے حالیہ اڈیشن میں آئی ہے۔ مولانا آزاد کانگریس کے ہندو قائدین سے کیسی فراخ دلی اور رواداری کے خواہاں تھے اور ان میں کون ان کا آئیڈیل تھا۔ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ۱۹۳۷ء میں مسٹر نریمان کے ساتھ کی گئی بے انصافی کا ذکر کرتے ہوئے یکایک انہیں سی۔ آر۔ داس اور مسلمانوں کے ساتھ ان کی رواداری کی یاد آگئی جن کا انتقال ۱۹۲۶ء ہی میں ہو گیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے لکھا ہے کہ:۔

جب میں سوچتا ہوں کہ نریمان کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا تو میرا ذہن سی۔ آر۔ داس کی طرف جاتا ہے ... ان کی نظر بہت بلند تھی، ان کے تخیل میں بڑی وسعت تھی، اس کے ساتھ ہی وہ معاملہ فہم بھی تھے۔ وہ جو کچھ چاہتے تھے اسے ظاہر کرنے کی ہمت بھی رکھتے تھے ۔۔۔ بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت تھی مگر بعض اسباب کی وجہ سے وہ تعلیمی اور سیاسی اعتبار سے پس ماندہ تھے۔ اگرچہ آبادی میں ان کی تعداد پچاس فیصدی سے زیادہ تھی لیکن سرکاری نوکریوں میں ان کو تیس فیصدی بھی عہدے نہیں ملتے تھے ..... اس لئے انہوں نے اعلان کیا کہ جب بنگال میں حکومت کی باگ ڈور کانگریس کے ہاتھوں میں آجائے گی تو تمام نئے تقررات میں ساٹھ فیصد عہدے مسلمانوں کے لئے مخصوص کر دیئے جائیں گے۔ جب تک آبادی کے تناسب سے انہیں صحیح نمائندگی حاصل نہ ہو جائے۔ کلکتہ کارپوریشن کے معاملے میں وہ اس سے بھی آگے بڑھ گئے تھے۔ اور کہا کہ انہیں شرائط کے ساتھ اسی فیصدی تقررات مسلمانوں کے لئے مخصوص کر دیں گے۔ ان پر موقع پرست مصلحت پرست اور مسلمانوں کا طرف دار ہونے کا الزام لگایا گیا لیکن وہ ایک چٹان کی طرح اپنی جگہ پر قائم رہے ..... مجھے یقین ہے کہ اگر ان کا قبل از وقت انتقال نہ ہو جاتا تو وہ ملک میں ایک نئی فضا پیدا کر دیتے۔

مولانا آزاد کی اس تحریر سے بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ہندو کانگریسی رفیقوں سے کس طرح

کی سیاسی بلند نظری اور فرقہ وارانہ رواداری کے خواہاں تھے۔ اور یہ کہنے کی حاجت نہیں کہ سی۔ آر۔ داس کے بعد کوئی بھی دوسرا ہندو رہنما اس طرح کی سیاسی اعلیٰ ظرفی اور فرقہ وارانہ کشادہ دلی دکھانے کی ہمت نہیں کر سکا۔ اسی لئے مولانا اپنے ساتھیوں میں سے کسی سے بھی پوری طرح مطمئن نہیں تھے۔ پھر بھی وہ انہیں کے ساتھ کام کرنے پر مجبور تھے۔ کیونکہ آزادی کی لڑائی کی علم برداری وہی کر رہے تھے۔ یہاں پر ہم مولانا کے ایک بڑے مخلص عقیدت مند ڈاکٹر سید محمد عثمان مالک بانکی پور فارمیسی پٹنہ کا بیان کردہ ایک قصہ سنا دینا چاہتے ہیں۔ جس سے مولانا آزاد کی سمجھ اور ان کے سیاسی طریقۂ عمل پر پوری طرح روشنی پڑتی ہے۔

ڈاکٹر صاحب ہمارے گاؤں بہرانوں ہی کے رہنے والے تھے اور پٹنہ میں پریکٹس کرتے تھے۔ وہ مولانا کے بھاری عقیدت مندوں میں سے تھے۔ ان کے ساتھ ان کا ملنا جلنا بھی رہتا تھا اور مراسلت بھی۔ انہوں نے ہم سے یہ واقعہ بیان کیا کہ ۱۹۳۶ء یا ۱۹۳۷ء میں مولانا پٹنہ تشریف لائے تھے اور گرینڈ ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ پروفیسر باری مسلمان کانگریسی کارکنوں اور مولانا کے مخلصین کی ایک ٹولی کو وفد کی صورت میں لے کر وہاں پہونچے اور کانگریس کے صوبائی رہنماؤں کی غلط کاریوں کی ایک لمبی داستان ان کے سامنے بیان کی۔ مولانا پورے سکون سے انکی باتیں سنتے رہے اور جب ان کی بات ختم ہو گئی تو فرمایا کہ پہلے ایک تاریخی لطیفہ سُن لیں۔ ایک زمانے میں ایران کے کسی سرحدی علاقہ کے شیعہ حاکم نے سنیوں پر بڑے مظالم کئے۔ جس کی فریاد انہوں نے پڑوس کے سنی بادشاہ کے دربار میں جاکر کی۔ ان کی فریاد سُن کر بادشاہ بہت غضبناک ہوا اور حملہ کر کے شیعہ حکمراں کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ اور شیعہ سرداروں اور علماء کو دربار میں بلوا کر سبھوں کو قتل کر دینے کا حکم دیا۔ مگر ان سبھی سرداروں اور علماء نے شیعہ ہونے سے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ ہم لوگ خاندان در خاندان سے سنی چلے آ رہے ہیں۔ اس پر بادشاہ نے کہا کہ اگر تم سنی ہو تو اپنے میں سے ابوبکر اور عمر کے نام کا کوئی آدمی ہمارے سامنے پیش کرو۔ اس کے لئے انہوں نے بہت گڑگڑا کر دو دنوں کی مہلت طلب کی جسے قبول کیا گیا۔ اور آخر میں دو دن کے بعد ان لوگوں نے دو انتہائی بد ہیئت اور مکروہ صورت آدمیوں کو لاکر بادشاہ کے سامنے حاضر کیا۔ ان میں سے ایک کا نام ابوبکر اور دوسرے کا عمر بتایا۔ اس پر بادشاہ نے غضبناک ہو کر کہا کہ تم دو دنوں کے بعد پورے علاقہ سے ڈھونڈھ کر ابوبکر اور عمر کے نام کا آدمی لائے بھی ہو تو اس شکل کا لائے ہو؟ شیعہ علما نے برجستہ جواب دیا کہ حضور یہ حجاز یا ترکستان کا علاقہ نہیں ہے۔ یہاں کی مٹی سے تو ایسے ہی ابوبکر اور عمر نکل سکتے ہیں۔ اس لطیفہ کو سُنا کر مولانا نے نہایت سنجیدگی کے ساتھ فرمایا۔ میرے بھائی یہ ہندوستان کی سرزمین ہے یہاں تو ایسے ہی

آزادی خواہ ملتے ہیں اور میں مجبور ہوں کہ انہیں کے ساتھ کام کروں اور اگر آزادی کی جنگ کو کامیاب بنانا چاہتے ہیں تو آپ کو بھی انہیں کے ساتھ مل کر کام کرنا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو اس قصہ سے مولانا کی وہ ذہنیت صاف صاف سمجھ میں آجاتی ہے جس کے تحت وہ کانگریس اور اس کے تنگ دل اور تنگ نظر رہنماؤں کے ساتھ آخر تک انتہائی خندہ پیشانی کے ساتھ کام کرتے رہے۔ یہاں پر مسلم لیگ کے متعلق مولانا کے خیالات کو بھی صحیح تناظر میں سمجھ لینے کی ضرورت ہے۔ ویسے تو انڈیا ونس فریڈم میں انہوں نے لیگ کی بالکل ہی ایک طرفہ اور بڑی ہی بھونڈی تصویر پیش کی ہے۔ لیکن اس کا اقرار کیا ہے کہ وہ لیگ کے تاسیسی اجلاس میں شریک تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ لیگ کے قیام کے وقت سے لے کر ۱۹۲۸ء تک مولانا بھی اس میں اسی طرح شریک رہے جس طرح دوسرے کانگریسی مسلمان رہنما مولانا محمد علی، ڈاکٹر انصاری، حکیم اجمل خاں، مولانا مظہر الحق اور شاہ زبیر وغیرہ شریک تھے۔ ۱۹۲۸ء میں نہرو رپورٹ کے سوال کو لے کر لیگ میں اختلاف ہوا اور کانگریسی مسلمانوں نے مولانا آزاد اور ڈاکٹر انصاری کے مشورہ پر مسلم نیشنلسٹ پارٹی کے نام سے ایک الگ جماعت سر علی امام اور راجہ محمود آباد کی مدد سے کھڑی کی لیکن وہ تنظیم چل نہیں سکی۔ ۱۹۳۶ء کے عام انتخابات کے موقع پر لیگ اور کانگریس میں نزدیکی آگئی تھی۔ اس سے مولانا کو بھی لیگ سے کچھ ویسا اختلاف نہیں رہا تھا بلکہ وہ مسلمانوں میں ترقی پسند سیاسی رجحان پیدا کرنے کے لئے لیگ کی افادیت کو محسوس کرنے لگے تھے۔ یہاں تک کہ وزارت سازی کے سوال پر لیگ اور کانگریس کے درمیان سیاسی جھگڑے کے شروع ہو جانے کے بعد بھی وہ لیگ کی ضرورت کے قائل تھے۔ چنانچہ ۱۹۳۸ء میں مدینہ کے ایڈیٹر ابو سعید بزمی نے جو کتاب مولانا آزاد پر لکھی ہے، اس میں مولانا کے ساتھ اپنے ایک انٹرویو کی تفصیل دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مولانا نے فرمایا کہ لیگ کی ضرورت سے کون سمجھدار آدمی انکار کر سکتا ہے۔ مسلمان اپنے مخصوص سوالات پر غور و فکر کرنے اور انہیں ملک و قوم اور حکومت کے سامنے پیش کرنے کے لئے اگر اپنی کوئی علٰحدہ تنظیم رکھتے ہیں تو اس میں کسی کو کیا عذر ہو سکتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مجھے لیگ کی موجودہ پالیسی سے اتفاق نہیں۔ لیکن بعد میں جب مسلم لیگ نے دو قومی نظریہ اپنا لیا تو مولانا اس کے سخت مخالف ہو گئے کیونکہ مولانا مخلوط تہذیب، متحدہ قومیت اور ہندوستان کی وحدت پر جواہر لال اور گاندھی جی سے بھی زیادہ مضبوط عقیدہ رکھتے تھے۔

ہمارا خیال ہے کہ اگر مذکورہ حقائق کی روشنی میں انڈیا ونس فریڈم میں ظاہر کئے گئے مولانا کے خیالات کو

دیکھا جائے تو انہیں سمجھنے میں بڑی آسانی ہوگی اور ظاہری طور پر جو تضاد ان میں نظر آتا ہے وہ بڑی حد تک دور ہو جائے گا۔ ویسے تو اس سلسلے میں پنڈت جواہر لال نہرو نے لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے اعزاز میں دی گئی الوداعی دعوت کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے انتہائی جامع اور معنی خیز بات اپنے مخصوص انداز میں یہ کہی تھی کہ :-

"پچھلے سال یا اس کے کچھ پہلے جو کچھ ہم نے کیا اسکے بارے میں فیصلہ کرنا ہمارے یا آپ میں سے کسی کے لئے بھی بہت مشکل ہے۔ کیونکہ ہم لوگ واقعات سے بہت نزدیک رہے ہیں اور ان سے گہرائی کے ساتھ وابستہ رہے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ ہم لوگوں نے ہم نے اور آپ نے غلطیاں کی ہوں۔ اس لئے شاید ایک یا دو نسل کے بعد کے مورخ اس کا فیصلہ کرنے کے قابل ہو سکیں گے کہ ہم لوگوں نے کیا درست کیا اور کیا غلط کیا ؟"

حقیقت یہ ہے کہ اس وقت کے طوفان خیز حالات میں کانگریس اور لیگ دونوں پارٹیوں کے رہنما جس طرح کی جذباتی اور نفسیاتی الجھنوں میں مبتلا ہو گئے تھے، اس کی وجہ سے واقعات اور معاملات کو ان کے اصلی روپ میں دیکھنا ان کے بس کی بات نہیں رہی تھی۔ انہوں نے انہیں صرف دیکھنے اور سمجھنے میں ہی غلطیاں نہیں کیں بلکہ بیان کرنے میں بھی غلطیاں کی ہیں اور خود مولانا آزاد کو بھی اس سے بری قرار نہیں دیا جا سکتا لیکن مخلوط تہذیب۔ متحدہ قومیت۔ اور ہندوستان کی وحدت پر ان کا ایسا غیر متزلزل عقیدہ تھا کہ ان کی نظر نے یہ دیکھنے، ان کے دماغ نے یہ سوچنے اور ان کے قلم نے یہ لکھنے میں کوتاہی نہیں کی ملک کی تقسیم کی جوابدہی خود ان کے کانگریسی رفیقوں پر ہے مسلم لیگ اور مسٹر جناح پر نہیں! اور مولانا نے اس سچائی کا اظہار جھوٹ کے بول بالا کے اس دور میں کیا جب ان کے کانگریسی رفقا حکومت کے اقتدار پر قابض ہو کر اپنی پارٹی اور سرکاری مشنری کے پروپگنڈا کے زور پر دنیا کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو چکے تھے کہ ملک کی تقسیم محض مسٹر جناح کی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اور اس سلسلہ میں توجہ دینے کے لائق ایک بات یہ بھی ہے کہ اس سچائی کی اشاعت انہوں نے انڈیا ونس فریڈم کے پہلے ایڈیشن یعنی پنڈت نہرو کی زندگی ہی میں مناسب سمجھی، اور اسے تیس برسوں تک رُکے رکھنے میں کوئی مصلحت نہیں دیکھی۔

غرضکہ ملک کی تقسیم کے بارے میں بہت بڑے پیمانے پر جو یہ غلط فہمی پھیلا دی گئی تھی کہ اس میں سراسر

تصور مسٹر جناح اور لیگ بہ الفاظ دیگر مسلمانوں کا ہے اس کا پردہ چاک کرنے کی شروعات مولانا آزاد کی اسی کتاب سے ہوئی۔ گرچہ اس کتاب کی اشاعت کے بعد مولانا کے خلاف بہتان بازی اور افترا پردازی کا بھاری طوفان کھڑا کر دیا گیا تھا۔ پھر بھی ان کی تحریر کے اثر سے سنجیدہ حلقوں میں یہ بات سوچی جانے لگی تھی کہ ملک کی تقسیم کی ساری ذمہ داری یک طرفہ طور پر مسٹر جناح اور مسلم لیگ کے اوپر اس طرح سے نہیں ہے جس طرح سے کانگریس کے نیتا بیان کرتے ہیں لیکن ادھر پچھلے دس پندرہ برسوں کے اندر اس مسئلہ سے متعلق جو دستاویزات اور کتابیں شائع ہوئی ہیں، انہیں دیکھ کر تو سبھی سمجھ دار لوگ یہ ماننے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ ملک کی تقسیم کے کانگریس اور لیگ کے قائدین مساوی طور پر جوابدہ ہیں۔ اور ہمیں پورا بھروسہ ہے کہ آنے والی نسل کے مورخین یقینی اس نتیجہ پر پہونچیں گے کہ ملک کا بٹوارہ کانگریسی لیڈروں کی ملک گیری کی ہوس کے باعث ہوا کیونکہ وہ اقتدار پر اپنی کلی اجارہ داری چاہتے تھے اور اس میں کسی کی حصہ داری انہیں برداشت نہیں تھی۔

گرچہ بہت سے لوگوں کو آج بھی اس پر حیرت ہو گی لیکن یہ حقیقت ہے کہ مولانا آزاد ملک کی تقسیم کا اصل ذمہ دار اپنے عزیز ترین دوست پنڈت جواہر لال نہرو کو سمجھتے تھے ۳۷ء کے صوبائی انتخابات کے بعد جب یوپی کی وزارت میں مسلم لیگ کی شمولیت کی بات چلی تو مولانا کی رائے تھی کہ وزارت میں اس کے دو نمائندوں کو شریک کرنے کے لیگ کے مطالبہ کو مان لیا جائے لیکن مولانا کے بہت سمجھانے پر بھی پنڈت نہرو لیگ کا ایک سے زیادہ نمائندہ لینے پر تیار نہیں ہوئے۔ جس کا نتیجہ مولانا کے الفاظ میں بہت افسوسناک نکلا۔ چنانچہ انھوں نے اس سلسلہ میں اپنے خیال کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

> "لیگ کی طرف سے تعاون کی پیش کش کو ٹھکرا کر جواہر لال نے یوپی میں لیگ کو نئی زندگی بخش دی۔ ہندوستانی سیاست کا جس نے بھی مطالعہ کیا ہے وہ جانتا ہے کہ لیگ کی دوبارہ تنظیم یوپی میں کی گئی۔ مسٹر جناح نے صورتحال سے پورا فائدہ اٹھایا جس کا آخری نتیجہ پاکستان کا قیام تھا۔"

اس کے بعد ۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ نے آخری بار کانگریس کی طرف تعاون کا ہاتھ پھر اس وقت بڑھایا جب برطانوی حکومت ہندوستان کو آزاد کر دینے کا فیصلہ کر چکی تھی۔ مسلم لیگ نے ملک کی تقسیم کے مطالبہ

کو چھوڑ کر کیبنٹ مشن پلان کے مطابق پورے ہندوستان کے لئے ایک متحدہ فیڈریشن قائم کرنے کی اس کی اسکیم کو منظور کر لیا تھا ۔ اور اس پر عمل درآمد کرانے کے لئے کانگریس کے ساتھ مل کر عارضی حکومت بنانے اور اسے چلانے کے لئے تیار ہو گئی تھی ۔ لیکن مولانا آزاد کے خیال کے مطابق اس بار پھر پنڈت جواہر لال نہرو ہی نے سارے معاملے کو بگاڑ دیا ۔ مولانا کا کہنا ہے کہ کیبنٹ مشن پلان بنیادی طور پر ان ہی کی پیش کردہ ان تجویزوں کے مطابق تیار کیا گیا تھا جن کا اعلان انہوں نے اپنے ۱۵ اپریل کے بیان میں اپنے سیاسی رفیقوں کے ساتھ کافی غور و بحث کے بعد ان کی منظوری حاصل کرنے کے بعد کیا تھا ۔ کیبنٹ مشن پلان کے تحت صوبوں کو تقریباً پوری اٹانومی دی گئی تھی اور بیشتر امور ان ہی کے اختیار میں دیئے گئے تھے ۔ مرکز کے ماتحت لازمی طور پر صرف دفاع ۔ رسل و رسائل اور امور خارجہ کے تین محکمے رکھے گئے تھے ۔ اور اقلیتوں کے دلوں میں زیادہ اطمینان اور اعتماد پیدا کرانے کے لئے صوبوں کو اے ۔ بی ۔ اور سی تین گروپ میں تقسیم کر دیا گیا تھا ۔ گروپ بی پنجاب سندھ، سرحد اور برطانوی بلوچستان پر مشتمل تھا ۔ یہ مسلم اکثریت کا علاقہ تھا ۔ گروپ سی بنگال اور آسام پر مشتمل تھا ۔ یہ ایسا حصہ تھا جس میں مسلمانوں کی دوسروں کے مقابلے میں تھوڑی اکثریت تھی ۔ کیبنٹ مشن پلان کا خیال تھا کہ یہ انتظام مسلم اقلیت کو مکمل طور پر مطمئن کر دے گا ۔ اور لیگ کے تمام جائز خدشوں کو دور کر دے گا ۔ چونکہ یہ اسکیم مولانا کی تجویزوں ہی کی بنیاد پر تیار کی گئی تھی اس لئے انہوں نے اسے کانگریس سے منظور کرانے میں پورا زور لگایا ۔ ورکنگ کمیٹی سے منظور کرانے میں تو انہیں کوئی خاص دشواری نہیں ہوئی لیکن آل انڈیا کانگریس کمیٹی میں اس پر بڑی گرما گرم بحث ہوئی ۔ اس وقت تک خود مولانا ہی کے اصرار پر کانگریس کا صدر پنڈت جواہر لال نہرو کو بنایا جا چکا تھا ۔ پھر بھی مولانا کی تقریر کا فیصلہ کن اثر حاضرین پر پڑا اور ان کی تجویز بھاری اکثریت سے منظور ہو گئی، اس طرح سے کیبنٹ مشن پلان پر کانگریس کی طرف سے منظوری کی مہر لگا دی گئی ۔

ادھر مسلم لیگ کونسل کے اجلاس میں مسٹر جناح کو یہ تسلیم کرنا پڑا کہ اقلیتوں کے مسئلہ کا جو حل کیبنٹ مشن پلان نے کیا ہے ہم کسی حال میں بھی اس سے بہتر شرطیں نہیں منوا سکتے ۔ انہوں نے کہا کہ کیبنٹ مشن نے جو اسکیم پیش کی ہے وہ زیادہ سے زیادہ ہے جسے وہ حاصل کر سکتے ہیں ۔ اس بنا پر انہوں نے مسلم لیگ کو مشورہ دیا کہ اسکیم کو منظور کرے اور کونسل نے بالاتفاق رائے اسے منظور کر لیا ۔ اس کے بعد مولانا آزاد

جو لکھا ہے وہ خود ان ہی کے الفاظ میں سن لیں :۔

"کانگریس اور مسلم لیگ کا کیبنٹ مشن پلان کو منظور کر لینا ہندوستان کی تاریخ کا ایک شاندار واقعہ تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوا تھا کہ ہندوستان کی آزادی کا پیچیدہ معاملہ گفتگو اور مفاہمت کے ذریعہ طے پایا نہ کہ تشدد اور جنگ کے ذریعہ۔ اس سے یہ ظاہر ہوا تھا کہ فرقہ وارانہ مشکلات قطعی طور پر ماضی کی داستان بن گئی ہیں۔ سارے ملک میں شادمانی کا احساس تھا اور تمام لوگ آزادی کے مطالبے میں متحد ہو گئے تھے۔۔ ہم خوشیاں منا رہے تھے۔ مگر اس وقت یہ معلوم نہ تھا کہ ہماری شادمانی قبل از وقت ہے اور بعد میں مایوسی کا کڑوا گھونٹ پلانے والی ہے"۔

"اب ان افسوسناک واقعات میں سے ایک پیش آیا جنہوں نے ہماری سیاست اور زندگی کا رخ پلٹ دیا۔ ۱۰ جولائی کو بمبئی میں جواہر لال نے ایک پریس کانفرنس بلائی۔ اس میں انہوں نے ایک ایسا بیان دیا جس سے انتہائی افسوسناک نتائج کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا"۔

اصل میں پنڈت نہرو نے وہ پریس کانفرنس آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے اجلاس کے فوراً ہی بعد صدر کانگریس کی حیثیت سے بلائی تھی اور اس میں پریس کے نمائندوں کے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہہ دیا کہ کانگریس دستور ساز اسمبلی میں شرکت کرتے ہوئے اپنے آپ کو معاہدوں کا پابند نہ سمجھے گی اور جس قسم کے حالات پیدا ہوں گے، اس کے مطابق آزادی سے فیصلہ کرے گی۔ اس پر پریس کے نمائندوں نے یہ سوال کیا کہ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ کیبنٹ مشن پلان میں ترمیم کی جا سکتی ہے؟ تو جواہر لال نے پُر زور طریقہ پر جواب دیا کہ کانگریس نے محض دستور ساز اسمبلی میں شرکت کا وعدہ کیا ہے اور وہ اپنے آپ کو کیبنٹ مشن پلان میں تبدیلی اور کمی بیشی کرنے کا مجاز سمجھتی ہے۔ مولانا نے اس پریس کانفرنس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

"میں صاف صاف لکھ دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ جواہر لال کا یہ بیان غلط تھا۔ یہ کہنا صحیح نہیں تھا کہ کانگریس اپنی مرضی کے مطابق پلان میں جو ترمیم بھی چاہتی

کرسکتی تھی ۔ دراصل ہم نے تسلیم کرلیا تھا کہ مرکزی حکومت وفاقی ہوگی اور مرکز کے ماتحت تین محکمے لازمی طور پر رہیں گے ۔ بقیہ محکمے صوبوں کے حدود اختیار میں رہیں گے ہم نے یہ بھی مان لیا تھا کہ صوبے تین گروپ اے، بی اور سی میں تقسیم کردیئے جائیں گے ۔ ان شرائط میں کانگریس اپنی طرف سے معاہدہ میں شریک ہونے والی دوسری جماعتوں کی رضامندی کے بغیر کوئی تبدیلی کرنے کی مجاز نہیں تھی ۔"

مسٹر جناح کے لئے جواہر لال کا بیان مولانا کے بقول ایک غیر متوقع حادثہ ثابت ہوا ۔ انہوں نے مسلم لیگ کونسل کا جلسہ طلب کرتے ہوئے فوراً یہ بیان دیا کہ کانگریس کے صدر کے اس اعلان کے بعد پوری صورتحال پر دوبارہ غور کرنے کی ضرورت پیدا ہوگئی ہے ۔ مسلم لیگ نے کیبنٹ مشن پلان کو اس لئے تسلیم کیا تھا کہ اس کو یقین دلایا گیا تھا کہ کانگریس نے بھی اس اسکیم کو منظور کرلیا ہے اور ہندوستان کا جو دستور بنے گا، اس کے لئے یہ بنیاد کا کام دے گا ۔ اب چونکہ کانگریس کے صدر نے یہ اعلان کردیا ہے کہ کانگریس دستور ساز اسمبلی میں اپنی اکثریت کے بل پر اسکیم تبدیل کرسکے گی، اس لئے اقلیتیں اس کے رحم وکرم پر رہیں گی ۔" مسلم لیگ کونسل کا اجلاس بھی ۲۷ جولائی کو بمبئی میں ہی منعقد ہوا ۔ مسٹر جناح نے اس کا افتتاح کرتے ہوئے اپنی تقریر میں پاکستان کے مطالبہ کو دہرایا اور کہا کہ اب اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں رہ گیا ہے ۔ کونسل نے ایک تجویز منظور کرکے کیبنٹ مشن پلان کو مسترد کردیا ۔ اس نے پاکستان حاصل کرنے کے لئے ڈائریکٹ ایکشن پلان پر عمل کرنے کا فیصلہ بھی اسی اجلاس میں کیا ۔ مولانا آزاد نے اس صورت حال پر رنج وغم کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے ــــــــ

" حالات نے جو پلٹا کھایا تھا اس کی وجہ سے کانگریس اور مسلم لیگ کے درمیان مفاہمت کے ذریعہ مسائل کے پُرامن طریقے پر حل ہونے کی امید جاتی رہی ۔ یہ ہندوستان کی تاریخ کے عظیم ترین حادثات میں سے ہے اور مجھے انتہائی افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ لازمی اور ناگزیر نتیجہ تھا اس کا کہ مسلم لیگ کو سیاسی اور فرقہ وارانہ سمجھوتے کے مسئلے کو دوبارہ بحث میں لانے کا موقع دیا گیا ۔ جواہر لال میرے عزیز ترین دوست ہیں......... پھر بھی مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ کبھی کبھی وہ اپنے جذبات کی رو میں بہہ جاتے

ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات وہ معاملوں کے خالص نظری پہلو سے اس درجہ متاثر ہو جاتے ہیں کہ واقعی صورتحال کا صحیح اندازہ نہیں کر پاتے۔ دستور ساز اسمبلی کے بارے میں انہوں نے جو بیان دیا وہ بھی یہی مجرد علمی بحث کے شوق کا نتیجہ تھا۔"

انڈیا ونس فریڈم کے ان طویل اقتباسات سے اندازہ ہو جاتا ہے کہ مولانا آزاد ملک کی تقسیم کا اصل جوابدہ کس کو سمجھتے تھے۔ اس سلسلے میں انہوں نے سردار پٹیل کے متعلق بھی ایک جگہ یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ "تقسیم کا مطالبہ مسٹر جناح کے لئے تو سودا بازی کا ذریعہ تھا۔ مگر ایگزیکٹیو کونسل کے تلخ تجربوں کے بعد سردار پٹیل تقسیم کے حقیقی علمبردار بن گئے"۔ مگر اس کے پہلے ہی جہاں پر انہوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اپنے بعد کانگریس کا صدر سردار پٹیل کے بجائے پنڈت نہرو کو بنانے پر اصرار کیا تھا وہیں پر اسے اپنی ہمالیائی غلطی تسلیم کرتے ہوئے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اگر میرے بعد کانگریس کے صدر سردار پٹیل ہوئے ہوتے تو وہ کیبنٹ مشن پلان کو کامیابی کے ساتھ لاگو کرتے اور جواہر لال جیسی غلطی کبھی نہیں کرتے چنانچہ مولانا کی اس رائے کی روشنی میں یہ ماننا مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ سردار پٹیل کو بھی پنڈت نہرو جیسا تقسیم ملک کی تقسیم کے معاملے میں مانتے تھے۔ پھر مولانا کی طرف سے اپنی اس غلطی کے اعتراف کی حقیقت دنیا کو انڈیا ونس فریڈم کے اس حالیہ ایڈیشن کے ذریعہ سے معلوم ہوئی جو ان کی ہدایت کے بموجب حذف کردہ عبارتوں کے ساتھ تیس برسوں بعد پہلی بار شائع ہوا ہے۔ اس لئے ان کی یہ رائے اور بھی اہمیت کی حامل ہو جاتی ہے۔

اس سلسلے میں مسلم لیگ اور مسٹر جناح کے بارے میں ان کا خیال تو برابر یہی رہا کہ تقسیم کا مطالبہ ان کے لئے سودا بازی کا ایک وسیلہ تھا۔ چنانچہ کیبنٹ مشن کے دور کی سیاست پر بحث کرتے ہوئے انہوں نے لاہور تجویز کے بارے میں لکھا ہے کہ لیگ علیحدگی پسندی کی راہ پر کچھ قدم اور آگے بڑھ چکی تھی مگر یہ چیز اس نے پورے طور پر واضح نہ کی تھی کہ دراصل اس کا مطالبہ کیا ہے۔ ریزولیشن کے الفاظ مبہم تھے اور اس کی کئی تاویلیں کی جا سکتی تھیں۔ مگر اس کا منشا صاف تھا۔ مسلم لیگ کا مطالبہ تھا کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کو خودمختاری دی جائے۔ مگر اب لیگ کے لیڈروں نے اپنے مطالبے کے معنی میں وسعت پیدا کر دی تھی۔ وہ ملک کی تقسیم اور مسلم اکثریت کے علاقوں میں ایک آزاد ریاست کے قیام

کی مبہم باتیں کرنے لگے تھے۔" مگر جب لیگ نے کیبنٹ مشن پلان کو جو خود مولانا کی رائے کے مطابق مرتب کیا گیا تھا، جب دلی کے ساتھ قبول کر لیا تو مولانا کے لئے شکایت کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ گئی اور ان کے سامنے اس اسکیم کو سبوتاج کرنے والے اپنے عزیز دوست پنڈت نہرو ہی کو ملک کی تقسیم کا اصل قصوروار قرار دینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہا!

کیبنٹ مشن پلان پر کانگریس کا اصل اعتراض یہ تھا کہ اس میں صوبوں کی لازمی گروپنگ کی شرط ہے۔ چنانچہ سبھی ہندو کانگریسی رہنما لازمی گروپنگ کی مخالفت کر رہے تھے۔ پنڈت نہرو اور سردار پٹیل کا کیا ذکر خود گاندھی جی بھی اس کے مخالف تھے۔ جبکہ مولانا یہ چاہتے تھے کہ لیگ کے جائز خدشات کو دور کرنے کے لئے گروپنگ کی شرط کے ساتھ کیبنٹ مشن پلان کو پورا کا پورا مان لیا جائے۔ اسی لئے کانگریس ہائی کمان کے اندر اس سوال پر وہ اکیلے پڑ گئے۔ چنانچہ مولانا آزاد کو پنڈت نہرو سے زیادہ شکایت اسلئے ہوئی کہ وہ ہندو مسلم معاملات میں ان سے دوسروں کے مقابلے میں زیادہ بلند نظری اور رواداری کی توقع رکھتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ سی آر داس کے بعد سے اس طرح کے معاملات میں وہ ان ہی کی ذات پر بھروسہ کرتے تھے۔ لیکن ان کی توقع کے بالکل ہی خلاف پنڈت نہرو نے نہ صرف یہ کہ ان کی حمایت نہیں کی بلکہ اپنی مخالفت کو ریڈیکل نظریاتی جامہ پہنا کر اور بھی وزن دار بنا دیا۔ مولانا آزاد نے لکھا ہے کہ شروع میں پنڈت نہرو اور گاندھی جی دونوں ہی اس سوال پر ان کے ہم رائے تھے لیکن بعد میں دونوں نے اپنی رائے بدل دی گرچہ ان کے رائے بدلنے کی کوئی وجہ مولانا نے نہیں بتائی ہے۔ خیر اس بحث کو چھوڑیئے۔ مگر یہاں پر خواہ مخواہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس سلسلے میں پنڈت نہرو کی غلطیوں پر مولانا نے بار بار انگلی اٹھائی ہے لیکن گاندھی جی کا نام لینا مناسب نہیں سمجھا۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک کی تقسیم کے نتیجے میں ہندو فرقہ پرستی کا جو طوفان منقسم ہندوستان میں اٹھا، اس کا مقابلہ کرنے میں گاندھی جی نے جس عزم و ثبات قوتِ ایمانی کا ثبوت پیش کیا اور بالآخر اپنی شہادت کے خون سے اسے ٹھنڈا کیا، اسے دیکھتے ہوئے مولانا نے مروتاً اور احتراماً ان کا نام اس سلسلے میں لینا مناسب نہیں سمجھا! اور حقیقت بھی یہی ہے کہ گاندھی جی نے اپنے اصولوں کی پختگی کا ثبوت اپنی شہادت سے پیش کر کے اپنے مخالفوں کا منہ بالکل بند کر دیا تھا۔

مولانا کے عالمانہ جلال سے مرعوب ہمارے جیسے لوگوں کا خیال تھا کہ ان کی اولوالعزمی انہیں نوکری

چاکری، روزی روزگار اور عوامی زندگی کے دوسرے معاملوں میں مسلمانوں کے ساتھ کی جانے والی بے انصافیوں کی طرف دھیان دینے کی اجازت نہ دیتی ہوگی لیکن سی آر داس کے تذکرہ کے سلسلہ میں انہوں نے بنگال کے اندر سرکاری ملازمتوں میں مسلمانوں کی حق تلفی کے تدارک کے لئے ان کے اعلان کی جس طرح ستائش کی ہے، اس سے اندازہ ہوا کہ مولانا کی نظر سماجی زندگی کے ان چھوٹے چھوٹے پہلوؤں پر بھی رہتی تھی اور وہ اس طرح کے معاملات میں بھی مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں کی حق تلفی کے تدارک کو سیاسی رہنماؤں کا ایک اہم فریضہ مانتے تھے۔ پر اسی سلسلے میں انہوں نے کانگریسی حکومتوں کی زیادتیوں کے متعلق مسلم لیگ کی شکایات کی تردید جیسے زوردار الفاظ میں کی ہے اسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ اور زیادہ حیرت اس پر ہوتی ہے کہ لیگ کی شکایات کو بے بنیاد ثابت کرنے کے لئے انہوں نے گورنروں اور وائسرائے کے بیان کا سہارا لیا ہے اور خود کانگریس ہی کے ایک معزز رہنما اور سی پی کے پہلے کانگریسی وزیر اعظم ڈاکٹر کھرے کے اس بیان پر مطلق کوئی توجہ نہیں دی جس میں انہوں نے لیگ کی شکایات کو حق بجانب قرار دیا تھا۔ جہاں تک گورنروں اور وائسرائے کا تعلق ہے وہ تو اپنی حکومتوں کے خلاف کی گئی شکایتوں کی تردید کرنے پر آئینی طور پر مجبور تھے۔ کیوں کہ مولانا نے اسی باب میں خود ہی ایک جگہ لکھا ہے کہ "ایک طویل گفتگو کے ذریعہ دباؤ دیکر گورنروں اور وائسرائے سے وزارتوں کے کاموں میں دخل نہ دینے کی یقین دہانی حاصل کرائی گئی تھی"۔

بہرکیف! حیرت اس پر ہوتی ہے کہ مولانا کا دھیان آخر اس طرف کیوں نہیں گیا کہ جب تنظیم کی سب سے اونچی سطح پر وزیراعظموں کے انتخاب اور وزارتوں کی تشکیل کے معاملے میں فرقہ وارانہ اور ذات پات پر مبنی رخ اپنایا جا سکتا ہے تو پھر اس کی نچلی سطح پر افسروں کی تعیناتی، ملازمین کی بحالی اور ان کے ٹرانسفر اور پوسٹنگ، ٹھیکہ پرمٹ اور لائسنس کی منظوری اور فلاحی اداروں کے قیام و گرانٹ میں کیا کچھ دھاندلی نہ کی جاتی ہوگی۔ اس کے ماسوا مولانا جیسے زیرک اور دانا و بینا آدمی کا دھیان پارلیمانی نظام حکومت کی اس خرابی کی طرف کیوں نہیں گیا کہ اس میں حق و ناحق سے بے نیاز ہو کر ساری سیاست محض ووٹوں کی گنتی پر مرکوز ہو جاتی ہے۔ اور جداگانہ انتخاب کے سسٹم کی وجہ سے وہ کانگریسی حکومتیں کلی طور پر ہندو ووٹوں کے بل پر قائم ہوئی تھیں اور اپنے وجود و بقا کے لئے انہیں کسی مسلمان کے ووٹ کی قطعی کوئی محتاجی کسی سطح پر بھی نہ تھی۔ ایسے حالات میں فرقہ پرستی اور ذات پات کی لعنتوں میں مبتلا اس وقت کی کانگریسی حکومتوں کی دفاع اس بلند آہنگی کے ساتھ مولانا جیسے بالغ نظر رہنما کی طرف سے کیا جانا کچھ عجیب سا لگتا ہے۔

۱۹۳۷ء میں صوبائی وزارتوں کی تشکیل کے موقع پر کانگریس نے اقلیتوں کے ساتھ جو ناانصافی کی تھی اور اس سلسلہ میں ان کے پارسی ہونے کے باعث صوبہ بمبئی میں مسٹر نریمان کے ساتھ جو دھاندلی کی گئی تھی، اس پر مولانا کو بڑا صدمہ ہوا تھا۔ چنانچہ اس سلسلہ میں انہوں نے جس صاف گوئی کے ساتھ کانگریس اور کانگریسی رہنماؤں پر تنقید اپنی اس کتاب میں کی ہے، اس کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ مولانا کا خیال تھا کہ جس طرح کی بے انصافی اور دھاندلی بمبئی میں نریمان کے ساتھ سردار پٹیل نے کی اسی طرح کی حق تلفی ڈاکٹر محمود کی بہار میں راجندر بابو نے کی تھی۔ چنانچہ اس کے متعلق بھی پوری مضبوطی کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار انہوں نے اپنی اس کتاب میں کیا ہے۔ مگر نریمان کے متعلق اپنی تحریر کو اس کتاب کے پہلے ہی اڈیشن میں شائع کرا دینے میں انہوں نے کوئی قباحت نہیں دیکھی۔ جبکہ ڈاکٹر محمود کے معاملہ کے متعلق اپنی رائے کو فوری طور پر شائع کرنا مناسب نہیں سمجھا اور اسے حذف کردہ تیس صفحات میں شامل کر کے تیس برس کے بعد شائع کرنے کی ہدایت دی۔ اس میں ان کی کون سی مصلحت پوشیدہ تھی، یہ ہمارے لئے ایک معمہ ہے! بہرکیف مولانا نے مسٹر نریمان کے ساتھ کی گئی دھاندلی کا ذکر تفصیل سے کرتے ہوئے ڈاکٹر محمود کے معاملے کے متعلق لکھا ہے کہ ــــــ

> اسی طرح کا واقعہ بہار میں بھی ہوا، انتخابات کے وقت ڈاکٹر محمود صوبہ کی چوٹی کے رہنما تھے۔ وہ آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے جنرل سکریٹری بھی تھے۔ اس طرح سے صوبہ کے اندر اور باہر ان کی ایک پوزیشن تھی۔ جب کانگریس کو واضح اکثریت حاصل ہو گئی تو گویا یہ طے مان لیا گیا کہ وہی لیڈر چنے جائیں گے اور صوبائی خود مختاری کے تحت بہار کے پہلے چیف منسٹر ہوں گے۔ لیکن ہوا اس کے بجائے یہ کہ سری کرشن سنہا اور انوگرہ نرائن سنہا کو جو مرکزی اسمبلی کے ممبر تھے، وزیر اعلیٰ بنانے کے لئے وہاں سے بہار واپس بلا لیا گیا۔ ڈاکٹر راجندر پرشاد نے بہار میں وہی کام کیا جو سردار پٹیل نے بمبئی میں کیا تھا۔ بہار اور بمبئی میں فرق صرف اتنا رہا کہ جب سری کرشن سنہا نے حکومت بنائی تو اپنی کابینہ میں ڈاکٹر محمود کو بھی ایک جگہ دی۔"

اس میں کوئی کلام نہیں کہ ڈاکٹر محمود کانگریس کے جنرل سکریٹری تھے بلکہ اس کے پہلے وہ تو کئی برس تک آل انڈیا خلافت کمیٹی کے جنرل سکریٹری بھی رہ چکے تھے۔ اس لئے ملک کی قومی سیاست میں انہیں جو پوزیشن حاصل

تھی وہ سری بابو اور انوگرہ بابو کو حاصل نہیں تھی۔ مگر اپنی اسی پوزیشن کی وجہ سے وہ بہار کی سیاسی سرگرمیوں، یہاں کی کانگریس تنظیم اور اس کے کارکنوں سے ویسا براہ راست تعلق قائم نہیں کر سکے جیسا سری بابو اور انوگرہ بابو کا تھا۔ اس سے انکار نہیں کہ بہار کے اندر انہیں بھی چوٹی کا کانگریسی لیڈر مانا جاتا تھا مگر سب سے بڑا لیڈر نہیں! بہار کے سب سے بڑے لیڈر تو اس وقت راجندر بابو تھے مگر ان کے بعد سری بابو، انوگرہ بابو، ڈاکٹر محمود اور رام دیال سنگھ چاروں کا شمار چوٹی کے کانگریسی لیڈروں میں ہوتا تھا۔ اس لیے مولانا کی اس خیال سے اتفاق کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ بہار میں ڈاکٹر راجندر پرشاد نے وہی کام کیا جو بمبئی میں سردار پٹیل نے کیا تھا" کیونکہ مسٹر نریمان اس وقت سردار پٹیل کے بعد اپنے صوبہ بمبئی کے سب سے بڑے لیڈر تھے اور بی۔ جی۔ کھیر ——— جنہیں سردار پٹیل نے وہاں کا وزیر اعلیٰ بنوایا ——— کی شخصیت بالکل غیر معروف تھی۔ اس سے انکار نہیں کہ اس وقت سری بابو اور انوگرہ بابو مرکزی اسمبلی کے ممبر تھے لیکن دونوں کی سیاسی سرگرمیوں کا میدان برابر بہار ہی رہا۔ سری بابو بہار کونسل کے اندر کانگریس پارٹی کے لیڈر کی حیثیت سے اس کے پہلے بھی برسوں کام کر چکے تھے۔ اسی طرح انوگرہ بابو پٹنہ میونسپلٹی اور گیا ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیئرمین رہ چکے تھے جبکہ ڈاکٹر محمود کو اس طرح کے کاموں کا کوئی تجربہ حاصل نہیں تھا۔

ویسے راجندر بابو نے بھی اپنی خود نوشت سوانح عمری میں اس سوال پر روشنی ڈالی ہے۔ انہوں نے لیڈر کے چناؤ کے سلسلے میں سری بابو اور انوگرہ بابو کا تذکرہ کرنے کے بعد ڈاکٹر محمود کی خدمات اور ان کی پوزیشن کا حوالہ دیتے اور ان کی تعریف و توصیف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "پھر بھی وہ بہار صوبہ میں اور خاص کر کانگریسی کارکنوں میں مندرجہ بالا دونوں صاحبان سے کم مقبول رہے ہیں۔ صوبہ کے باہر زیادہ کام کرنے کی وجہ سے، ان سے ان سب کا اتنا تعارف نہیں تھا جتنا ان دونوں صاحبان سے۔ ان دونوں میں بھی بابو سری کرشن سنگھ اپنی قوتِ تقریر کے ذریعہ خود کو زیادہ مقبول بنا سکے ہیں۔"

مگر راجندر بابو نے بھی پوری سچائی نہیں پیش کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سری بابو اور انوگرہ بابو کے درمیان لیڈرشپ کے لیے بڑی کشمکش تھی اور اس کشمکش نے کھلے روپ میں بھومیہار اور راجپوت کشمکش کی صورت اختیار کر لی تھی۔ خود راجندر بابو تو انوگرہ بابو کے حق میں تھے۔ مگر اسمبلی میں بھومیہار ممبروں کی تعداد زیادہ تھی اور سبھی بھومیہار اس پر تن گئے کہ لیڈر سری بابو ہی کو بنایا جائے۔ چنانچہ راجندر بابو کو بادل نخواستہ ان کی بات تسلیم کرنی پڑی تھی۔ ویسے سری بابو ان تینوں بلکہ رام دیال بابو کو ملا کر چاروں میں سب سے زیادہ اہلیت اور صلاحیت کے مالک بھی تھے۔ اور مسلمان خاص طور پر ان کی کشادہ قلبی اور اعلیٰ ظرفی کے معترف تھے

کیوں کہ انہوں نے مونگیر ڈسٹرکٹ بورڈ کے وائس چیئرمین کی حیثیت سے ایک مسلمان چیئرمین شاہ زبیر کو اپنا لیڈر مان کران کے ساتھ جس وفاداری اور خلوص کے ساتھ کام کیا تھا، اس کی مثال کوئی بھی دوسرا کانگریسی ہندو رہنا نہیں پیش کرسکا تھا۔

اصل میں تخیل پرستی اور اصول پسندی کے جوش میں مولانا کا دھیان اس طرف نہیں گیا کہ اختیارات و اقتدار کی ہوس میں کانگریس کی تنظیم کو فرقہ پرستی اور ذات بندی کے روگ نے کس طرح جکڑ رکھا تھا۔ اسلیے وہ کانگریس ہائی کمانڈ کے اپنے رفیقوں سے یہ امید لگا بیٹھے تھے کہ اب جب انتخابات میں واضح اکثریت حاصل کرکے کانگریس کو چھ صوبوں میں حکومت بنانے کا موقع ملا ہے تو وہ اپنے قومی اور سیکولر کردار کو دھیان میں رکھتے ہوئے سبھی صوبوں میں ہندوؤں کو وزیر اعظم بنانے کے بجائے وسیع القلبی اور رواداری کا ثبوت پیش کرتے ہوئے بمبئی میں ایک پارسی مسٹر نریمان کو اور بہار میں ایک مسلمان ڈاکٹر محمود کو وزیر اعظم بنائے گی۔ لیکن سردار پٹیل اور راجندر پرشاد کی حقیقت پسندی انہیں یہ بتا رہی تھی کہ کانگریس کو یہ اکثریت محض ہندو ووٹوں کی بدولت اور اس میں بھی امیدوار کی ذات پات کے نام پر حاصل ہوئی ہے۔ اس لئے عملی پارلیمانی سیاست داں کی حیثیت سے انہوں نے کانگریس کی پوزیشن اور اپنی لیڈرشپ کو اور بھی مستحکم کرنے کے لیے اپنے ووٹروں کے جذبات پر دھیان دینے کو تمام اصولوں پر مقدم رکھا اور اپنی اکثریت کے سبھی صوبوں میں ہندوؤں ہی کو وزیر اعظم بنایا اور ان میں سے بھی اسی کو ترجیح دی جس کی ذات کے لوگ زیادہ تعداد میں ممبر چن کر اسمبلی میں آئے تھے۔

تعجب کی بات یہ ہے کہ خود مولانا ہی کی روایت کے مطابق عدم تعاون کی تحریک زمانہ میں بھی جب اختیارات و اقتدار کے حصول کا کوئی سوال بھی سامنے نہیں تھا، بہار کے کانگریسی ہندوؤں کو اپنے صوبہ کی سیاست پر مسلمانوں کا غلبہ ناگوار تھا۔ پھر بھی مولانا نے کیسے یہ امید کرلی تھی کہ اب جبکہ کانگریس کے ہاتھوں میں اقتدار منتقل ہونے جا رہا تھا، یہاں کے کانگریسی ہندو کسی مسلمان کو اپنا لیڈر تسلیم کرلیں گے۔ اس نکتہ پر پوری روشنی ڈالنے کی غرض سے ہم یہاں پر مولانا کی وہ پوری عبارت درج کئے دیتے رہے ہیں جو حذف کردہ تیس صفحات کے ساتھ انڈیا ونس فریڈم کی حالیہ مکمل اڈیشن میں شائع ہوئی ہے۔

"ڈاکٹر راجندر پرشاد کا تعلیمی ریکارڈ بڑا شاندار تھا۔ اور بہت سے لوگ انہیں بہار کی سیاست میں چمکنے والا ایک نیا ستارہ سمجھ رہے تھے۔ تاہم ان کی زیادہ

توجہ اپنی پریکٹیس کی طرف رہی۔ اور غالباً انہوں نے یہ بھی محسوس کیا کہ امام برادران یا مظہرالحق جیسے لیڈروں کے رہتے ہوئے، میرے لیے بڑھنے کے مواقع بہت کم ہیں جب گاندھی جی بہار آئے تو انہوں نے دیکھا کہ یہاں کی سیاسی رہنمائی مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہے۔ اور کسی اہمیت کا حامل کوئی بھی ہندو ان کے ساتھ شریک ہونے کو تیار نہیں ہوا۔ میں نے باوثوق ذرائع سے سنا ہے کہ ڈاکٹر سچتانند سنہا نے گاندھی جی سے ملانے کی غرض سے معزز ہندوؤں کو اپنے یہاں کھانے کی دعوت دی۔ وہاں انہوں نے گاندھی جی سے کہا کہ بہار کے ہندو عدم تعاون کی تحریک میں شامل ہونے کو تیار ہیں بشرطیکہ گاندھی جی اس کا لیڈر کسی ہندو کو بنائیں۔ گاندھی جی نے کہا کہ میں محض اپنی خواہش سے کسی کو لیڈر نہیں بنا سکتا۔ لیکن انہوں نے وعدہ کیا کہ اگر کوئی صاحب کردار اور ذی صلاحیت ہندو آگے آئے تو وہ اسے ضروری امداد اور سہارا فراہم کریں گے۔ تب گاندھی جی کے سامنے بابو راجندر پرشاد کا نام پیش کیا گیا اور چند ہی برسوں کی مدت میں وہ گاندھی جی کی مدد اور سہارا سے آل انڈیا حیثیت کے رہنما بن گئے۔"

مولانا نے جو کچھ فرمایا ہے، اس میں کوئی کلام نہیں، بلکہ مولانا نے اس مختصر سی عبارت میں جن نکتوں کی طرف اشارے کیے ہیں اگر ان کی پوری تشریح اور توضیح کی جائے تو ایک مستقل کتاب تیار ہو جائے۔ لیکن اتنا ہم ضرور کہنا چاہیں گے کہ مولانا نے یہ بالکل ہی صحیح لکھا ہے کہ عدم تعاون کی تحریک کے وقت تک بہار کے اندر کانگریس کی لیڈرشپ پر مسلمان حاوی تھے جو ہندوؤں کے دولت مند اور تعلیم یافتہ طبقوں کو عام طور پر ناپسند تھا۔ اس لیے ان میں سے کٹر متعصب گروہ نے یقیناً گاندھی جی سے اس طرح کی باتیں کی ہوں گی۔ اور جہاں تک گاندھی جی کی مدد اور سہارے کا سوال ہے، اس کے بارے میں تو خود راجندر بابو کھلم کھلا اور مسلسل زندگی بھر یہ اعلان کرتے رہے کہ "میں جو کچھ بنا ہوں، گاندھی جی کے چرنوں کی دھول کو اپنے ماتھے پر لگانے سے بنا ہوں، پھر بھی سچائی اور تاریخ دونوں سے ناانصافی ہوگی اگر ہم یہاں پر اس حقیقت کو بیان نہ کر دیں کہ راجندر بابو ۱۹۱۱ء ہی سے آل انڈیا کانگریس کمیٹی کے ممبر چلے آرہے تھے اور قومی خدمات کا جذبہ ان کے دل میں گوکھلے کے اثر سے پیدا ہوا تھا اور کانگریسی ہونے کی حیثیت سے وہ گاندھی جی

اور مولانا آزاد دونوں سے زیادہ پرانے کانگریسی تھے! اور جہاں تک وکالت کرنے اور اس سے دلچسپی لینے کا سوال ہے، اس وقت کے تقریباً سبھی کانگریسی لیڈر وکالت کر رہے تھے اور سبھی اپنی پریکٹس سے پوری دلچسپی لیتے تھے، اور سیاست کو اپنی زندگی کا ضمنی پہلو سمجھتے تھے۔

سب سے زیادہ مزے کی بات تو یہ ہے کہ راجندر بابو نے عدم تعاون میں شرکت اور وکالت چھوڑنے کا اعلان گاندھی جی کی باتوں یا دعلدوں سے متاثر ہو کر نہیں کیا بلکہ بانکی پور کے ایک عام جلسہ میں مولانا شوکت علی کی تقریر سے متاثر ہو کر کیا تھا۔ اس سلسلے میں یہ بات دھیان میں رہنی چاہئے کہ اس وقت تک کانگریس نے عدم تعاون کی تجویز منظور بھی نہیں کی تھی۔ صرف مجلس خلافت نے عدم تعاون کا اعلان کیا تھا اور علی برادران ملک بھر میں گھوم گھوم کر لوگوں کو عدم تعاون کی دعوت دے رہے تھے۔ اس لیے یہ مغالطہ نہیں ہونا چاہئے کہ سچتا نند کی ڈنر پارٹی میں گاندھی جی کی مدد اور سہارے کی یقین دہانی کے بعد راجندر بابو نے پریکٹس چھوڑی اور عدم تعاون میں حصہ لیا تھا۔

ویسے راجندر بابو کو آگے بڑھانے اور اوپر اٹھانے میں بہار کے مسلمان رہنماؤں کا بھی کوئی کم حصہ نہیں رہا تھا۔ بالکل ہی ابتدا میں جب ایک اسٹوڈنٹ لیڈر کی حیثیت سے انہوں نے کام شروع کیا تھا اسی وقت سے جسٹس شرف الدین، علی امام، حسن امام اور مظہر الحق ان کی ہمت افزائی اور سرپرستی کرتے چلے آرہے تھے۔ جب انہوں نے پٹنہ میں پریکٹس شروع کی تو کانگریس کے سینئر لیڈر ہونے کی حیثیت سے ڈاکٹر سچتا نند سنہا کے ساتھ مسٹر حسن امام اور مسٹر مظہر الحق نے بھی انہیں کانگریس کی تنظیم اور اس کی سیاست میں آگے بڑھانے میں پورا سہارا دیا۔ سر علی امام اور مسٹر حسن امام نے گرچہ عدم تعاون کی تحریک میں کوئی حصہ نہیں لیا پھر بھی راجندر بابو کی مدد دونوں بھائی برابر کرتے رہے۔ اور مولانا مظہر الحق نے، جو عدم تعاون کی تحریک میں بہار کے سب سے بڑے سیاسی اور عوامی لیڈر کی حیثیت سے ابھرے تھے، راجندر بابو کو اپنا جانشین اور بہار کا مسلمہ لیڈر بنانے میں اپنا پورا زور لگا دیا۔ اس دور کے چوٹی کے خلافتی رہنما مولوی شفیع داؤدی، مولوی خورشید حسن اور شاہ زبیر وغیرہ نے بھی انہیں آگے بڑھانے میں ہر طرح سے تعاون کیا تھا۔ غرضکہ تحریک عدم تعاون کے دور میں راجندر بابو کو بہار کا جانا مانا اور سب سے بڑا کانگریسی لیڈر بنانے میں اصل ہاتھ یہاں کے مسلمان رہنماؤں کا تھا۔ البتہ اس میں کوئی شک نہیں کہ انہیں آل انڈیا لیڈر گاندھی جی نے بنایا!

بہار کے کانگریسیوں کے اندر فرقہ پرستی اور اس سے بھی زیادہ ذات بندی کی جو بیماری پھیلی ہوئی تھی اس کے متعلق مولانا آزاد سے کہیں زیادہ صفائی کے ساتھ خود راجندر بابو نے اپنی آتم کتھا میں لکھا ہے ۔ مولانا کو اس کا احساس ١٩٣٧ء میں صوبائی وزارتوں کی تشکیل کے موقعہ پر جاکر ہوا مگر راجندر بابو نے تو ١٩٢٣ء میں لوکل باڈیز کے چناؤ کا تذکرہ کرتے ہوئے بڑی صفائی کے ساتھ اس کا اقرار کیا ہے کہ مظفر پور ڈسٹرکٹ بورڈ کے الیکشن میں مولوی شفیع داؤدی کو خود کانگریسیوں ہی نے ہرا دیا ۔ اور چھپرہ ڈسٹرکٹ بورڈ کے چناؤ میں مولانا مظہر الحق جیسے ممتاز رہنما اور پٹنہ میونسپلٹی کے چناؤ میں خورشید حسن جیسے دیش بھگت کو کس طرح ناکوں چنے چبانے پڑے تھے ۔ اصل میں لوکل باڈیز کے انتخابات میں کانگریس نے پہلی بار جماعتی طور پر حصہ لینے کا فیصلہ کیا تھا اور یہ طے کیا تھا کہ چھپرہ ڈسٹرکٹ بورڈ کا چیرمین مولانا مظہر الحق کو، مظفر پور ڈسٹرکٹ بورڈ کا چیرمین مولوی شفیع داؤدی کو، مونگیر ڈسٹرکٹ بورڈ کا چیرمین شاہ زبیر کو اور پٹنہ میونسپلٹی کا چیرمین مولوی خورشید حسن کو بنایا جائے گا ۔ اور بقیہ تمام اضلاع کے ڈسٹرکٹ بورڈوں اور میونسپلٹیوں کے چیرمین ہندو ہوں گے ۔ لیکن فرقہ پرستی اور ذات بندی کی بیماریوں میں مبتلا کانگریسیوں کو یہ بھی گوارا نہیں ہوا ۔ چنانچہ ایک مونگیر کو چھوڑ کر دوسرے ضلعوں کے کانگریسی کارکنوں کی متعصب ٹولی نے مذکورہ رہنماؤں کو بورڈ ہی کے چناؤ میں ہرا دینے کی کوشش کی تاکہ وہ چیرمین نہ بن سکیں ۔ چنانچہ مولوی شفیع داؤدی کو مظفر پور میں ہرا بھی دیا ۔ مگر راجندر بابو اور ان کے بھائی مہندر بابو کی سر توڑ محنت سے پٹنہ میں مولوی خورشید حسن اور چھپرہ میں مولانا مظہر الحق بہ ہزار دقت جیت پائے ! پر مولوی خورشید حسن کے دل کو ایسی چوٹ پہونچی کہ راجندر بابو کے ہزار اصرار کرنے پر بھی انہوں نے پٹنہ میونسپلٹی کا چیرمین ہونا قبول نہیں کیا ۔ چھپرہ میں مولانا مظہر الحق چیرمین چنا بھی گئے مگر انہیں اتنا تنگ کیا گیا کہ وہ جلد ہی استعفا دے کر الگ ہو گئے ۔ راجندر بابو کے بقول اس موقع پر صرف مونگیر کے کانگریسیوں نے مل جل کر کام کیا اور وہاں سری بابو کی مدد سے شاہ زبیر نے بڑی کامیابی کے ساتھ ڈسٹرکٹ بورڈ کو چلایا ۔

ان حالات اور واقعات کو دیکھنے اور جاننے کے باوجود مولانا کیسے یہ توقع کیے ہوئے ہے کہ بہار کے کانگریسی ہندو کسی مسلمان کو اپنے صوبہ کا وزیر اعظم بنانا گوارا کرلیں گے ۔ اس پر ہمیں واقعی بڑی حیرت ہوتی ہے !

اصل میں مولانا اپنی تخیلاتی اور تصوراتی دنیا میں اتنا محو اور مگن رہتے تھے کہ گردوپیش کے

حقیقی حالات کا کوئی لحاظ کئے بغیر ایسے منصوبے بنا لیتے تھے جنہیں عملی شکل میں پورا کرنا یا کرانا ان کے لیے ممکن نہیں ہوتا تھا۔ ۱۹۴۶ء کے صوبائی انتخابات کے بعد بہار کابینہ میں دو مسلمان وزیروں کا رکھنا طے ہوا اور اس سلسلے میں ڈاکٹر محمود کے نام پر تو سب کا اتفاق تھا۔ دوسری جگہ پر راجندر بابو عبدالقیوم انصاری کو لینا چاہتے تھے مگر مولانا کا اصرار شاہ عمیر کے لیے تھا۔ راجندر بابو کے لیے ان کی بات سیدھے طور پر رد کر دینا ممکن نہ تھا۔ چنانچہ انہوں نے کہا کہ دوسرے نام کے لیے مولانا حسین احمد مدنی سے بھی رائے لے لی جائے تو بہتر ہے۔ اور آخر میں مولانا مدنی نے انصاری صاحب ہی کے حق میں رائے دی۔ اور انہیں کو وزیر بنایا گیا۔ اب بہار کی عوامی اور سیاسی زندگی سے واقف ہر آدمی یہ سمجھ سکتا ہے کہ شاہ عمیر کے لیے مولانا کا اصرار کرنا کتنا نامناسب تھا!

ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری

دیوان ابوالکلام آزاد
مرتبہ ڈاکٹر عبدالغفار شکیل پر ایک استدراک

ڈاکٹر عبدالغفار شکیل کو جن علمی موضوعات اور شخصیات سے دلچسپی ہے، ان میں مولانا ابوالکلام آزاد بھی شامل ہیں۔ مولانا آزاد کے بارے میں انہوں نے کئی مفید کام کیے ہیں۔ میری نظر سے ان کا سب سے پہلا مضمون "مولانا ابوالکلام آزاد اور شاعری" کے عنوان سے اردو ادب۔ آزاد نمبر (۱۹۵۹ء علی گڑھ) میں گزرا تھا۔ اس کے بعد "ابوالکلام کے افسانے" (۱۹۶۱ء، علی گڑھ) کے نام سے ان کی ایک تالیف شائع ہوئی۔ ۱۹۶۲ء میں "نوادر ابوالکلام آزاد" کے نام سے مولانا آزاد کی تخلیقات، تحریرات، مکتوبات اور تقاریر کا ایک مجموعہ انہوں نے مرتب کر کے علی گڑھ سے شائع کروایا۔ اسی سال ان کا ایک مضمون مولانا آزاد اور ان کے بھائی ابوالنصر غلام یاسین آہ کے بارے میں آج کل دہلی کے شمارہ اپریل ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا۔ اس طرح ابوالکلامیات کے دائرے میں انہوں نے اپنا مقام پیدا کر لیا ہے۔

اب انہوں نے "دیوان ابوالکلام آزاد" مرتب کیا ہے۔ دیوان میں جو کلام سامنے آیا ہے، وہی ہے جو خاکسار کی تالیف "ارمغان آزاد" کراچی ۱۹۷۸ء اشاعت ثانی میں شامل ہے اور چونتیس ۳۴ اشعار کی ایک غزل وہ ہے جو شائستہ خان نے مولوی محمد یوسف جعفری رنجور عظیم آبادی کی بیاض مخزونہ خدا بخش پبلک لائبریری پٹنہ میں دریافت کی تھی اور ہماری زبان، دہلی (۸ جنوری ۱۹۸۹ء) میں شائع کرادی تھی۔ اس کلام کے ساتھ انہوں نے اپنا پہلا مضمون جو ۱۹۵۸ء میں لکھا تھا اور اردو ادب آزاد نمبر (۱۹۵۹ء) میں شائع ہوا تھا، بطور مقدمہ شامل کر دیا ہے۔ "دیوان ابوالکلام آزاد" ان کی اسی کاوش کا نام ہے۔

مجھے یقین ہے کہ گزشتہ تیس ۳۰ سال کے عرصے میں بلا مبالغہ ہزاروں صفحات صرف مولانا آزاد کے تعلق سے ان کی نظروں سے گزرے ہوں گے، معلومات میں بیش بہا اضافہ ہوا ہوگا، کئی پچھلے خیالات بدل گئے ہوں گے اور ان کی جگہ نئے افکار و معلومات نے لے لی ہوگی اور یہ بات تو ان کے بعض قریب العہد مضامین کے مطالعے سے محسوس کر لی جا سکتی ہے کہ تیس سال کی اس درمیانی مدت میں ان کے اسلوب تحریر و طرز نگارش میں نمایاں فرق پیدا ہو گیا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے اپنی نئی تحقیقات، تازہ افکار و معلومات اور اپنے اکتیس ۳۱ سالہ وسیع تجربے اور اس کے نتائج سے استفادے اور تازہ اسلوب تحریر کی

دل ربائیوں سے لطف اندوز ہونے کا کوئی موقع نہیں دیا۔ حالاں کہ خاکسار جیسے طالب علم اور بعید الوطن شائقین ڈاکٹر عبدالغفار شکیل اور ان جیسے دوسرے اہل علم ونظر اور اصحاب تحقیق کے مطالعے سے استفادے اور ان کے نتائج فکر وتحقیق سے اخذ مطالب وتزئین افکار کے متمنی رہتے ہیں۔ اگر "دیوانِ ابوالکلام آزاد" کے مطالعے سے ہماری یہ خواہش پوری ہوتی تو ہمیں بہت خوشی ہوتی لیکن انھوں نے ابوالکلام کے علاوہ اقبال، سرسید، لسانیات وغیرہ میں اپنی تحقیقات سے استفادے کے جو مواقع بہم پہنچائے ہیں۔ وہ ہماری خوشی کے لیے کیا کچھ کم ہیں! حقیقت یہ ہے کہ اس میں ہماری مسرت اور ذوق کی تسکین کا کافی سامان ہے اور اس کے لیے ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے ایک ادنیٰ معتقد کی حیثیت سے ہمارے دل میں مولانا علیہ الرحمہ پر ان کے کاموں نے جو ارادت پیدا کر دی ہے، ان کے اظہار سے قلم پہلے ہی عاجز تھا اب "دیوان ابوالکلام آزاد" کی ترتیب سے ان کے لیے قلب کی ارادت میں اور اضافہ ہوا ہے اور اس نسبت سے اظہار تشکر میں زبان وقلم دونوں کو اور زیادہ عاجز و درماندہ پاتے ہیں لیکن دیوان کے مقدمہ کی تحریر وکتابت میں بعض خامیاں رہ گئی ہیں یا کچھ معمولی غلطیاں راہ پا گئی ہیں۔ مناسب ہوگا کہ ان کی نشاندہی کر دی جائے۔ اس سلسلے میں میرے پیش نظر خامیوں کا رفع، غلطیوں کی اصلاح، بعض ضروری وضاحتیں، قابل تحذیف کلام کی نشاندہی اور نئے دریافت شدہ کلام کا اضافہ ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ ڈاکٹر عبدالغفار شکیل صاحب کی یہ کاوش "دیوان ابوالکلام آزاد" دنیا کے سامنے آئے تو خامیوں سے پاک، اصلاح شدہ اور قدیم اور جدید دریافت شدہ کلام کا جامع ہو اور کوئی ایسی چیز اس سے باہر نہ رہ جائے جو "ارمغانِ آزاد" کی اشاعت ثانی کے بعد کسی صاحب علم و نظر کی کاوش سے اب تک سامنے آ چکی ہو۔

مطالعے کی سہولت کے لیے "استدراک" کے مباحث کو مقدمہ، کلام اور اضافہ کے عنوان سے تین حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ مقدمہ سے مراد ڈاکٹر عبدالغفار شکیل صاحب کی وہ تحریر ہے جو کلام کے ساتھ شامل ہے، کلام سے مراد مولانا ابوالکلام آزاد کی وہ تخلیقات ہیں جو خاکسار (ابوسلمان شاہجہاں پوری) اور شائستہ خاں سلمہا کے شکریے کے ساتھ مرتب کر دی گئی ہیں اور اضافہ سے مراد مولانا آزاد کا نیا دریافت شدہ کلام ہے۔

الف: مقدمہ

۱۔ صفحہ ۱ سطر ۷ (معیار و تحقیق صفحہ ۲۶۷)

"مولانا آزاد کے بھائی کی شاعری نے مولانا کی طبیعت میں شعر گوئی کے جذبے کو ابھارا۔" دراصل معاملہ اس کے برعکس ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا آزاد کی شاعری کے شوق نے ان کے بھائی ابوالنصر آہ میں شاعرانہ ذوق بیدار

کیا اور شاعری کا شوق پیدا کیا تھا۔

۲ ۔ صفحہ ۱ (حاشیہ) (م ت، ص ۲۶۷)

مولانا آزاد کے بھائی آہ کا جو قطعہ حاشیے میں نقل ہوا ہے۔ اس کا پہلا شعر اس طرح ہے ،

عدو کے ساتھ وہ تصویر اپنی کھنچوائیں — نئے طریق سے اظہارِ رسم و راہ کریں

۳ ۔ صفحہ ۲ سطر ۵ (م ت، ص ۲۶۸)

" شاعری کے بے پناہ شوق میں " نیرنگ خیال " جاری کیا "۔ یہ ماہنامہ قومی زبان کراچی کا ایک اقتباس ہے۔ اس میں " نیرنگ خیال " ہی چھپا ہے، لیکن یہ غلط ہے۔ شاعری کے شوق میں مولانا نے جو پہلا گلدستہ جاری کیا تھا اس کا نام نیرنگ عالم تھا۔

۴ ۔ صفحہ ۱۰ سطر ۹ (م ت، ص ۲۷۶)

" مولانا آزاد جب جامعہ ازہر سے فارغ التحصیل ہو کر واپس آئے تو ۔ " مولانا سے خاص تعلق رکھنے والے تو پہلے بھی اس حقیقت سے واقف تھے کہ مولانا نے جامعہ ازہر میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ اور ۱۹۵۹ء میں انڈیا ونس فریڈم کی اشاعت کے بعد تو اب کسی کے لیے بھی یہ بات مکشوف نہیں رہی۔ ۱۹۵۸ء میں جب ڈاکٹر شکیل کے قلم سے یہ بات نکلی تھی تو تعجب نہ ہونا چاہیے تھا لیکن ۱۹۸۹ء میں مقالے کی اشاعت کے وقت اس جملے کو بدل دینا ضروری تھا۔

۵ ۔ اسی صفحے پر ڈاکٹر شکیل صاحب نے مولانا آزاد کے عشق مجازی کے واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن بطور واقعہ اس میں کچھ معلومات نہیں ۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ قصہ قیامِ امرتسر کے زمانے (۱۹۰۶ء) کا ہے۔ شورش کاشمیری مرحوم نے ان خاتون کو دیکھا تھا اور ان سے ملاقات کی تھی۔ بہت حسین و جمیل اور وجیہہ خاتون تھیں، بڑھاپے نے ان کے چہرے کو پر رعب اور پر کشش بنا دیا تھا۔ ادب کا نہایت پاکیزہ ذوق رکھتی تھیں مولانا کے کیرکٹر کی بہت معترف تھیں۔ مولانا کے پنجاب کے سفر اور امرتسر کے قیام کے بہت سے واقعات کا وہ ذکر کرتی تھیں جن سے اندازہ ہوتا تھا کہ ۱۹۰۶ء-۰۷ء میں مولانا آزاد امرتسر کی ادبی، علمی، تہذیبی اور مجلسی زندگی کی ایک نمایاں شخصیت تھے۔ وہ مولانا آزاد کی بہنوں سے بھی ملی تھیں، شاید ان کے بھوپال میں مستقل قیام سے پہلے بھوپال یا اور لاہور و امرتسر کے سفر کے موقع پر ۔

تقسیم ملک کے وقت ان کا خاندان لاہور منتقل ہو گیا تھا۔ ۱۹۶۹ء میں ان کے دو بیٹے حکومت پاکستان میں کسی اعلیٰ منصب پر فائز تھے۔ شورش مرحوم نے بتایا تھا کہ وہ خاتون ۱۹۴۵ء کے بعد کے عرصے میں مولانا آزاد سے ملی بھی تھیں۔ ان کے پاس مولانا کے خطوط کا ایک ذخیرہ تھا۔ شورش نے بعض خطوط دیکھے تھے اور وہ مولانا کے ذوق کی پاکیزگی، طبع کی نفاست اور خیالات کی

عظمت، ان خطوط کے آئینے میں دیکھ کر بہت متاثر ہوئے تھے۔

شورش مرحوم کا بیان تھا کہ ان خطوط کی اردو ادب میں کوئی مثال نہ تھی۔ ایسی پاکیزہ تحریریں، ان کے بہ قول نظر سے نہ گزری تھیں۔ بیشتر خطوط ادبی، سماجی، معاشرتی اور تہذیبی زندگی کے مسائل میں مولانا کے افکار سے مملو تھے۔ جو خطوط ان خاتون نے شورش کو دکھائے تھے، ان میں بہ ظاہر "پرائیویٹ" اور راز والی کوئی بات، ان کے بہ قول نہ تھی۔ شورش نے ان خاتون سے ان خطوط کی اشاعت کے لیے کہا تو وہ آب دیدہ ہو گئیں اور بتایا کہ انھوں نے مولانا سے ان خطوط کو شائع کر دینے کا ذکر کیا تھا تو مولانا نے فرمایا تھا کہ ان خطوط میں کوئی ایسی چیز نہیں جو شائع نہ ہو سکے۔ لیکن یہ تحریریں زندگی کے ایک خاص دور کی یادگار ہیں۔ ہمارے معاشرے میں ابھی ایسا کیرکٹر پیدا نہیں ہوا کہ ان تحریروں کے وہی معنی لیے جو واقعی ان کے ہیں اور انھیں جذبات کے آئینے میں دیکھے، جن کے مطابق یہ پیش کی جائیں گی۔ معاشرے کا، افراد کے ذوق سے جدا اپنا ذوق، اپنا رجحان اور اس کا اپنا مجموعی کیرکٹر ہوتا ہے۔ معاشرہ ہر لفظ، ہر جملے اور ہر بیان پر اپنے ذوق اور کیرکٹر کے مطابق حکم صادر کرے گا۔ اس کے بعد ان خاتون نے خطوط کی اشاعت کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔ اب معلوم نہیں وہ خطوط کسی صاحب ذوق یا ان کے خاندان کے کسی فرد کے پاس محفوظ ہیں یا ضائع ہو گئے؟

شورش مرحوم نے وعدہ کیا تھا کہ وہ مجھے ان خاتون سے ملائیں گے لیکن میں لاہور گیا تو معلوم ہوا کہ وہ حیدر آباد (سندھ) میں ہیں۔ پھر شورش مرحوم کا انتقال ہو گیا اور ان خاتون کے بارے میں کچھ پتا نہ چل سکا۔

اب اتنی باتیں لکھنے کے بعد سوچتا ہوں کہ یہ مجھے لکھنا بھی چاہیے تھا یا نہیں۔ بہ ظاہر تو اس میں کوئی غیر سنجیدہ بات نظر نہیں آتی۔

۶ ۔ صفحہ ۱۲ سطر ۳ (م ت، ص ۲۷۸)

یہ جملہ اس طرح ہونا چاہیے : ..... وہ مرد کے ساتھ رفاقت بدنی و ذہنی کا اقرار کرتی ہے ۔

۷ ۔ صفحہ ۱۳ (رباعی) (م ت، ص ۲۷۹)

اس صفحے پر یہ رباعی نقل ہوئی ہے ۔

تھا جوشِ و خروشِ اتفاقی ساقی　　　اب زندہ دلی کہاں ہے باقی ساقی
مے خانے نے رنگ روپ بدلا ایسا　　　میکش میکش رہا نہ ساقی ساقی

اس کے دوسرے اور تیسرے مصرعے میں کتابت کی جو دو غلطیاں تھیں، یہاں پر نقل میں ان کی تصحیح تو ہو گئی لیکن اب یہ حقیقت سامنے آئی ہے کہ یہ رباعی مولانا نے صرف استعمال کی ہے، ان کی تخلیق نہیں۔ یہ رباعی دراصل مولانا

کے بڑے بھائی ابو النصر غلام یاسین آہ کی ہے اور خدنگ نظر لکھنو کی اشاعت بابت ماہ جون ۱۹۰۳ء میں انہی کے ان کی دیگر رباعیات میں شامل ہے۔

۸ ۔ صفحہ ۱۴ سطر ۱۲۹۵ (م ت، ص ۲۸۰)

اس صفحے پر مولانا آزاد کے نام سے مندرجہ ذیل شعر نقل ہوا ہے:

دل یہ کہتا ہے کہ تو جا میں نہیں جانے کا   قصد کرتا ہوں جو اس جا سے کہیں جانے کا

یہ شعر مولانا کا نہیں۔ مولانا نے اسے بہ تصرف استعمال کیا ہے۔ اس پر نوٹ (نمبر ۱۴) "کلام" کے ضمن میں ملاحظہ ہو

۹ ۔ اسی صفحے پر مولانا آزاد کی زبان سے جو یہ مصرع ادا ہوا ہے: ؎ لے کے خود پیر مغاں ہاتھ میں مینا آیا!

اور اس کے جواب میں مولانا ظفر علی خاں نے ارتجالاً فرمایا: ؎ ع سے کشو شرم کہ اس پر بھی نہ پینا آیا!

درحقیقت یہ بات اس طرح نہیں کہ مولانا نے فی البدیہہ ایک مصرع کہا ہو اور مولانا ظفر علی خاں نے ارتجالاً گرہ لگائی ہو اور اس طرح شعر کی تخلیق عمل میں آ گئی ہو۔ دراصل یہ پورا شعر کسی اور شاعر کا ہے۔ موقع و محل کے اعتبار سے دونوں بزرگوں نے اس طرح کے مصرعے استعمال کیے تھے۔

ب: کلام

۱ ۔ صفحہ ۔۔ (م ت، ص ۲۸۷)

غزل ـــ "ارمغان آزاد" کی تالیف کے وقت اس غزل کے صرف چار شعر دستیاب ہوتے تھے۔ جیسا کہ "دیوانِ آزاد" میں اس صفحے کے عکس سے ظاہر ہوتا ہے بعد میں اس غزل کے مقطع کے علاوہ تین شعر ارمغان فرخ (بمبئی) میں چھپے مل گئے۔ اس طرح اب یہ غزل سات شعر کی ہو گئی۔ مکمل غزل "استدراک" کے حصہ "اضافہ" میں ملاحظہ ہو۔

۲ ۔ صفحہ ۔۔ (م ت، ص ۲۹۱)

نعت (بہ قافیہ حرفِ روی) کے پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں لفظ "مضامیں" ہے، "فضامیں" نہیں:

وصفِ نبی سے نظم کی یہ برتری ہوئی   طوبیٰ کی طرح شاخِ مضامیں ہری ہوئی

۳ ۔ صفحہ ۔۔ (م ت، ص ۲۹۳)

غزل کے مطلع اوّل کے مصرعِ اولیٰ میں لفظ "میرے" نہیں، "مرے" (حرف یا کے بغیر) ہے:

چھوڑا نہ غم نے کچھ بھی مرے جسم زار میں   اک جان ہے سو وہ بھی ترے انتظار میں

۴ ۔ صفحہ ۔۔ (م ت، ص ۲۹۵)

پہلے شعر کے مصرعِ اولیٰ میں لفظ "سزا ہے" "مزہ" املا درست نہیں۔

۵ ۔ صفحہ ۔۔ (م ت، ص ۲۹۶)

اس صفحہ کے آخری شعر کے مصرعِ ثانی میں لفظ "اک" ہے "ایک" نہیں۔

میرا دلِ شگفتہ بھی اُس نے پرو دیا   اِک پھول اور بڑھ گیا پھولوں کے ہار میں

۶ ۔ صفحہ ۔۔ (م ت، ص ۲۹۸)

غزل کے پانچویں شعر کے مصرعِ اولیٰ میں لفظ "ترا" ہے "تیرا" نہیں۔

کسی میں تو نظر آئے گا ترا جلوہ   اِسی خیال سے ہم ہر بشر کو دیکھتے ہیں

۷ ۔ صفحہ ۔۔ (م ت، ص ۳۰۰)

قطعہ فی البدیہہ کے پہلے شعر کے مصرعِ ثانی میں لفظ "مرا" ہے "میرا" نہیں۔

گرچہ ہے وعدہ خلافی مری ثابت تم پر   اور وعدہ مرا پورا کبھی ہوتا ہی نہیں

۸ ۔ صفحہ ۔۔ (م ت، ص ۳۰۳)

قطعہ

چھیڑو نہ مجھے کہ ہم صفیرو   "کچھ مست کو سے کی بو بہت ہے"

مجھ سے نہ کہو فسانۂ قیس   "دیوانے کو ایک ہُو بہت ہے"

اِس قطعے میں مولانا آزاد نے اپنے استاد حضرت امیر مینائی کے دو مصرعوں کو تضمین کیا ہے۔ مصرع ہائے غیر پر علامت تضمین ضروری ہوتی ہے۔

۹ ۔ صفحہ ۔۔ (م ت، ص ۳۰۶)

"تذکرۂ صادقہ" کی "تاریخ طبع مذکور" میں تاریخ کی تخریج کے لیے یہ اشارہ ضروری ہے۔ اب تاریخ گوئی کا کمال شاذ کے درجے میں رہ گیا ہے اور تاریخ فہمی کا ذوق تو نہایت ہی پست ہو گیا ہے۔ اس لیے اشارے کی ضرورت پیش آئی:

چاپ کردند ایں کتابِ نفیس   فکر شاں راصد آفریں بادا

ازلبِ ہاتف ایں ندا آمد   سرمۂ چشم ناظریں بادا

+۵   ۱۳۱۵ = ۱۳۲۰ھ

۱۰ ۔ صفحہ ۔۔ (م ت، ص ۳۰۸)

تقریظ بر تذکرۂ صادقہ

ڈاکٹر حسین الحق
نیو کریم گنج، گیا

صادق علی شاہ

ایک گمنام لیکن اہم صوفی شاعر

"دیوانِ صادق" کا قلمی نسخہ خدابخش لائبریری کے دستہ سکشن میں موجود ہے۔ اس کا نمبر ۲۱۴۲ ہے ۱۱۰۷۔ میں نے جب دیوان صادق کا مطالعہ کیا تو مجھے اندازہ ہوا کہ تصوف کی وحدت الوجودی فکر کے پس منظر میں حضرت صادق کا مطالعہ ناگزیر ہے۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ حضرت صادق بحیثیت شاعر تو دور کی چیز ہیں، بحیثیت صوفی بھی صحیح طور پر متعارف نہیں ہیں۔ حالانکہ بنگال اور بہار دونوں جگہ چشتی صوفیا کی تاریخ عزیمت بہت طویل ہے۔ مگر افسوس کہ دونوں جگہ ان کا سلسلہ جاری و ساری ہے۔ اور اس کے باوجود انکو پورے طور پر جاننے والا یا جاننے کی کوشش کرنے والا اس عہد میں کوئی نہیں ہے۔

میری مراد بنگال کے داتا مسکین علی شاہ اور بہار کے حضرت خواجہ قیام اصدق سے ہے۔ حضرت داتا مسکین علی شاہ کی تفصیلات کا تو مجھے علم نہیں۔ مگر خانوادۂ اصدقیہ سے منسلک ہونے کا تو خود مجھے بھی شرف حاصل ہے اور میں جانتا ہوں کہ ہنوز پیر بگیھہ (نالندہ) ٹکاری (گیا) خواجہ اعتبار سرائے (نالندہ) بڑوسر (ضلع نوادہ) کے علاوہ خاص میرے وطن سہسرام میں اس سلسلے کی چھ خانقاہیں ہیں مگر سرگروہ سلسلہ سے کسی کو بھی آج دلچسپی نہیں ہے۔ سوال یہ اٹھ سکتا ہے کہ آخر وجہ کیا ہے؟ میرا جواب یہ ہے کہ : ؎

افسوس بے شمار سخن ہائے گفتنی   خوف فسادِ خلق سے ناگفتہ رہ گئے

بہر حال اظہارِ واقعہ کے طور پر عرض یہ ہے کہ حضرت صادق علی شاہ کے مرید و خلیفہ حضرت خواجہ قیام اصدق، قصبہ میاں پور یا مایا پور ضلع بردوان بنگال سے بہار تشریف لائے اور پورے بہار پر اپنی بزرگ اور حاملِ علم و عمل شخصیت کا سکہ جما دیا نتیجتہً اس عہد کے مشاہیر مثلاً فخرالدین حسین سخن اور باقر پیر بگیھوی تلامذۂ غالب اور پھر مولانا محمد سعید مہکاروی، مولانا فریدالدین فرید سہسرامی، مولانا شاہ احمد حسین، حضرت قاضی وحیدالحق وحید آمڈاروی بلیاوی، مولانا صمصام الحق فرنگی، سکندر خان سفیر

ہے پور اور پروفیسر امیر حسن بلیاروی جیسے علما، صلحا، شعرا، رؤسا اور دانش وروں نے بھی ان سے بیعت ہونے اور اکتساب فیض کرنے میں شرف محسوس کیا۔

میرا خیال ہے کہ پیر حضرت صادق علی کے مقابلے میں مرید حضرت خواجہ قیام اصدق اگر زیادہ نہیں تو کم بھی نہیں تھے۔ لہٰذا قرینہ اغلب یہ ہے کہ حضرت خواجہ قیام اصدق کے ورثا، مریدان اور منسلکین و متعلقین اسی آفتاب کی روشنی سے چکا چوند ہو گئے ہوں۔ اور حضرت صادق علی شاہ کے بارے میں سوچنے اور اس آفتاب سے آنکھیں ملانے یا اس کی خبر لانے کی فرصت ہی نہیں ملی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

بہر حال جیسا کہ میں نے عرض کیا "دیوان صادق"، کا ایک قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری کے دستہ سکشن میں موجود ہے۔ اسی دیوان کا دوسرا قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں بھی موجود ہے۔ راقم الحروف کی نظروں سے یہ دونوں نسخے گذر چکے ہیں۔ خدا بخش لائبریری کا نسخہ بہتر حالت میں ہے۔ جب کہ ایشیاٹک سوسائٹی والا نسخہ مزید توجہ چاہتا ہے۔ حضرت صادق علی شاہ کا کلام زیور طبع سے بھی آراستہ ہو کر مطبع مجیدی کانپور میں چھپا۔ سن اشاعت دسمبر ۱۹۲۳ء ہے۔ اس مطبوعہ دیوان کا ایک نسخہ ذخیرۂ کتب حضرت مولانا انوار الحق شہودی ناز سہسرامی (آزادی ہاؤس، محلہ شاہ ہارون سہسرام) میں موجود ہے۔ اور دوسرا نسخہ ایم۔ اے۔ نصر (وارثی پبلیکیشن ۴۲ برابودن روڈ کلکتہ) کے پاس ہے۔ اس مطبوعہ دیوان کے مزید نسخوں کی موجودگی کے سلسلے میں راقم الحروف لاعلم ہے

حضرت مولانا فرید الدین سہسرامی اپنی تصنیف "کرامات اصدقیہ" کے صفحہ ۲۲ پر یہ اطلاع بھی دیتے ہیں کہ (حضرت سرکار جناب شاہ قیام اصدق کے ذخیرۂ کتب میں) "دیوان صادق بھی تھا۔ سرکار سے عرض کی، حکم ہوا اچھا تم اپنے واسطے نقل کرلو۔ میں نے چند ہفتوں میں نقل کرلی۔ مگر اس میں اشعار زیادہ ہیں بہ نسبت اس نسخے کے جو بمبئی میں اعلیٰ حضرت (صادق علی شاہ) کے بعضے مریدان ناخداؤں نے چھپوایا ہے۔ اور جو کلکتہ والوں نے یعنی اعلیٰ حضرت کے دوسرے خلیفہ حضرت داتا مسکین شاہ قدس سرہ کے مریدان اور ان کے ملنے والوں نے طبع کرایا ہے۔

اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت صادق علی شاہ کے قلمی دیوان کے چار نسخے (۱) خدا بخش لائبریری (۲) ایشیاٹک سوسائٹی (۳) خانقاہ اصدقیہ پیر جگیہہ (۴) اور خانقاہ فریدیہ سہسرام میں اور دو مطبوعہ نسخے (۱) کلکتہ والوں کا شائع کرایا (۲) اور بمبئی والوں کا شائع کرایا موجود ہونا چاہیئے۔ مگر تلاشِ بسیار کے باوجود خانقاہ اصدقیہ اور خانقاہ فریدیہ کے قلمی نسخوں اور دیوان مطبوعہ بمبئی کی زیارت ناچیز کو نصیب نہ ہو سکی۔

حضرت صادق علی شاہ کا پہلا ماخذ میں "مجموعہ نغز"، مؤلفہ قدرت اللہ قاسم کو مانتا ہوں۔ کیوں کہ

حضرت صادق علی شاہ اور قدرت اللہ قاسم دونوں ایک ہی بزرگ حضرت مولانا فخرالدین دہلوی سے بیعت تھے۔ مجموعہ نغز کے علاوہ "عیار الشعرا" مؤلفہ خوب چند ذکا، "تاریخ ادب ہندوستانی" مؤلفہ گارساں دتاسی "طبقات الشعرا" مؤلفہ کریم الدین اور "یادگار شعرا" مؤلفہ ڈاکٹر اسپرنگر میں بھی حضرت صادق علی شاہ کی بحیثیت شاعر نشاندہی کی گئی ہے۔ مگر ان کا ذکر اتنا مختصر ہے کہ ان حوالوں کے ذریعہ ہم ان کی شخصیت سے متعارف نہیں ہو پاتے۔ صرف قدرت اللہ قاسم نے اتنا لکھا ہے کہ "صادق علی شاہ عرف حیدری تخلص پنجابی الاصل است بالفعل در فرخ آباد فقیرانہ ایام بسری برد مرد خوش اعتقاد، درویش نہاد (واقع شدہ) گاہ گاہ بطور خود فکر ریختہ (میکند و شعر قلندر) رانہ می گوید"

قدرت اللہ قاسم ہمیں چند اہم باتوں کی خبر دیتے ہیں :- (۱) نام صادق علی (۲) وطن پنجاب (۳) ترتیب تذکرہ کے وقت وہ فرخ آباد میں موجود تھے (۴) بنیادی طور پر درویش صفت تھے (۵) شاعری میں کسی کے شاگرد نہیں تھے۔ بطور خود فکر ریختہ کرتے تھے (۶) شعری لہجہ قلندرانہ تھا۔

مندرجہ بالا چھ بنیادی نکات کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں حضرت صادق علی شاہ کے دو تفصیلی ماخذات (۱) کرامات اصدقیہ۔ مصنفہ مولانا فریدالدین سہرامی اور (۲) لعقد و بیکر مصنفہ ام۔ اے نصر کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔

مولانا فریدالدین سہرامی حضرت صادق علی شاہ کے مرید و خلیفہ حضرت خواجہ قیام اصدق کے اہم ترین خلفا میں سے تھے۔ مدرسہ خانقاہ کبیریہ سہرام میں قرآن و حدیث کا درس دیتے تھے۔ اور اپنے وقت کے مشہور علما اور شعرا میں شمار کئے گئے۔ وہ کرامات اصدقیہ کے صفحہ ۲۵ پر لکھتے ہیں کہ "حضرت خواجہ ابوالعباس سید سعیدالدین الملقب بہ سید صادق علی شاہ اولاد امجاد سے سیدالسادات حضرت قمیص قادر کے ہیں۔ اور حضرت قادر قمیص حضرت غوث اعظم کے اولاد و صاحبزادگانِ آستانہ پیران سادھورے ہیں ... آستانہ پیران سادھورے شہر دہلی میں وارد ہوئے۔ اس وقت سنِ مبارک آپ کا کم و بیش چودہ پندرہ برس کا تھا۔ حضرت مولانا فخرالدین دہلوی کے آستانہ و مدرسہ میں حاضر ہوئے۔ اور شرف بیعت و کسب علوم شریعت و اخذ فیوض معرفت و طریقت سے مشرف ہوئے"

اس بیان سے چند باتوں کی وضاحت ہوتی ہے (۱) نام سعیدالدین (۲) لقب صادق علی (۳) نسب قمیص قادری (۴) وطن سادھورہ ضلع پنجاب (۵) بیعت و خلافت مولانا فخرالدین دہلوی سے (۶) عہد قدرت اللہ قاسم اور مولانا قمر صاحب کا۔ آپ ابھی یہ بھی ملاحظہ فرما چکے کہ ان کے پیر بھائی اور ہمعصر قدرت اللہ قاسم نے ان کی عرفیت حیدری لکھا ہے جو ان کے نسب کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ اور پنجابی الاصل کے تطابق مصنف کرامات اصدقیہ کے اس بیان سے ہو جاتا ہے کہ "صاحبزادگانِ آستانہ پیران سادھورے ہیں۔ ان دو بیانات

کی موجودگی میں ام۔ اے نصر کا یہ بیان کہ "صادق شاہ کہاں سے آئے۔ یہ تحقیق طلب ہے۔" کوئی معنی نہیں رکھتا۔ البتہ ایک مسئلہ ضرور غور طلب ہے کہ ان کا اصل نام کیا تھا؟ قدرت اللہ قاسم لکھتے ہیں "صادق علی شاہ عرف حیدری" مولانا فریدالدین لکھتے ہیں "سید سعیدالدین الملقب بہ سید صادق علی شاہ" مولانا حبیم القادری مانی مروی لکھتے ہیں سعیدالدین قیص القادری الملقب بہ سید صادق علی شاہ" ام۔ اے نصر لکھتے ہیں نام سید خیرالدین اور تخلص صادق تھا" مطبوعہ دیوان صادق میں لکھا ہوا ہے "سید خیرالدین صاحب معروف بہ صادق علی شاہ" سوال یہ ہے کہ اصل نام کون سا ہے۔ سعیدالدین یا خیرالدین؟

"دیوانِ صادق" کی طباعت ۱۳۱۴ ہجری میں ہوئی اور کراماتِ اصدقیہ ۱۳۳۲ ہجری میں مکمل ہوئی۔ ہولیا طور پر ۱۳۳۲ ہجری کے بیان کو ۱۳۱۴ ہجری کے بیان پر ترجیح دیا جانا چاہیئے۔ اس لحاظ سے اصل نام سعیدالدین کہا جاسکتا ہے۔ مگر مشکل یہ ہے کہ دیوان صادق کے قلمی نسخے اور مطبوعہ نسخے دونوں میں حضرت صادق نے خود ہی بار بار اپنے تخلص میں خیر کا استعمال کر کے خیرالدین کی صحت کا جواز پیدا کر دیا ہے۔ کچھ مقطعے ملاحظہ ہوں۔ ؎

جب سنا کہ خیر ہے صادق کھڑا ہوں ہوں کھڑا — جو کہ نقش نقش بندانِ عشق نے کروا کیا
حسن پر اپنے فریفتہ ہے شہ صادق خیر — مئے کی مستی میں گذر عقل سے سناں ہوا
نور سے انوار مست صادق شہ خیر مست — مست ہوں سرشار ہوں مست کو کچھ پوچھ مت

اور اب چند اشعار ایسے بھی سن لیجئے جن میں شاعر اپنا پورا نام خیرالدین استعمال کرتا ہے:۔ ؎

جب چھوڑ کے حب دنیا کو میں صادق خیرالدین ہوا — ہے خانہ بھلا ویرانہ بھلا شہر بھلا کہسار بھلا
جب شر کو اٹھا کر خیر میں آیا صادق خیرالدین ہوا — ہے شکر خدا اس یار نے مجھ کو خلق میں دور آشنام کیا
ہے نور محمدؐ فخر بیچے لبس میں ہوں صادق خیرالدین — میں لے کے بغل میں شیشہ باہم ساقی کے میخوار آیا

اور سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ خود مولانا فریدالدین جو حضرت صادق علی شاہ کا نام سعیدالدین بتاتے ہیں وہ دیوان صادق مطبوعہ کلکتہ کو ۱۳۱۵ھ؛ ۵ نہیں کرتے ہیں۔ صرف اتنا لکھتے ہیں کہ دیوان صادقؒ (از نقل کردہ حضرت مولانا فریدالدین) میں "اشعار زیادہ ہیں بہ نسبت اس نسخے کے، جو کلکتہ والوں نے طبع کرایا" ظاہر ہے کہ اگر وہ ضرورت محسوس کرتے تو یہ بھی لکھ سکتے تھے کہ" اور کلکتہ والوں نے حضرت کا نام بھی غلط لکھ دیا ہے"۔ لہذا خیرالدین کو یک لخت رد کر دینے کا بھی کوئی جواز راقم الحروف کے پاس نہیں ہے۔ البتہ ایک مشکل کی طرف پھر اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ انہیں حضرت قیص قادری کی اولاد تقریباً سبھی نے تسلیم کیا ہے۔ ناچیز نے اس سلسلے میں

مولانا شاہ محمد رضوان اللہ قادری صاحب سجادہ خانقاہ مجیبیہ پھلواری شریف کو خط کے ذریعہ متوجہ کرایا تو انہوں نے مولوی شاہ نصر احمد پھلواروی مرحوم کو تفتیش کی ہدایت کی اور بعدہٗ دونوں حضرات نے جواب سے نوازا اور مجھے مطلع کیا کہ "سید شاہ سعید الدین حضرت قمیص قادری کے بڑے صاحبزادے حضرت محمد قمیص کی اولاد میں تیرہویں پشت میں ہیں"۔ لہٰذا اس پہلو سے حضرت مولانا شاہ فرید الدین کا بیان اپنی صحت ثابت کرتا نظر آتا

میرے خیال میں حضرت صادق علی شاہ کا نام تو سعید الدین ہی تھا۔ مگر غالباً اپنے پیر و مرشد فخر الدین کی مناسبت سے بعد میں خیر الدین ہی استعمال کیا گیا۔ ممکن ہے بارگاہ مولانا فخر ہی سے انہیں خیر الدین کہا گیا ہو۔ کیونکہ جگہ جگہ حضرت صادق علی شاہ یہ فرماتے ہیں کہ: ؎ جب چھوڑ کے جب دنیا کو میں صادق خیر الدین ہوا۔ جب شر کو اٹھا کر خیر میں آیا صادق خیر الدین ہوا۔ ہے نور محمد فخر مجھے بس میں ہوں صادق خیر الدین۔ میں صادق خیر الدین ہوں یارو راہ میں اپنے پیارے کی۔ صادق خیر الدین ہوں پیارے راہ میں اپنے جاناں کی۔ میں جو تھا عاشق صادق سو ہوا خیر الدین۔

میرا خیال ہے کہ حضرت صادق علی خیر الدین تھے نہیں۔ خیر الدین ہو گئے تھے۔ اور جیسا کہ میرا قیاس ہے یہ لقب حضرت صادق علی کو بارگاہ فخر سے ملا اور اس لقب پر وہ اتنا خوش تھے کہ اس خوش بختی کا بار بار ذکر کیا۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:

شہرِ خیر صادق ہوں پیارے کو اپنے　　　بھلا یہ ہوا میں جو سمجھا شتابی

اس لئے میرے خیال میں ان کی کنیت ابو العباس نام سعید الدین تخلص صادق نسبی عرفیت حیدری اور لقب خیر الدین تھا۔ حضرت صادق علی شاہ کے اس تعارف کے بعد اصل قابل غور سوال دو ہے۔ اول تو یہ کہ حضرت مولانا فخر الدین دہلوی کے خلفا میں ان کا تذکرہ کیوں نہیں ملتا۔ اور دوئم یہ کہ بحیثیت شاعر وہ پوری اردو دنیا سے متعارف کیوں نہ ہو سکے۔

میرے خیال میں ان دونوں سوالات کا ایک ہی جواب ہے کہ وہ بنیادی طور پر جہانیاں جہاں گشت بزرگ تھے۔ اس لئے تعارف کے لئے جس ٹھہراؤ یکسوئی اور مقامیت کی ضرورت ہوتی ہے وہ انہیں نصیب نہ ہو سکی۔ اس اجمال کی تفصیل جاننے کے لئے بہتر ہوگا کہ ہم کچھ اقتباسات کے حوالے سے معاملات کو سمجھنے کی ابتدا کریں۔

(۱) وہ سادھورا میں پیدا ہوئے (۲) بقول قدرت اللہ قاسم در فرخ آباد فقیرانہ ایام بسری بردہ (۳) بقول مولانا فرید الدین سہسرامی مصنف کرامات اصدقیہ سادھورا سے شہر دہلی میں وارد ہوئے میں ۲۵ھ (۴) دہلی سے رخصت ہوئے اور مدراس پہنچے سن ۲۶ھ (۵) دکن کی طرف حوالی حیدر آباد کے ایک مقام میں جلوہ افروز ہوئے میں ۲۷ھ (۶) مدراس سے روانہ ہوئے گھومتے پھرتے دریا کے راستے دیار عرب میں پہنچے۔ گیارہ برس تشریف رکھ کر مسلسل گیارہ

حج فرمایا قصد تھا کہ بارہواں حج ادا کریں کہ حضرت مولانا فخرالدین کے وصال کا حال معلوم ہوا۔ اور بخارا کی راہ اختیار کی۔ ص ۲۷-۲۶ (۷) دہلی سے بنگال کی طرف متوجہ ہوئے۔ بردوان میں حضرت خواجہ قیام اصدق کے یہاں ٹھہرے۔ بنگال کے شہروں میں اعلی حضرت صادق علی شاہ کی سیاحت سے کم ہی کوئی شہر بچا ہوگا، ہزاری باغ، اور پلاموں وغیرہ کے علاقوں میں کثرت سے آپ کے مریدان تھے۔ ص ۳۱-۳۲ (۸) ڈھاکہ کے دیار میں تشریف رکھنے کا زیادہ اتفاق ہوا ص ۴۰ (۹) متصل سرانمپ کے ایک جزیرہ پوسو پلانگ کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں اکثر اقامت ہوتی (کرامات اصدقیہ) (۱۰) صادق شاہ کلکتہ بھی آئے (لفظ دیگر، مصنفہ ایم۔ اے نصرا (۱۱) حضرت صادق علی شاہ کا مزار شریف گوال پاڑہ گھاٹ جوگی گوپا آسام میں ہے۔ (لفظ دیگر، مصنفہ ایم۔ اے نصر)

مندرجہ بالا اقتباسات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ سادھورا پنجاب میں پیدا ہوئے مگر ساری زندگی دہلی مدراس، دیارِ عرب، حجاز و شام، بخارا، ڈھاکہ، کلکتہ، بردوان، ہزاری باغ ـــــ، حیدرآباد، پوسوپلانگ اور آسام وغیرہ کے علاقوں میں گھومتے رہے۔ مدراس میں شادی بھی کی اور مدتوں قیام کیا۔ اور گیارہ برس تک دیارِ عرب میں سیاحی فرمائی۔ پھر ایسے جہانیاں جہاں گشت بزرگ کو اگر تذکرہ نگار یاد نہ رکھ سکے تو اس میں شایدان کا قصور بھی نہیں۔ مگر اس کے باوجود ان کی شاعری اردو کی صوفیانہ شاعری کا ناقابلِ فراموش حصہ ہے۔

حضرت صادق علی شاہ حضرت مولانا فخرالدین دہلوی کے مرید تھے۔ اس کا تذکرہ زیادہ جگہوں پر تو نہیں لیکن کچھ جگہوں پر ضرور ملتا ہے۔ مثلاً مولانا فریدالدین سہرامی لکھتے ہیں کہ "حضرت صادق علی شاہ حضرت مولانا فخرالدین دہلوی کے آستانہ و مدرسہ میں حاضر ہوئے اور شرف بیعت و کسب علومِ شریعت و اخذ فیوضِ معرفت و طریقت سے مشرف ہوئے۔ اور ایک زمانہ تک فیضانِ صحبت و برکت عرفان سے مستفیض رہے (کرامات اصدقیہ ص ۱۰) ایم۔ اے نصر لکھتے ہیں کہ "وہ مرید حضرت فخرالدین کے تھے۔" (لفظ دیگر) مولانا حبیم القادری مانی ندوی لکھتے ہیں کہ "حضرت مولانا فخرالدین محب النبی چراغ چشت سے مرید ہوئے۔ اور علوم ظاہری و باطنی حاصل کئے۔ (باقر آروی قسط دوم المجیب۔ جنوری ۷۵ء ص ۲۷) اور خود دیوان صادق میں حضرت چراغ چشت کی جو منقبت ہے اس میں واضح طور پر حضرت صادق فرماتے ہیں کہ : ؎

صادقِ استادِ برہاں فخر مولانا مرا　　　مولوی صاحب چراغ چشت فخرالدین نام

مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ خانوادۂ اصدقیہ کے شجرۂ بیعت میں حضرت مولانا فخرالدین دہلوی اور حضرت صادق علی شاہ کے درمیان ایک نام حضرت محب اللہ بخاری کا بھی ہے۔ اور خود دیوان صادق میں

حضرت محب اللہ بخاری کی شان میں دستیاب منقبت میں یہ شعر بھی موجود ہے کہ :۔

اپنی پہچانت سے تھا محتاج سو اس پیر نے — ہاتھ پکڑا کر کرم محمد صادق گمراہ کا

لہٰذا اس بیّن ثبوت کی روشنی میں، میں بھی ایم اے نقر کے اس بیان سے اپنے آپ کو متفق پاتا ہوں کہ حضرت صادق علی شاہ سلسلہ چشتیہ کے معتبر بزرگ حضرت محب اللہ کے خلیفہ تھے۔ لیکن وہ مرید حضرت فخر الدین چشتی کے تھے "(لفظ و پیکر)

انتقال کے بارے میں اختلاف ہے۔ ایم اے نقر "لفظ و پیکر" میں لکھتے ہیں کہ ان کا مزار گوال پاڑہ آسام میں ہے اور حضرت مولانا فرید الدین کے خیال میں ان کا مزار پوسو بلانگ میں ہے۔ بعد کے بزرگوں میں حضرت مولانا انوار الحق شہودی نازش سہسرامی نے بھی ایک شعر میں پوسو بلانگ ہی کی طرف اشارہ کیا ہے، فرماتے ہیں :۔

غلغلہ پیدا شدہ در محل پوسو بلانگ — نعرۂ مستانہ زد آشفتہ جاں انوار من

ناچیز اس سلسلے میں ہنوز کسی حتمی فیصلے تک نہیں پہنچ سکا۔

حضرت صادق علی شاہ کی شاعری بہت تفصیلی گفتگو کی طالب ہے جس کا اس وقت موقع نہیں ہے میں فی الوقت ان کی شاعری سے آپ حضرات کا صرف تعارف کراؤں گا تاکہ ان کے خطوط پر آگے تفصیلی گفتگو کی جا سکے۔

تو عرض یہ ہے کہ حضرت صادق علی شاہ اپنے رویے میں خالص وحدت الوجودی تھے۔ اور ان کا پورا کا پورا دیوان وحدت الوجودی رنگ میں رنگا ہوا ہے۔ کچھ اشعار آپ بھی ملاحظہ کریں :۔

مصوّر نے چاہا کہ اپنی ہی آپ ہی یہ تصویر کھینچے سو تصویر کھینچا — لے قدرت کے جدول کو تختی پہ ہستی کے تحریر کھینچے سو تحریر کھینچا
تو حاکم ہے آپ ہی تو محکوم آپ ہی ہو محبوس الفت میں پاؤں میں اپنے — بہ زندانِ کثرت میں اربع عناصر کی تحریر کھینچے سو تحریر کھینچا

یار نے چاہا یوں تو آپ ہی اپنے میں اظہار ہوا — آپ کہوں انہار کہوں اشجار کہوں اثمار ہوا
لیلیٰ ہو خود محمل باندھا ناقے کے لیے پشتہ اوپر — مجنوں خود وہ آپ ہی ہو کر شائق وصل یار رہا
آپ ہی شیریں ہو کر وہ فرہاد کے دل کو ساتھ کیا — تیشۂ کوہ کن آپ ہوا جاں باز ہوا کہسار ہوا
صوفی ہو خود اور رقص کیا گہ خنداں گاہے اشک رواں — خود چنگ ہوا خود ساز ہوا خود نغمہ اور مزمار ہوا
یار کو خلوتِ خاص میں جس دم جلوہ اک درکار ہوا — جامہ پہنا امکان کا اور آپ ہی وہ اظہار ہوا
آپ ہی عقل کامل عرش اور کرسی آپ ہی لوح و قلم — آپ ملک اور آپ فلک خود ثابت اور سیار ہوا
عاشق اپنا آپ ہوا اپنے حسن اوپر مشتاق بنا — آرسی عکس وہ آپ ہوا خود دید ہوا دیدار ہوا
ادھر بھی موجود وہی اور ادھر بھی موجود وہی — آپس میں کر تیغ زنی یوں مجھ کو اسیرِ دام کیا

وحدت الوجود کے علاوہ دوسرا اہم پہلو ان کی شاعری کا قلندرانہ آہنگ ہے۔ میرا خیال یہ ہے کہ اردو کی صوفیانہ شاعری کے اس اہم آہنگ کی طرف ابھی تک توجہ ہی نہیں کی گئی۔ حالانکہ حضرت نیاز بریلوی، حضرت آسی سکندرپوری اور چند اور صوفی شعراء کے یہاں ملتی جلتی 'جو ہو سو ہو' 'ہُو ہُو' وغیرہ الفاظ کے ذریعہ ایک مخصوص قلندرانہ مزاج اور آہنگ کی نمود نمایاں ہے۔ اور یہی قلندرانہ آہنگ حضرت صادق علی شاہ کے یہاں بھی موجود ہے ملاحظہ ہو:

؎
سو ناز بھری مُرلی میں پھونکا رے میاں پھونکا — یہ عشق گری مُرلی پھونکا رے میاں پھونکا
ہے جوشِ جنوں دل پر صحرا کو نکل جانا — من مست کرے مُرلی پھونکا رے میاں پھونکا
تقوی کا مرے جامہ لیتا جا ارے زاہد — اب پردہ دری کر لی پھونکا رے میاں پھونکا
پھونکے ہے اُدھر مُغنی اِدھر سے پکارے ہے — جادو کی بھری مُرلی پھونکا رے میاں پھونکا

کچھ کام نہیں اس عالم سے اب میں اور میرا یار بھلا — لے جام و صراحی ہاتھوں میں مجھ پاس کھڑا دلدار بھلا
آ ساقی مجھ کو دُرد پلا اسلام مجھے درکار نہیں — اب جی میں یوں ہی آتا ہے کہ تو اور میں سرشار بھلا
گر تیغِ نگاہِ دو دم سے محبوب مجھے آ قتل کرے — یہ جان گئی تو صدقہ ہے معشوق مرا خونخوار بھلا

مجھے کام کسی سے نہ کچھ بھی رہا اب تو منوا بھلا مرا منوا بھلا — نا میں بیگانہ ہوں نا یگانہ ہوا اب تو منوا بھلا مرا منوا بھلا
کبھو کہتا تھا شخص سے عکس جدا کبھو کہتا تھا عکس سے شخص جدا — مارے شکر ہے دوئی کا پردہ اٹھا اب تو منوا بھلا مرا منوا بھلا

ساقی کے بلہار جو سامانِ رسوائی دیا — ہاتھ میں شیشہ ہوا اور مئے سے پُر پیالا ہوا
نورِ انوار ست صادق شیرِ خیر مست — مست ہوں سرشار ہوں مست کو کچھ پوچھ مت
شیشے میں مئے، مئے میں شیشہ جو پلایا ہو پیا — کیا نشہ ہے کیا نشہ ہے کیا خمار
بسملہ ٹوپی رکھتا تھا میں جبہ اور دستاریاں — رہن رکھا کر ساقی کے گھر اب تو ہو لے خوار فقط
خوب کہتے ہو میاں جلوہ نمائی اے واہ — ہے قیامت یہ تمہاری تو دکھائی اے واہ
سانجا صاحب اک رنگ سو رنگ رنگاون ہارے — آپ ہی بولے طرح طرح سے آپ بلاون ہارے

مندرجہ بالا صفحات میں حضرت صادق علی شاہ کی شاعری کے سلسلے میں جو گفتگو بھی کی گئی وہ دیوانِ صادق کے مطبوعہ اور قلمی نسخوں کے حوالے سے ہے جن میں صرف غزلیں ہیں یا ایک دو مستزاد، مگر حضرت صادق کی کچھ نوحے بھی ہیں جن کی جانب اشارہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔

سفارش حسین رضوی نے اردو مرثیہ نگاروں کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت صادق کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے

کہ "قاسم کا کہنا ہے کہ اصل میں وہ پنجابی تھا اور ترتیب تذکرہ کے وقت فرخ آباد میں موجود تھا" ظاہر ہے کہ یہ ذکر حضرت صادق علی شاہ کا ہی ہے۔ پھر ایسا ہی ایک بیان مرزا امیر علی جون پوری کا ان کی کتاب "مرثیہ نگاران اردو" میں ملتا ہے۔ مرزا امیر علی لکھتے ہیں "صادق دکنی۔ متخلص صادق، کتب خانہ سالار جنگ حیدر آباد کی ایک بیاض میں مرثیے محفوظ۔ کلام دیکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر کے کلام میں زور ہے۔ پرواز تخیل کی بھی کمی نہیں۔ مرثیہ نگاری کے فن میں ماہر، ستارہ شناس بھی.... ادارۂ ادبیات حیدر آباد میں کلام کا نمونہ موجود ہے" میں امیر علی جون پوری کے اس بیان کا تطابق مولانا فریدالدین سہسرامی کے ایک اقتباس سے کرنا چاہوں گا جو ان کی کتاب "کرامات اصدقیہ" سے ماخوذ ہے، فرماتے ہیں "دکن کی طرف حوالی حیدر آباد کے ایک مقام میں جلوہ افروز ہوئے ۳۵ "

کرامات اصدقیہ تذکرہ ہے۔ اور اس میں تذکرہ کی تمام خصوصیتیں موجود ہیں۔ لہٰذا حضرت صادق کے قیام حیدر آباد سے متعلق مزید تفصیلات کی تلاش کار عبث ہے۔ قابل غور نکتہ یہ ہے کہ ان کے حیدر آباد میں قیام کا تذکرہ موجود ہے۔ اور سفارش حسین رضوی انہیں وہی صادق علی قرار دیتے ہیں جن کا تذکرہ قدرت اللہ قاسم نے کیا ہے۔ لہٰذا میرے خیال میں امیر علی جون پوری نے جن صادق دکنی کا تذکرہ کیا ہے وہ بھی وہی صادق علی ہیں۔ اس سلسلے میں تطابق کی ایک اور گنجائش موجود ہے امیر علی جون پوری کہتے ہیں کہ "صادق دکنی ستارہ شناس بھی تھے۔ اور اس بیان کو سامنے رکھتے ہوئے اب دیوان صادق سے چند اشعار سنیئے: ؎

چلا پے بہ پے جلد منزل بہ منزل — مقام چہارم کو پہنچا رسیلا
بتاریخ پنجم گھڑی سات دن کو — ہوا پیدا برج نہم میں جمیلا
نہ میں آتشی ہوں نہ بادی ہوں یارو — نہ خاکی نہ آبی ہوں مثل حبابی
مشتری ہے اس دل انمول کا تو یار ہے — دہر کے ایماں طبق پر نذر لے جا کیجئے

آخری شعر کی معنوی صحت پر اگر آپ شکن بر جبیں ہیں تو میں آپ کو مطمئن کرنے کی کوشش بھی نہیں کروں گا کیونکہ میری غرض تو صرف یہ ہے کہ میں دیوان صادق میں مستعمل مقام چہارم گھڑی، سات برج نہم اور مشتری کے حوالے سے ان کی ستارہ شناسی کا ثبوت مہیا کروں۔

غزل اور مرثیہ کے علاوہ حضرت صادق کی کچھ اور جہتوں کا تذکرہ ام۔ اے نصر نے اپنی کتاب "لفظ و پیکر" میں کیا ہے۔ میں بہتر سمجھتا ہوں کہ انہیں کے اقتباسات پیش کروں، ملاحظہ ہو:

"نصیرالدین ہاشمی نے اردو مخطوطات (جلد دوم) کے حصہ تصوف و اخلاق میں چند ایسی کتابوں کا بھی ذکر کیا ہے جن کے مصنفین سے وہ ناواقف ہیں مثلاً "رسالہ سلوک" "سہ رسائل تصوف" "رسالہ تصوف"

یہ تینوں کتابیں ١٢٠٠ ہجری میں تصنیف ہوئیں اور ان میں متصوفانہ خیالات قلم بند ہوئے ہیں اور شاعرانہ لہجہ میں بھی یکسانیت ہے۔ ان کتابوں کے اشعار کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مصنف صادق علی شاہ ہی تھا کیونکہ یہ اشعار ان ہی غزلوں اور نظموں سے تعلق رکھتے ہیں جو یہاں (بنگال میں) سینہ بہ سینہ صوفیائے کرام کے یہاں منتقل ہوتی رہی ہیں۔ اور صادق علی شاہ سے موسوم ہیں (حضرت صادق کے مرید و خلیفہ داتا مسکین علی شاہ مولانا دولونا پوکھر، ٹرام ڈپو، متصل گلی استارہ ہند پریس کلکتہ) کے موجودہ خلیفہ خانقاہ میں ان اشعار کو مریدوں اور معتقدین کے درمیان دہراتے ہوئے سنے جاتے ہیں۔ خاص طور پر "رسالہ تصوف" یہاں "بولتا نامہ" کے نام سے مشہور ہے۔ "بولتا نامہ" ایک طویل نظم ہے۔ جس کے بعض اشعار نصیر الدین ہاشمی کے مندرجہ اشعار سے قدرے مختلف ہیں مثلاً:

؎ بولنے کی راہ پر ہو استوار بول بسم اللہ دل سے بار بار

جب کہ یہ شعر یہاں (حضرت داتا مسکین علی شاہ کی خانقاہ میں) اس طرح مشہور ہے:-

بولنے کی راہ پر ہو مستقیم بولتا ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم (ماخوذ از نقاد، بیکل

ام اے نصرتے اس اقتباس میں صرف "رسالہ تصوف" کا ایک شعر درج کیا ہے۔ میں نے جب اردو مخطوطات (جلد دوم) مرتبہ نصیر الدین ہاشمی کی ورق گردانی کی تو مجھے "رسالہ سلوک" اور "سہ رسائل تصوف" کے بھی کچھ نمونے مل گئے جو پیش خدمت ہیں:

اشعار رسالہ سلوک:-

کلمۂ طیب سے یہی مقصود ہے یعنی میں نہیں ہوں خدا موجود ہے
نا مجھے ہے ذات نا مجکو صفات نا مجھے ہے علم نا مجکو حیات
نا ارادت ہے نہ قدرت ہے مجھے ناسماعت نا بصارت ہے مجھے

اشعار سہ رسائل تصوف:-

کہیں صاحب ہوا کہیں غلام کہیں بڑا ہوا کہیں چھوٹا
کہیں پیر ہوا کہیں مرید ہوا کہیں باپ ہوا کہیں بیٹا
آپی گائے آپی تھاے آپی گائی آپی کھائی

دونوں کتابوں کے اشعار ایک طرف رکھیے اور خدا بخش لائبریری میں موجود دیوان صادق دوسری طرف، مجھے یقین ہے کہ مواد اور اسلوب دونوں میں ذرہ برابر فرق نہ کیا جاسکے گا۔ اس سلسلے میں ایک اور

بات قابلِ ذکر ہے کہ "سہ رسائلِ تصوف" کا آغاز درود شریف سے کیا گیا ہے۔ درود شریف کی عبارت یہ ہے اللّٰھم صلِ علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آلِ سیدنا محمد و بارک وسلم۔ بالکل لفظاً بہ لفظاً یہی درود آج تک خانوادۂ اصدقیہ شہودیہ کی تمام خانقاہوں میں پڑھا جاتا ہے۔ مواد و اسلوب کے لحاظ سے ایک اور قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ ہم اسے نثری "رسالہ تصوف" کے صرف ایک شعر

بول بسم اللہ دل سے بار بار — بولنے کی راہ پر ہو استوار

کی مطابقت خانقاہ داتا سکین شاہ میں پڑھے جانے والی نظم بولتا نامہ کے شعر؎

بولتا ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم — بولنے کی راہ پر ہو مستقیم

سے کی ہے۔ مگر اس رسالہ کے اختتام پر جو دو اشعار نصیر الدین ہاشمی نے درج کیے ہیں وہ حسبِ ذیل ہیں:؎

اسی کی آنکھ میں سارا جہاں سمایا ہے — گزر کر آپ سے پھر آپ کو جو پایا ہے

ڈرانے کے لیے سب کو حدیث و آیہ ہے — نہ کوئی جاتا ہے یہاں سے نہ کوئی آیا ہے

ان دونوں اشعار کی بھی فکری اور اسلوبیاتی کیفیت دیوانِ صادق، رسالہ تصوف اور سہ رسائلِ تصوف کے اشعار کی فکری اور اسلوبیاتی کیفیت سے خطرناک حد تک مماثلت رکھتی ہے۔ لہٰذا میرے خیال میں بھی یہ رسالے حضرت صادق علی شاہ کے ہی ہیں۔ ان شعری کاوشوں کے علاوہ نثر میں بھی ایک کتاب "رسالہ برزخ" موجود ہے۔ داتا سکین علی شاہ کے مزار کے مجاور فضل الرحمن صاحب کی مہربانی سے ناچیز کو اس کی زیارت کا شرف حاصل ہوا۔ یہ کتاب ستارۂ ہند پریس میں چھپی، اس کے سرورق پر یہ تحریر مندرج ہے "بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ الا ان اولیاء اللہ لا خوفٌ علیھم ولا ھم یحزنون۔ الحمد اللہ کہ کتاب رسالہ برزخ حسنات فیض از تصنیفِ لطیف عالم باکمال معدنِ لدنی محرمِ اسرارِ خفی و جلی حضرت خواجہ سید فخر الدین متخلص بہ صادق علیہ الرحمۃ خلیفہ شیخ المشائخ عارفِ کامل حضرت خواجہ محب اللہ چشتی" یہ رسالہ دراصل برزخِ شیخ کے مراحل اور فوائد بیان کرتا ہے اور اس بات کا ثبوت مہیا کرتا ہے کہ حضرت صادق نثر اور شعر دونوں میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔

مندرجہ بالا باتوں کی روشنی میں حضرت صادق علی شاہ کے متعلق چند باتیں بہت تیقن کے ساتھ کہی جا سکتی ہیں (۱) ان کی غزلوں کا قلمی نسخہ خدا بخش لائبریری، ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے اور خانقاہ اصدقیہ بیربگیہ ضلع نالندہ اور خانقاہ فریدیہ سہسرام میں ہونا چاہیے۔ (۲) ان غزلوں کا ایک انتخاب کلکتہ سے اور ایک بمبئی سے شائع ہوا۔ (۳) ان کی نثری کاوش رسالہ برزخ کی صورت میں موجود ہے۔ (۴) ہمعصر تذکرہ نگاروں نے ان کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ (۵) ان کے مرثیے اور دیگر کلام کے نمونے ادارۂ ادبیات حیدر آباد میں موجود ہیں۔

اور چند باتوں کے بارے میں بڑے یقین کے ساتھ دعویٰ کیا جا سکتا ہے۔ (۱) داتا سکین علی شاہ کی خانقاہ اور

اس خانقاہ سے منسلک حضرات میں مشہور حمدیہ نظم "بولتا نامہ" اور نصیر الدین ہاشمی کے ذکر کردہ رسالہ تصوف کی حمدیہ نظم بہ اختلاف الفاظ ایک ہی مصنف حضرت صادق علی شاہ کی تصنیف ہے (۲)، نصیر الدین ہاشمی نے کتاب "ثمرۃ الفوائد" کے سید مرتضیٰ ابن صادق علی ساکن مدراس کا جو تذکرہ کیا ہے یہ دراصل حضرت صادق علی شاہ کے ہی صاحبزادے کا تذکرہ ہے کیونکہ مولانا فرید سبزواری "کرامات اصدقیہ" میں رقمطراز ہیں کہ :

"حضرت (صادق علی) آستانہ دہلی سے رخصت ہوئے اور سیر کرتے ہوئے مدراس پہنچے۔ اتفاقِ وقت سے مدراس میں کچھ روز قیام ہوگیا۔۔۔ حسبِ تقدیر و مشیت خداوندی ایک خاندانِ متمول نوب ذی اقتدار کی صاحبزادی سے اعلیٰ حضرت صادق علی شاہ نے شادی کی اور اس تعلق و تاہل کی وجہ سے ایک زمانہ تک بود و باش کا اتفاق ہوگیا۔ اس اثنا میں اولادِ پاک بنیاد بھی متولد ہوئے۔ ایک صاحبزادے کا اسم گرامی مردان علی شاہ رکھا گیا۔ دوسرے صاحبزادے کا اسم شریف نہیں معلوم ہوا بلکہ بقول بعضے صاحبزادے کی شادی بھی اعلیٰ حضرت نے انجام دی ص ۲۶ ـ ۲۷"۔

ظاہر ہے کہ شادی، بچوں کی پیدائش اور پھر ان کی شادی کا صاف مطلب یہی ہے کہ برسہا برس وہاں قیام پذیر ہوئے۔ پھر ایسی صورت میں اگر سید مرتضیٰ ابن سید صادق علی ساکن مدراس کو حضرت صادق علی شاہ کا صاحبزادہ مانا جائے تو غالباً یہ صحیح ہی ہوگا۔ اور ایک بات! آخری بات، یہ قیاس کرتا ہوں۔ صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے۔

ڈاکٹر امرت لال عشرت نے لکھا ہے کہ "مثنوی قصہ مہتاب شاہ و شاہزادہ صف شکن کے مصنف صادق ہیں۔ متداول تذکروں میں صادق سے متعلق کوئی اطلاع نہیں ملی۔ لیکن سعادت یار خاں رنگین نے اپنے ایک منظوم خط میں صادق کا پورا نام میر صادق علی بتایا ہے۔ ڈاکٹر محمد باقر نے مثنوی کا وقت تالیف ۱۱۹۹ سے ۱۲۰۲ ہجری مقرر کیا ہے بیسوں الفاظ ایسے ہیں جو مصنف کے پنجابی ہونے کا ثبوت ہیں از ندر مقبول۔ امرت لال عشرت ص ۴۶، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۴)

اب ناچیز کا قیاس یہ ہے کہ قدرت اللہ قاسم کے صادق علی شاہ بھی پنجابی الاصل اور اس مثنوی کے مصنف میر صادق علی بھی پنجابی، قدرت اللہ قاسم سے صادق علی حیدری اس مثنوی کے مصنف میر یعنی کے اولادِ حیدر کرار، حضرت صادق علی، حضرت مولانا فخر الدین دہلوی کے مرید اور حضرت مولانا فخر کی تاریخ وفات ۱۱۹۹ ہجری یعنی حضرت صادق علی کی ولادت۔۔ بہرحال ۱۱۹۹ ہجری سے قبل ہوئی اب قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت صادق علی کم از کم ۱۱۸۰ سے ۱۲۰۳ ہجری کے درمیان تو ضرور ہی موجود اور باہوش کہے جا سکتے ہیں۔ اور یہی زمانہ قصہ مہتاب و شاہزادہ صف شکن کا زمانہ تصنیف ہے۔ اور قصہ مہتاب شاہ ہی کیا سہ رسائلِ تصوف "رسالہ السلوک" اور "رسالہ تصوف" بھی

...۱۱ ہجری کی تصنیف ہے ۔ تو کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ سرگروہِ خانوادہ اصدقیہ کے حضرت ابوالعباس سعید الدین عرف صادق علی حیدری الملقب بہ خیر الدین صادق رحمۃ اللہ علیہ مثنوی قصہ مہتاب شاہ و شاہزادہ صف شکن کے میر صادق علی اور نصیر الدین ہاشمی کے دہی صادق علی جن کا تذکرہ قدرت اللہ قاسم نے کیا اور سید مرتضیٰ ساکن مدراس کے والد میر سید صادق علی متوطن علاقہ دکن اور امیر علی جونپوری کے صادق دکھنی یہ سب کے سب ایک ہی ہوں۔ ضرورت ہے کہ اس شخصیت پر کام کیا جائے!۔

کتابیات :

(۱) دیوان صادق (۲) مجموعہ نغز۔ قدرت اللہ قاسم (۳) عیار الشعراء ۔ خوب چند ذکا (۴) تاریخ ادب ہندوستانی ۔ گارساں دی تاسی (۵) طبقات الشعراء ۔ مولوی کریم الدین (۶) یادگار شعراء ۔ ڈاکٹر اسپرنگر (۷) اردو مرثیہ ۔ سفارش حسین رضوی (۸) مرثیہ نگارانِ اردو ۔ امیر علی جون پوری (۹) کراماتِ اصدقیہ ۔ مولانا فرید الدین سہسرامی (۱۰) لفظ و پیکر ۔ ایم اے نصر (۱۱) رسالہ برزخ ۔ حضرت صادق علی شاہ (۱۲) سہ رسائلِ تصوف ۔ صادق علی شاہ (۱۳) رسالہ سلوک ۔ صادق علی شاہ (۱۴) رسالہ تصوف ۔ صادق علی شاہ (۱۵) باقر آروی ۔ مولانا جسیم القادری مانی ندوی (۱۶) تذیر مقبول ۔ امرت لال عشرت (۱۷) بیاض حضرت مولانا انوار الحق شہودی نازش سہسرامی ۔

●●

حیدرآباد، دکن کے ممتاز علی صاحب مرحوم

کا

روزنامچہ سفر پٹنہ

(۱۹۳۰ء)

:- عطیہ :-

جناب عبدالصمد خاں

ڈائرکٹر اردو ریسرچ سینٹر حیدرآباد

تعارف

اس کے مصنف ”پنکی کر دنیا میں ڈال“ والے گروپ سے متعلق معلوم ہوتے ہیں البتہ ناظم صاحب کا اور بعض دوسرے صاحبوں کا ذکر ہے اور کئی بار ذکر آیا ہے۔ ناظم صاحب کا نام بھی ایک جگہ مل جاتا ہے یعنی ”سیّد خورشید علی“۔ سیّد خورشید علی کا احوال ایک معاصر سوانح نگار کے قلم سے نقوش کے شخصیات نمبر میں مل گیا جہاں تمکین کاظمی نے حیدر آباد کی اہم شخصیتوں کے بارے میں لکھا ہے۔ خورشید علی صاحب کے بارے میں ان کا بیان درج ذیل ہے:

”دفتر دیوانی بالکل اسنادی اور تاریخی دفتر تھا، مولانا نے اسے بڑی عمدگی سے منظم کیا تھا۔ منتخب لوگوں کو جگہ دی تھی اور سب کو بڑی ہی عمدگی سے تیار کیا تھا۔ اس دفتری تنظیم کے علاوہ ایک اخلاقی ترتیب بھی ایسی قائم کی تھی کہ دفتر کے لوگ اس طرح رہتے تھے گویا ایک ہی خاندان کے افراد ہیں۔ معلوم یہ ہوتا تھا کہ دفتر دیوانی میں ایک ہی خاندان ہے جس کے سرپرست مولانا خورشید علی ہیں۔

”مولانا کی شخصیت بڑی ارفع و اعلیٰ ہے۔ آپ حیدر آباد کے قدیم اور شریف گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ابتدائی تعلیم حیدر آباد ہی میں ہوئی پھر نظام کالج میں بھی آپ نے تعلیم پائی اور نوجوانی ہی میں علم و ادب، ملک اور سماج کی خدمت میں منہمک ہو گئے۔ ابتداً فینانس میں مترجم کی حیثیت سے مامور ہوئے اور پھر جلد ہی ترقی کر کے مددگار معتمد اور پھر ناظم دفتر دیوانی و مال ہو گئے۔ اتفاقاً آپ کو سر گلانسی اور سر اکبر حیدری جیسے

عہدہ داروں کے ساتھ کام کرنے کا اتفاق ہوا اور ان عہدہ داروں نے آپ کی حقیقی قدر افزائی کی، نوجوانی ہی سے آپ تحریر و تقریر میں خاصے مشہور ہو گئے تھے، ادیب، افادہ، ذخیرہ، خاتون وغیرہ رسائل اور متعدد جرائد میں آپ کے مضامین بہت چھپا کرتے تھے۔ انگریزی سے ترجمہ کرنے میں آپ کو کمال تھا، گو کہ سب سے پہلے اردو میں آپ نے ہی ایک مختصر سی کتاب شائع کی تھی اور اردو داں طبقے کو سروجنی نائیڈو کی شاعری سے آپ ہی نے روشناس کرایا تھا۔

بیت المعذورین، نظام کلب، والنٹیر کور، حیدرآباد ایجوکیشنل کانفرنس کے مدتوں سکریٹری رہے۔ آپ نے عہد عثمانی کی تعلیمی، علمی ادبی ترقیوں پر ڈاکٹر زور، عبدالقادر سروری، رائے جانکی پرشاد سے مختلف کتابیں لکھوا کر چھپوائیں اور ایک شاہ پرست کی طرح ہمیشہ فدائی رہے۔

"پندرہ سال سے زیادہ ہوا کہ آپ نے ریٹائر ہو کر اپنی زندگی علم و ادب کے لیے وقف کر دی ہے، دکن کی کئی تاریخیں آپ نے ایڈٹ کیں چنانچہ "تاریخ راحت افزا" چھپوا بھی دی ہے اور مآثر نظامی وغیرہ مرتب شدہ رکھی ہیں۔ اب بھی آپ علم و ادب کی خدمت میں مصروف ہیں اور کچھ نہ کچھ کیے ہی جاتے ہیں۔ تاریخ خصوصاً تاریخِ دکن پر آپ کی نظر بڑی وسیع ہے اور ادب پر بھی انشا پردازانہ عبور ہے۔ اردو بڑی لطیف اور پیاری لکھتے ہیں۔"

○

مصنف نے روزنامچے کے خاتمہ پر لکھا ہے،

"اس چودہ دن کے سفر میں ہم نے ہندوستان کے تین صوبوں کے دارالحکومت دیکھے یعنی پٹنہ، الٰہ آباد اور ناگپور، ان کے علاوہ بنارس اور مرزا پور کے شہر اور ہوشنگ آباد کا مقام بھی دیکھا۔"

مصنف نے اس روزنامچہ میں مندرجہ بالا سب جگہوں کے بارے میں بھی تفصیل سے لکھا ہے۔ لیکن ہم نے پٹنہ اور خدا بخش والے حصے کی اشاعت کو ترجیح دیدی ہے اور اس میں ترتیب میں معمولی سی تبدیلی کر دی ہے یعنی خدا بخش والا حصہ درمیان

سے ہٹ کے شروع میں لے آئے ہیں، اور پھر پٹنہ جوں کا توں ہے۔

○

پہلے یہی خیال تھا کہ صرف پٹنہ والا حصّہ پیش کیا جائے، پھر سوچا ایک بار اتنا حصّہ چھپنے کے بعد بقیہ حصّہ پڑا ہی رہے گا۔ پٹنہ کا نہ سہی ہندستان کے اہم شہروں کا تذکرہ تو ہے، ان جگہوں سے دلچسپی رکھنے والے، ان پر کام کرنے والے بھی رہیں گے، انھیں کیوں محروم رکھا جائے؟ اس لیے صرف اتنا کیا ہے کہ اُسے الگ دیدیا ہے کہ دونوں حصّے ممتاز ہو جائیں۔

شرکا ر سفر سعید الدین خاں، محمود علی طاہر، عبد اللطیف، رگھو بیر ہلی اور اس روزنامچہ سفر پٹنہ کے مرتب ممتاز علی صاحبان، اسٹیٹ آرکائیوز = دفتر مال ملکی، حیدر آباد سے متعلق تھے۔

— عبد الصمد خاں

گورنمنٹ ہسٹاریکل ریکارڈس کمیشن (Governments Historical Records Com-mission) کا تیرہواں اجلاس اس سال پٹنہ میں ۲۲ و ۲۳ دسمبر ۱۹۳۰ء کو ہونے والا تھا حسب معمول عالیجناب ناظم صاحب (مولوی سید خورشید علی صاحب) اس میں شرکت کے لیے روانہ ہو رہے تھے اور اس مرتبہ اپنے ساتھ سرکاری طور پر دفتر سے بھی چار لوگوں کو لے جانے والے تھے چنانچہ ۱۹ دسمبر یوم شنبہ کو چار اصحاب یعنی سعید الدین خاں صاحب، محمود علی طاہر صاحب، عبداللطیف صاحب اور رگھو بیر پلی صاحب کا انتخاب ہو گیا۔ منظوری چونکہ صرف چار ہی کی لی گئی تھی اس لیے انتخاب کے دوسرے دن ناظم صاحب (مولوی سید خورشید علی صاحب) نے مجھے اپنے ذاتی خرچ سے ساتھ لے چلنے کے لیے فرمایا جس کے بعد میں نے بھی سفر کی تیاری شروع کر دی۔

(دسمبر ۱۹۳۰ء کی پٹنہ کی اس نمائش میں) مشرق کے مشہور ترین کتب خانے یعنی کتب خانہ خدا بخش کا ذخیرہ (بھی) رکھا ہوا تھا جو تاریخی اعتبار اور قدامت کے لحاظ سے بہت ہی نادر الوجود تھا مثلاً دیوان حافظ جسکے آخری صفحہ پر سلطان حسین شاہ ہرات اور تیموری امرا کی مہریں پڑی ہوئی ہیں علاوہ بریں اس کے حاشیہ پر ہمایوں اور جہانگیر وغیرہ کے قلمی متعدد نوٹ لکھے ہوئے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ یہ دیوان خاندان تیموریہ سے ہندستان آیا اور اخیر زمانہ تک شاہی کتبخانہ کی زینت بنا رہا۔ صحیح تاریخ کتابت معلوم نہیں ہوئی لیکن بہت خوشخط ہے اور ابتدائی دو صفحوں پر بہت عمدہ طلائی کام کیا گیا ہے۔ ایک دوسری چیز دیوان کامران تھی۔ یہ دیوان خود کامران کی زندگی میں لکھا گیا تھا جو بعد کو بطور ورثہ مغل بادشاہوں میں منتقل ہوتا آیا۔ اس کے اوپر بھی جہانگیر، شاہجہاں اور دیگر امرا کی تحریریں اور مہریں ہیں۔ سرجری اور ادویات پر بھی دو عربی کتابیں تھیں یعنی کتاب التصریف" جلد دوم اور "کتاب الحشایش"۔ یہ دونوں کتابیں مشہور ہیں۔ پہلی حکیم خلیفہ بن عباس الزہراوی کی تصنیف کردہ ہے: مصنف کا انتقال ۴۰۴ھ میں ہوا تھا۔ کتاب الحشایش میں ان تمام پودوں کی رنگین تصاویر بھی ہیں جن سے دوائیں تیار ہوتی تھیں۔ کتاب التصریف میں بہت صاف آلاتِ جراحی کی

تصاویر بنی ہوئی ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ زمانہ موجودہ کی سرجری صرف دانایان فرنگ کی دماغ سوزیوں کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس کا وجود کم ازکم ۴۰۰ برس سے ضرور ہی پایا جاتا ہے۔

ایک چوتھی چیز "مطلع الانوار" تھی جسکو شہر بخارا کے مشہور خوش نویس میر علی نے سلطان عبدالعزیز شاہ بخارا کے لیے ۹۴۷ء میں نقل کیا تھا۔ ایک اور نایاب چیز کتاب الفرقان تھی جسکو خلافت عباسیہ کے زمانہ میں مشہور خوشنویس جمال الدین یاقوت المستعصمی نے ۶۶۸ھ میں تین خطوں میں لکھا تھا یعنی خط نسخ، خط ریحان، اور خط ثلث۔ فردوسی کا مشہور شاہنامہ بھی تھا جسکو کابل و کشمیر کے گورنر علی مردان خان نے نقل کرکے شاہجہاں کو تحفۃً پیش کیا تھا مذکورہ بالا کتابوں کی طرح اگرچہ نسبتاً قدیم نہیں لیکن زمانہ حال کے لحاظ سے قدیم اور نایاب چیز ایک کلام مجید تھا جو آصف الدولہ شاہ اودھ کی ماں بادشاہ بیگم کے پڑھنے کے لیے لکھا گیا تھا۔ ان کے علاوہ اور بھی دو تین طرح کے کلام مجید ہیں یعنی ایک صرف تین ورقوں پر لکھا گیا تھا اور دوسرے تین انچ چوڑے اور ایک گز لانبے کاغذ پر بہت ہی باریک خط میں لکھے گئے تھے لیکن بہت صاف طور پر پڑھے جاتے تھے۔

ساڑھے پانچ بجے عالی جناب ناظم صاحب سے اجازت لیکر ہم سب موٹر میں خدا بخش خاں کا کتب خانہ دیکھنے کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ کتب خانہ شہر کے راستہ میں یہاں سے دو ڈھائی میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اس کے ذخیرہ کی شہرت ہندوستان بلکہ سارے مشرق میں ہے۔ خدا بخش خاں کے انتقال کے بعد سے یہ سرکاری ملکیت میں چلا گیا ہے اور بطور معاوضہ ان کے ورثار کو ماہانہ پانچ سو روپے ملتے ہیں۔

جس وقت ہم پہنچے ہیں اس وقت اس کے بند ہونے میں مشکل سے پون گھنٹہ باقی تھا کیونکہ سات بجے یہ بند ہوجایا کرتی تھی۔ ریڈنگ روم میں چند حضرات بیٹھے مطالعہ کر رہے تھے جیسے ہی ہماری جماعت کمرہ میں پہنچی کتابوں اور اخبارات کے صفحات کو چھوڑ کر سب کی نظریں جو استعجابی بھی تھیں اور استفہامی بھی ایکدم ہمارے اوپر پڑنے لگیں۔ ہم بھی اسوقت اس سوچ میں تھے کہ آخر کسکو اپنا مخاطب بنائیں اور آنے کا مقصد ظاہر کریں۔ اتفاقاً یا قصداً ایک صاحب دو تین کتابیں ہاتھ میں لیے ہوئے ہماری طرف بڑھے ہم نے بھی فوراً اندازہ لگا لیا کہ یہ صاحب کتب خانہ سے متعلق ہیں لہٰذا ان پر اپنی خواہش ظاہر کی انھوں نے فوراً ایک شخص کو ہمارے ساتھ کر دیا جسکے ساتھ ہم کتب خانہ کی اوپر والی منزل پر گئے۔ مطبوعہ کتابیں یہاں نیچے کی منزل میں ہیں اور قلمی و نایاب سب اوپر ہیں۔ ایسی چیزیں جب تک کوئی واقف کار نہ بتائے کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ جو صاحب ہمارے ساتھ ہوئے تھے وہ صرف کرے کی حد تک ہماری رہبری کر سکے اس سے زیادہ وہ خود بھی ناواقف معلوم ہوتے تھے۔ اور کسی کی صورت نظر نہیں آتی

تھی جس سے ہم کچھ دریافت کر سکتے۔ بیچ کمرے میں ایک صاحب بیٹھے مطالعہ کر رہے تھے لیکن وہ بھی ہماری طرح آئے ہوئے تھے بالآخر ہم نے خود ہی کتابوں کے نام پڑھنا شروع کیے۔ اتفاق سے اس وقت سر جادو ناتھ سرکار، پروفیسر رالنسن پرنسپل دکن کالج پونہ اور ایک اور انگریز کو لیے ہوئے وہیں پہنچے۔ سر جادو ناتھ اس کتب خانہ سے خوب واقف ہیں اور یہاں تحقیقاتی کام (Research work) بھی کیا ہے اس وقت وہ ان دونوں کو کتب خانہ دکھانے لائے تھے۔ اس اتفاقی موقع کو غنیمت سمجھ کر ہم نے بھی پورا فائدہ اٹھایا اور پندرہ بیس منٹ تک ان کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ اس قلیل وقت میں بعض بہت ہی عمدہ عمدہ چیزیں دیکھنے میں آئیں جن میں سے چند قابل ذکر ہیں۔

(۱) "نہج البلاغت" یہ کتاب عربی میں لکھی ہوئی ہے اور اس پر محمود شاہ بہمنی کی تحریر و دستخط ہیں۔ (۲) "عجائب المقدور" یہ بھی عربی میں لکھی ہوئی ہے اور اخبارات تیمور کا مجموعہ ہے۔ (۳) "مجموعہ" جو سلطان عبداللہ قطب شاہ گولکنڈہ کے کتب خانے کے لیے لکھا گیا تھا۔ (۴) "قصیدہ بردہ" یہ قاضی ظہیر کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور شہنشاہ بایزید ثانی سلطان روم پسر محمود ثانی ۱۴۴۷ء کو تحفۃً پیش کیا گیا تھا۔ (۵) "تفسیر کبیر" اس تفسیر کے کاتب کا نام معلوم نہ ہو سکا یہ تین ضخیم جلدوں میں لکھی ہوئی ہے اور اس میں خصوصیت یہ ہے کہ ابتدا سے لیکر آخر تک تحریر بالکل یکساں ہے۔ خط باریک اور واضح ہے رالنسن صاحب کو مشکل سے یقین آیا کہ وہ قلمی ہے بلکہ وہ سمجھ رہے تھے کہ ٹائپ کیا ہوا ہے۔ (۶) "سکندر نامہ" جو سترہویں صدی عیسوی کا لکھا ہوا ہے۔ (۷) "بوستان" یہ کتاب مشہور خوشنویس میر عماد کی قلمی ہے۔ تاریخ تحریر معلوم نہیں ہوئی البتہ میر عماد کا انتقال ۱۰۲۴ ہجری میں ہوا تھا اور یہ کتاب یقیناً اس سے پہلے کی ہے۔ (۸) "گلستان و بوستان" یہ دونوں ایک ہی جلد میں ہیں اور ان پر بہت خوشنما طلائی کام بنا ہوا ہے۔ (۹) "مجالس العشاق" اس کتاب کے مصنف سلطان حسین ہیں جنھوں نے دوسری صدی ہجری میں اسکو لکھا تھا۔ (۱۰) "خسرو شیریں" جسکی تاریخ تحریر ذی الحجہ ۱۲۳۷ ہجری ہے۔ (۱۱) "رسالہ کیمیا" یہ بھی قدیم صنعت کا ایک نمونہ ہے یعنی بجائے سیاہی کے کالے کاغذ پر سفید حروف ہیں۔ (۱۲) "یوسف زلیخا" جو شاہ عباس کے زمانہ حکومت ۱۰۱۸ ہجری میں لکھی گئی تھی۔ (۱۳) خط کوفی میں حضرت علیؓ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریر ان کے علاوہ بہت سے کلام مجید اور مرقعہ وغیرہ بھی ہے مگر ان کا سنہ تحریر معلوم نہیں ہوا۔

بیشتر کتابوں پر بہت عمدہ طلائی کام بنا ہوا تھا جو باوجود صدیوں قدیم ہونے کے بالکل تازہ معلوم ہوتا تھا۔ کتب خانے کی عمارت اچھی ہے اور اس کے اندر کا خزانہ بھی نایاب ہے لیکن اس کی حفاظت کا انتظام کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا۔ الماریاں ایک قطار سے جمی ہوئی تھیں لیکن یہ مطلق نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کس الماری

میں کس فن کی کتاب ہے۔ ان کے کھولنے کی نوبت تو نہیں آئی لیکن باہر ہی سے کتابوں کی زبوں حالی آشکارا تھی۔ یہ حالت یا تو ان کے زیادہ استعمال ہونے کی وجہ سے ہوگئی تھی جسکی بہت کم توقع ہے یا غیر اصولی طریقہ حفاظت کی وجہ سے جو زیادہ قرین قیاس ہے۔

کتب خانے کی حفاظت وانتظام ان پیر مردوں کے ہاتھوں میں نظر آیا جو کتابوں کی حفاظت ان کی صفائی ونگرانی میں نہیں بلکہ ان کو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رکھنے میں سمجھتے ہیں۔ عام لوگوں کی نظروں سے بچانے کی حد تک اگرچہ ان کا یہ عمل بجا ہے لیکن زائد از ضرورت ضرور ہے۔

کتب خانے سے سات بجے کے قریب واپس ہوئے۔ ہوٹل پہنچکر تھوڑی دیر بعد کھانا کھایا اور اس کے بعد اسٹیشن روانہ ہوگئے کیونکہ آج ساڑھے نو بجے کی گاڑی سے عالیجناب ناظم صاحب مولوی محی الدین محمود صاحب اور مولوی قاسم الدین صاحب کلکتہ روانہ ہونے والے تھے۔ چنانچہ ساڑھے نو بجے گاڑی روانہ ہوئی اور ہم لوگ ہوٹل واپس ہوئے۔

۱۸ر دسمبر یوم پنجشنبہ

۱۸ر دسمبر یوم پنجشنبہ ہماری روانگی ہوئی۔

پٹنہ ۲۲ر دسمبر ۱۹۳۰ء

صبح کو چھ بجے گاڑی پٹنہ جنکشن پہنچی مسٹر وینکٹ رام کی صلاح کے بموجب میں یہاں یہ خیال کرکے اتر پڑا کہ بالفرض اگر میرا انتظار پٹنہ سٹی پر کیا گیا اور یہاں کوئی نہ آیا تو میں سیدھا عبدالعلی صاحب سکریٹری کانفرنس کے پاس جاؤں گا اور ان سے ناظم صاحب کا پتہ بآسانی معلوم ہوجائیگا۔ سامان اٹھوا ہی رہا تھا کہ دو چپراسی محمد برہان اور محمد اسمٰعیل مجھے تلاش کرتے ہوئے پہنچے جو اس خیال سے کہ میں کہیں پٹنہ سٹی نہ چلا جاؤں ریل کے ڈبوں میں تلاش کر رہے تھے۔ غرض اترنے کے بعد موٹر میں سوار ہوکر پانچ منٹ میں ہوٹل پہنچ گیا یہاں سب سو رہے تھے۔ میرے پہنچنے کے بعد اٹھے۔

ہم ریجس ہوٹل Regis Hotel میں ٹھیرائے گئے تھے جس کے مالک ومنیجر ایک سابق ڈپٹی

کلکٹر تھے۔ یہ ہوٹل حسن امام کے ایک مکان میں قائم تھا مکان بہت وسیع اور خوشنما تھا اور فریزر روڈ Frazer Road پر واقع تھا۔ عالیجناب ناظم صاحب، مولوی محی الدین محمود صاحب اور مولوی قاسم الدین صاحب ایک بڑے کمرے میں ٹھیرے تھے اور مکان کے دوسرے حصے کے دو کمروں میں ہم لوگ رہے۔ ہوٹل پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد میں نے حمام کیا اور اس کے بعد ناشتہ کرکے ہم سب تیار ہوگئے۔ آج ہی کمیشن کا اجلاس تھا اور نمائش کا بھی افتتاح ہونے والا تھا اس لیے نمائش کا سامان لے کر دس بجے ہم میوزیم روانہ ہوئے یہاں محمود علی طاہر صاحب نے ناگپور کی ملاقات کی بنا پر ہم لوگوں کا مسٹر امرت لال کمار سے تعارف کرایا جو بڑے اخلاق سے ملے۔ تھوڑی دیر بعد ناظم صاحب وغیرہ بھی تشریف لائے اور جلد جلد سب چیزیں الماری میں جما دیں۔ باوجود عجلت کے ہمارے پاس کی سب چیزیں بہت عمدگی سے جمی تھیں۔ ڈاکٹر نظام الدین پروفیسر عثمانیہ کالج نے بہت مدد دی۔ گیارہ بجے کے قریب ناظم صاحب وغیرہ کمیشن کے اجلاس میں شریک ہونے کے لیے وھیلر سنیٹ ہاؤس Wheeler Senate House روانہ ہوگئے اور ہم سب نمائش گھر میں ٹھیرے رہے۔ ایک بجے دو جماعتوں میں تقسیم ہوکر باری باری سے ہوٹل جاکر کھانا کھایا۔ چار بجے گورنر صاحب آئے پہلے ممبران کمیشن کے ساتھ ان کا فوٹو لیا گیا اس کے بعد اوپر آکر انھوں نے نمائش کا افتتاح کیا۔

پٹنہ میوزیم

نمائش پٹنہ میوزیم میں قائم کی گئی تھی میوزیم کی عمارت بہت عمدہ اور شاندار ہے۔ پوری عمارت سرخ پتھر کی بنی ہوئی ہے۔ اس میں کا نصف بالائی حصہ نمائش کے لیے خالی کر دیا گیا تھا۔ نمائش کی منتظم ایک روسی لیڈی تھی جو دو تین سال قبل حیدرآباد بھی آئی تھی اور یونیورسٹی کالج میں مشرقی فن لطیف پر لکچر دیئے تھے۔

سیڑھیوں پر چڑھنے کے بعد ہی پہلے ایک چھوٹا سا ہال ملتا ہے جس کی دیواروں پر داستان امیر حمزہ کی تصاویر لگی ہوئی تھیں۔ یہ تصویریں اس زمانہ کی تھیں جب کہ شاہان مغلیہ کا فن لطیف ابھی ابتدائی دور سے گذر رہا تھا۔ نیچے میزوں پر زمانہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے بعض اصلی خطوط وغیرہ رکھے ہوئے تھے۔

اس ہال کے دائیں جانب ایک طویل ورانڈہ ہے جس میں مختلف زمانوں کی مختلف تصاویر جمائی گئی تھیں۔ ان میں اکبر کے دربار نورتن اور جہانگیر کی راجہ مان سنگھ کی بیٹی سے شادی کی تصاویر بہت ہی عمدہ اور دلچسپ تھیں۔

اس ورانڈہ سے نمائش ہال میں داخل ہونے کے لیے تین دروازے ہیں۔ درمیانی دروازہ سے داخل ہونے

پر دائیں جانب ہمارا شوکیس تھا جس میں عالمگیر ثانی و شاہ عالم ثانی کی اسناد، وارن ہسٹنگ اور لارڈ کارنوالس کے خطوط، بعض قدیم تصاویر، قدیم زرخ ناموں، اخبارات اور قدیم نقشہ جات کی نمائش کی گئی تھی۔ بیچ الماری سے میں حیدرآباد کے کل کرنسی نوٹ ان کے سامنے قدیم و جدید ٹکٹ ٹپہ اور دونوں طرف زرد مخملی صندوقچیوں میں سونے چاندی اور تانبے کے قدیم و جدید سکے جائے گئے تھے۔ ہماری الماری کی بعد والی الماری میں قدیم تصاویر تھیں جو زیادہ تر میرزا عبدالرزاق دہلی کی داخل کی ہوئی تھیں۔

ہال کے شمال جانب دو الماریاں تھیں اور ان دونوں میں گوالیار سے آئی ہوئی تصاویر رکھی گئی تھیں، مغرب جانب طول میں پہلی الماری گوالیار سے آئے ہوئے قدیم ہتھیارات سے بھری ہوئی تھی۔ دوسری الماری میں مشرق کے مشہور ترین کتب خانے یعنی کتب خانہ خدابخش کا ذخیرہ رکھا ہوا تھا جو تاریخی اعتبار اور قدامت کے لحاظ سے بہت ہی نادر الوجود تھا۔

الماری کے باقی حصہ میں قدیم تصاویر سجائی گئی تھیں اس الماری کے بعد پھر گوالیار کی ایک الماری تھی اور اس میں بھی تصاویر ہی تھیں۔ گوالیار اسٹیٹ سے صرف تصاویر اور ہتھیاروں کی نمائش کی گئی تھی البتہ دو قدیم کتابیں تھیں ایک "مینا بازار" اور دوسرا "دیوان حافظ" جو ہشت پہلوی کتابت میں لکھا ہوا تھا لیکن یہ دونوں کتابیں بھی فروخت ہونے والی تھیں۔

مغرب جانب ہال کے طول میں چوتھی الماری میں علاقہ مدراس و راجمندری کے قدیم کاغذات کی نمائش کی گئی تھی یہ کاغذات خطوط اور پروانے (کولی) تھے جو بزمانہ ایسٹ انڈیا کمپنی گورنر مدراس کی جانب سے "نومدار" راجمندری کو دیئے گئے تھے۔

جنوب جانب کی الماریوں میں بہت ہی عمدہ ذخیرہ تھا۔ یہ سب پٹنہ یونیورسٹی کے تاریخ کے پروفیسر ڈاکٹر ایس سی سرکار اور جونیر پروفیسران عظیم الدین احمد، کے کے دت اور حسن عسکری کی کوششوں سے جمع ہوا تھا اور پٹنہ کالج کی جانب سے پیش کیا گیا تھا جس میں قدیم کتابیں، تصاویر اور اسناد شامل تھیں۔ کتابوں میں سے چند قابل ذکر ہیں مثلاً بھیم سین کایستھ کا "نسخہ دلکشا" بہت نایاب ہے۔ یہ کتاب ۱۱۲۰ ہجری میں لکھی گئی ہے اگرچہ اس کا کچھ حصہ ضائع ہو گیا ہے لیکن ہندوستان میں صرف یہی ایک نسخہ ہے اور دوسرا نسخہ انڈیا آفس کے میوزیم میں ہے۔

عہد عالمگیری میں دہلی سے دکن کے جو تعلقات رہے ہیں ان پر یہ کتاب بہت مفصل اور اہم ہے۔ اس کے سوا "تذکرہ بادشاہان ہند" مصنفہ شاہ عبدالحق دہلوی ۱۰۰۵ ہجری مطابق ۱۵۹۶ء "احوال عالمگیر" مصنفہ

خان جسمیں عالمگیر کی حکومت کے تفصیلی واقعات ہیں "عالمگیر نامہ" جسمیں عالمگیر کے جلوس کے پانچویں سال سے دسویں سال تک مفصل حالات بتائے گئے ہیں "تاریخ وفات اورنگ زیب" جسمیں عالمگیر کی وفات کے بعد سے محمد شاہ کے دور حکومت کے چھٹے سال تک کے حالات ہیں یہ سب کتابیں تاریخ دکن کے لیے بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ عام تاریخی حیثیت سے حسب ذیل کتابیں بھی قابل ذکر ہیں۔

(١) "خلاصہ مخزن افغانی" مصنفہ نعمت اللہ منتسبہ خان جہاں لودی جس میں افغانوں کی تاریخ ابتدا سے ١٠٢١ ہجری تک بتائی گئی ہے۔ (٢) "جہاں کشا" یا "تاریخ نادری" ١٢٧٧ ہجری اس پر حاجی نذر الرحمٰن عظیم آبادی کی مہر ہے (٣) "تاریخ نادری" مولفہ محمد مہدی خان استرآبادی ١١٧٥ء محمد مہدی خان نادر شاہ کے پرائیویٹ سکریٹری تھے (۴) "انشاء ابوالفضل" یعنی ــــــ سیاسی خطوط کا مجموعہ مؤلفہ عبد الصمد ۶ جلوس شاہ عالم بادشاہ مطابق ١٧٦٨ عیسوی (۵) "کتاب ابوالفضل" یہ بھی ــــــ خطوط کا مجموعہ ہے جسکو ١٢٤٤ھ میں سیتارام چڈت پسر منی رام پنڈت نے نقل کیا تھا (٦) "تاریخ صبح صادق" جسکی ابتدا فارس کے شاہان صفوی سے ہوتی ہے اور شاہ جہاں کے جنرل مہابت خان تک کے واقعات درج ہیں اس کے علاوہ ہندستان سے متعلق مسلمانوں سے قبل کے بھی بعض تاریخی واقعات ہیں۔ (٧) شاہ نامہ بہادر شاہ" اگرچہ سرورق اور جلد پر یہ نام لکھا گیا ہے لیکن دراصل فرخ سیر کے دور حکومت کے چند واقعات بتائے گئے ہیں۔ (٨) "جام جہاں نما" مصنفہ وزیر علی برقی عظیم آبادی جس میں برطانیہ کے تسلط کے واقعات۔ شیر سنگھ کی شکست اور فتح ملتان تک بتائے گئے ہیں۔ (٩) واقعات ہمایوں" ہمایوں کے ایک افسر جانباز خان نے یہ کتاب لکھی ہے اور ١٢٦٤ ہجری میں اسکی نقل کی گئی ہے۔ (١٠) "تزک جہانگیری" اسکی ١٢٠٦ ہجری میں نقل کی گئی ہے۔ اور اسمیں جہانگیر کی تاریخ جلوس کے اڑتیسویں سال (پنجشنبہ ٨ جمادی الثانی ١٠١٤ ہجری) سے شاہ جہاں کے جلوس (جمادی الثانی ١٠٢٧ ہجری) تک کے واقعات ہیں اور اس میں شہزادہ خرم پر سخت نکتہ چینی کی گئی ہے۔ (١١) "منتخب الوزرا" اسمیں مشہور وزرا کے سوانح حیات ہیں اور شعبان ١٠٢٩ ہجری میں اسکی نقل کی گئی ہے۔ (١٢) "شگرف نامہ ولایت" مصنفہ اعتشام الدین پسر تاج الدین جس میں کلکتہ سے ولایت تک کے حالات سفر بیان کئے گئے ہیں جبکہ وہ میجر سوئیٹن" کے ہمراہ شاہ عالم ثانی کا خط دیوانی کے متعلق ١١٨٠ ہجری میں لے گئے تھے۔ اس کے علاوہ شاہ عالم ثانی کے زمانہ کی تاریخی ہستیوں کا بھی ذکر ہے۔

(١٣) "بیان وقائع" یعنی خواجہ عبد الکریم کے خود نوشتہ سوانح۔ جو نادر شاہ کے ساتھ ہندستان آئے تھے اور جنہوں نے ہندستان، سیلون، فارس، اور عربستان کا ١١٥١ ہجری و ١١٥٦ ہجری کے درمیان سفر بھی کیا تھا۔ "دستور العمل" مشتمل

پر دستور بادشاہان"۔ اس کتاب میں بلحاظ اعداد ہندستانی صوبوں اور ایران وغیرہ کے حالات درج ہیں۔ جہاں تک ہندستان کا تعلق ہے اس میں شہاب الدین غوری سے لیکر ۱۲۲۱ ہجری یعنی اکبر ثانی کی تخت نشینی تک کے واقعات درج ہیں۔ یہ کتاب "دستور العمل سلاطین ہند" سے بالکل مختلف ہے۔ (۱۵) "نگارنامہ" نصیر الدین حیدر شاہ اودھ کے تاریخی خطوط و اسناد کا مجموعہ ہے جسکی نقل ۱۸۲۷ عیسوی میں منشی لال چند نے کی ہے۔ (۱۶) "گلشن ابراہیم" یہ تاریخ فرشتہ کی دوسری جلد ہے۔ (۱۷) ابوالفضل کے باپ شیخ مبارک کے خطوط کا مجموعہ۔ (۱۸) ایک بلندہ جس کے اندر تاریخ خاندان منیر الدولہ، لارڈ کلائیو وغیرہ کے نام منیر الدولہ کے خطوط اور واجد علی شاہ کے خطوط تھے جو انھوں نے کلکتہ کے مٹیا برج سے لکھے تھے۔ (۱۹) "سیر المتاخرین" اسکو سہان لال مختار نے ۱۰ جولائی ۱۸۱۸ء کو نقل کیا تھا۔ (۲۰) "خلاصۃ التواریخ" جسکو الفت حسین ہوشنگ آبادی نے نقل کیا ہے (۲۱) "بہار گلشن" مصنفہ رائے چتر من ۱۱۰۳ ہجری۔ اسکو خلیفہ محمد امین نے نقل کیا تھا۔ (۲۲) تیمور نامہ۔ یہ ایک قدیم نسخہ ہے جسکی ابتدا بالکل ظفر نامہ کی طرح ہوئی ہے اور شاہ تیمور کی پوری تاریخ ہے۔ اس کے علاوہ مرزا شاہ رخ کے دربار کی نوعیت کا بھی بتلائی ہے اس پر دیوان ناصر علی کی ۱۲۱۳ ہجری کی مہر ہے۔ (۲۳) منتخب التواریخ یا تاریخ عبدالقادر بدایونی۔ یہ ہندستان کی عام تاریخ ہے جو مسلمانوں کی آمد سے شروع ہوکر اکبر کے چالیسویں سنہ جلوس پر ختم ہوئی ہے۔ اس پر دیوان ناصر علی کی مہر ہے۔ (۲۴) کتاب تواریخ اکبری جسکی ابتدا اکبر کے کے سنہ جلوس سے ہوئی ہے۔ (۲۵) مآثر الاقبال یعنی تاریخ خلفاء راشدین جو ۱۰۹۲ ہجری میں لکھی گئی تھی اسپر بھی دیوان ناصر علی کی مہر ہے۔ (۲۶) "نگارستان" عام تاریخ پر تنقید از محمد احمد ۹۵۹ ہجری۔ (۲۷) کتاب مجموعہ خطوط جسمیں نواب مہدی علی خان کے مختلف گورنر جنرلوں کے نام کے خطوط جمع کیے گئے ہیں جو انھوں نے ۱۸۲۱ء و ۱۸۶۲ء کے درمیان لکھے تھے۔ (۲۸) آئین اکبری جلد دوم جس پر بہت عمدہ سنہرا کام تھا۔ (۲۹) واجد علی شاہ کے خطوط جو انھوں نے مٹیا برج کلکتہ سے اپنی بیگم (نور زماں بیگم) کے نام لکھنؤ روانہ کیے تھے۔ ان پر بہت عمدہ سنہرا کام کیا ہوا ہے۔

ان تاریخی کتب کے علاوہ بعض قدیم دواوین بھی تھے مثلاً دیوان ہمایوں، دیوان سید رضا ۱۰۹۸ ہجری جسکی خصوصیت یہ تھی کہ ہر فارسی شعر کے بعد ہندی میں اس کا ترجمہ تھا۔ دیوان اختر (واجد علی شاہ) وغیرہ۔

جنوب کی قطار ختم ہونے کے بعد مشرق جانب کی پہلی الماری میں پٹنہ کے مقامی لوگوں سے جمع کی ہوئی مختلف اسناد اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے بعض کاغذات تھے ان میں (۱) سند آصفجاہ نظام الملک (سنہ عالمگیر ثانی ۵۰، ۱۱

بنام دردانہ بیگم (۲) سند عالمگیر بنام بی بی زینب بابتہ ۳۱ جلوس (۳) سند نجیب الدولہ منجانب شاہ عالم بنام رائے خوشحال سنگھ بابتہ ۱۱۸۲ ہجری اور (۴) سند شاہ عالم بنام محمد تقی خان بابتہ سرفرازی خطاب عمدۃ الملک نجم الدولہ شوکت جنگ قابل ذکر ہیں۔ انہی کے ساتھ ایک اور قدیم سند بھی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رائے سینا کا پورا رقبہ جہاں اب نئی دہلی آباد ہوئی ہے سابق میں مہاراجہ جودھپور کے قبضہ میں تھا۔ اس سند کی تاریخ ۱۷۷۵ء ہے۔ اسی کے متصل دوسری الماری میں صرف قدیم اسناد کی نمائش کی گئی تھی جنمیں سے زیادہ تر اجیت سنگھ گھوش اور باقی کلکتہ اسکول کے شعبۂ آثار قدیمہ سے داخل کی گئی تھیں۔ ان اسناد کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ علاوہ بادشاہ اور وزرائے وقت کے بعض چھوٹے عہدہ دار بھی اپنی مہر سے سندیں جاری کیا کرتے تھے مثلاً سند مہری عنایت اللہ خاں نائب وزیر بنام مظہر علی۔ سند مہری سید عبداللہ خاں قطب الملک بنام منظاہر علی۔ سند مہری سید عبداللہ خاں سپہ سالار شہنشاہ محمد فرخ سیر و دیگر بزمانہ سپہ سالاری شہنشاہ رفیع الدرجات اسکی کافی دلیلیں ہیں۔ ان میں ایک خاص بات یہ ہے کہ باوجود مہر کے ہر سند کے نیچے کے گوشہ میں قلم چوبی سے "حسب المسطور مقرر شناسند" لکھا ہوا ہے۔ غالبًا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ چھوٹے عہدہ دار اپنی مہر سے اسناد جاری کرتے تھے لیکن بطور تصدیق ان کے افسر اعلیٰ بھی مذکورہ بالا عبارت لکھ دیا کرتے تھے۔ ان اسناد کی عبارت سے بھی معطی کی حیثیت کا پتہ چلتا ہے یعنی اس قسم کی سب اسناد "چودھریان و قانون گویان و متصدیان و رعایا و مزارعات پرگنہ سے شروع ہوئی ہیں۔ برخلاف اس کے شاہی اسناد کی عبارتیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) دریں وقت فرمان والاشان صادر شد کہ ... (۲) دریں وقت میمنت فرمان والاشان یا عالیشان صادر شد کہ ... (۳) فرمان عالی شان سعادت نشان شرف اصدار و عز ایزاد یافت وغیرہ۔ اسناد آصفی میں رسوم بہت تھوڑے ہوتے ہیں یعنی رسوم دیسکھی دیسپانڈیہ گری۔ کلکرنیگری۔ قانون گوئی، مقدمی۔ وہ نیمی و مہرانہ وغیرہ اور اسناد مغل شاہی میں کئی طرح کے رسوم ہیں مثلاً علت مال و جہات و اخراجات مثل تتلنہ، پیشکش، حربانہ، ضابطانہ، محصلانہ، مہرانہ، نکاحانہ، داروغگانہ، پیکار، تشکار، مقدمی، وہ نیمی، صدد ولی، قانون گوئی اور ضبط ہر سالہ وغیرہ۔ اس الماری کی دو سندیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں یعنی سند شہنشاہ اکبر بابتہ ۹۷۸ ہجری اور پروانہ مہری شاہ قائم حسین جو عبدالقدوس خان کو بشرط خدمت مسجد ۲۶۰ بیگہ زمین واقع نہر گرمہ (قنوج) کے لیے دیا گیا تھا۔ اسکی خصوصیت یہ تھی کہ وہ تین زبانوں یعنی فارسی بنگالی اور ہندی میں لکھا ہوا تھا۔

اس الماری کے بعد حیدر آباد کی الماری تھی جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ ہال کے درمیان میں میزوں پر اور آئینہ دار ڈسکوں میں امپیریل ریکارڈ مدرسہ کلکتہ سے بعض کتابوں کی نمائش ہوئی تھی یعنی کلام مجید جس کو ابراہیم نے ۱۰۶۸ھ میں لکھا تھا۔ بوستاں (سعدی) جو شاہ محمود نیشاپوری کی ۹۵۴ھ میں لکھی ہوئی تھی۔ مثنوی مولانا جلال الدین رومی نقل کردہ منشی ٹیک چند پانی پتی ۱۱۹۴ھ۔ گلستان جس کے حاشیہ پر بوستان بھی ہے ۱۲۱۳ھ میں لکھی گئی ہے اور کتب خانہ ایسٹ انڈیا کمپنی سے دستیاب ہوئی ہے۔ دیوان اسیر اور دیوان جامیؒ وغیرہ۔ ایک میز پر ایک تاریخی تلوار بھی رکھی گئی تھی جو بابو بدھ سنگھ جوہری پٹنہ کے خاندان میں سو سال سے زائد سے چلی آرہی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ تلوار مغل بادشاہوں کی ہے جو زمانہ زوال میں سکھوں کے ہاتھ لگ گئی تھی جنھوں نے اپنے گرودوں کو ہدیتہً دے دی۔ اوائل برٹش راج میں مختلف ملکیت میں رہی اور پھر اتفاق سے اس خاندان میں خریدی گئی۔ اس کا لوہا دمشقی ہے اور قبضہ اور میان پر کثرت سے ہیرے جواہرات جڑے ہوئے ہیں مگر اس کے حسب بالا تاریخی ہونے میں شبہ ہے۔

مغرب جانب کے در انڈے میں بھی زیادہ تر تصاویر جمائی گئی تھیں جنھیں ہمایوں بادشاہ کا سقہ کی مشک پر فرار اور پھر چھ گھنٹوں کا سقہ کا دربار۔ لیلی اور مجنوں کی ملاقات اور ٹیپو سلطان کی تصاویر قابل ذکر ہیں۔

درمیان میں آندھرا ہسٹاریکل ریسرچ سوسائٹی کی جانب سے علاوہ تانبے کی تحریری تختیوں کے بعض اسنادی کاغذات بھی رکھے گئے تھے مثلاً (۱) عمدۃ الملک غضنفر جنگ مانز ربسی کی نقل سند بنام برماکشٹو متعلقہ سرکار راجمندری صوبہ فرخندہ بنیاد حیدر آباد ۱۱۷۲ھ۔ (۲) سند بنام قاضی سید اسمٰعیل متعلقہ پرگنہ جنجولی سرکار ماہور صوبہ برار بالا گھاٹ بابت ۱۲۲۹ ہجری۔ (۳) خطوط آصف جاہ نظام الملک بابت مچھلی بندر اور وارنھا وغیرہ۔ (۴) افراد داہلا متعلقہ پرگنہ واردھا سرکار ماہور صوبہ برار بالا گھاٹ بلا سنہ۔

نمائش گاہ کے اس مختصر خاکے کے بعد پھر سلسلہ واقعات شروع کیا جاتا ہے یعنی فوٹو لینے کے بعد گورنر صاحب اوپر بغرض افتتاح نمائش تشریف لائے۔ اس سے قبل پورا ہال خالی کر دیا گیا تھا اور ہم لوگ خالی ورانڈے میں چلے گئے تھے۔ جب نمائش کا افتتاح ہو گیا اور لوگ اوپر آگئے تو ہم نے بھی ہال میں جانا چاہا لیکن مجمع کی کثرت کی وجہ سے بعض نے تھوڑی دیر ٹھیر جانا مناسب سمجھا لیکن میں اندر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ ہال میں خوب مجمع تھا میں اپنی الماری کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ ایک دو منٹ کے بعد سر جادو ناتھ سرکار آئے اور مجھ سے دریافت کیا کہ کیا آپ حیدر آباد سے آئے ہیں؟ میں نے کہا جی ہاں! اس پر وہ کہنے لگے کہ آپ یہیں ٹھیریے لیڈیز اور دوسرے لوگ جب آپکی الماری کے پاس آئیں

تو آپ اپنے پاس کی چیزیں انھیں بتایئے چنانچہ میں لوگوں کو بتاتا رہا۔ پانچ منٹ کے بعد مولوی عبدالعلی صاحب سکریٹری ریکارڈز کمیشن آئے اور کہنے لگے کہ "میں گورنر صاحب کو آپ کے شوکیس کے پاس لاتا ہوں آپ انھیں سب چیزیں بتا"۔ اس کے بعد وہ گورنر صاحب کو (Sirhigh Stephenson) جو قریب کی گوالیار والی الماری دیکھ رہے تھے لائے اور All These collections are from Hyderabad کہہ کر میری طرف اشارہ کیا میں نے ایک سلسلہ سے انھیں سب بتانا شروع کیا۔ تمام چیزیں بہت دلچسپی سے دیکھیں اور عالمگیر ثانی کا فرمان بابت رجب ۱۱۷۲ھ نسبت عطائے جاگیر بنام بالاجی باجی راؤ جس پر کثرت سے سنہرا کام تھا بہت پسند کیا۔ یہاں کے کرنسی نوٹ سکے اور ٹکٹ بتاتے وقت میں نے کہا کہ اگرچہ ان میں کوئی قدامت نہیں ہے اور بیشتر جاری سکے اور نوٹ ہیں لیکن حیدرآباد کے باہر یہ ایک خاص چیز ہے اور قدیم چیزوں سے کم دلچسپ نہیں اس لیے ان کو بھی نمائش میں شامل کیا گیا ہے چنانچہ نوٹ وغیرہ بہت غور سے دیکھے اور بہت تعریف کی۔

بہار کے وزیر تعلیمات کی جانب سے عام طور پر لوگ چاء کے لیے مدعو تھے اور اس کا انتظام میوزیم کے مغربی جانب کی چھت پر کیا گیا تھا لہذا قریب سوا پانچ بجے چائے پی۔ کیک وپسٹری وغیرہ افراط سے تھی لہذا ہم نے بھی اسی مناسبت سے کھایا۔ سات بجے تک نمائش کھلی رہی اس کے بعد بند کرا کے ساڑھے سات بجے ہوٹل واپس ہوئے اور کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر ساڑھے نو بجے سو رہے۔

سہ شنبہ ۲۳ر دسمبر ۱۹۳۰ء

دوسرے دن نمائش کا وقت نو بجے سے رکھا گیا تھا اس لیے صبح اٹھ کر جلد جلد ضروری کاموں سے فارغ ہو کر تیار ہو گئے اور نمائش گاہ اجائب گھر پہنچے۔ اس وقت مجمع بہت کم تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ دفاتر و مدارس کھلے ہوئے تھے جس کی وجہ سے نمائش کے شوقینوں کا ایک بڑا حصہ آنے سے مجبور تھا البتہ شام کو پانچ بجے مجمع بڑھ گیا۔ باوجود مجمع کم ہونے کے بھی ہم سب لوگ دن بھر وہاں ٹھیرے رہے اور لوگوں کی رہبری کرتے رہے۔ دوپہر کا کھانا دو پارٹیوں میں تقسیم ہو کر باری باری سے کھایا۔ لوگوں کی کمی کی وجہ سے ہم کو بھی نمائش تفصیلی طور پر دیکھنے اور نوٹ کرنے کا موقع ملا گیا۔

سابقہ اعلان کے بموجب نمائش صرف ۲۲ر و ۲۳ر دسمبر کو مقرر تھی لیکن آج اس میں تین دن کا اور اضافہ کر دیا گیا۔ مدت کی یہ توسیع مجمع کی کثرت کی وجہ سے نہیں ہوئی بلکہ غالباً اس وجہ سے کہ کالج دفاتر اور مدارس کا کثیر طبقہ محروم نہ رہ جائے۔

لوگوں کی آمد بارہ بجے سے چار بجے تک بالکل کم رہتی تھی لہٰذا اس درمیان میں میوزیم کی دوسری چیزیں بھی دیکھیں۔ نیچے کی منزل میں پتھر کے تینوں کتبوں اور مٹی کے قدیم برتنوں وغیرہ کا ذخیرہ ہے۔ ایک بڑے ہال میں مختلف جمادات بھی رکھے گئے ہیں اور اوپر کی منزل میں ایک جانب تو موجودہ نمائش گاہ تھی اور دوسری طرف لمباڑوں کے زیورات، ہتھیارات، برتن، باجے اور بعض مردہ پرندے وغیرہ دکھائے گئے تھے۔

آج یہاں پٹنہ کے دو تین حضرات سے ملاقات ہوئی یعنی منظر حسن صاحب متعلم ایم۔ اے۔ عبدالشکور صاحب متعلم ایم اے اور گوپال کشن صاحب۔ دوران گفتگو منظر حسن صاحب نے جالان لائبریری اور پاٹلی پترا دیکھنے کے لیے خاص طور پر کہا۔

گوپال کشن صاحب راجہ خیالی رام کے خاندان سے ہیں۔ پیش قدمی کر کے ملے اور بہت دیر تک حیدرآباد کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ ان کے بھائی برج کشن لال صاحب نے نمائش میں بہت سامان داخل کیا تھا جس میں آئین اکبری اور سیواجی کے پڑھنے کے اشلوک تھے۔ یہ سب مرہٹی زبان میں تھے اور ان کا ہر حرف طلائی لکیروں سے گھرا ہوا تھا۔ چلتے وقت مجھے اپنے مکان واقع دیوان محلہ کا پتہ لکھواتے گئے اور باصرار آنے اور باقی قدیم چیزیں جو ان کے گھر پر موجود تھیں دیکھنے کے لیے کہا۔ میں نے بشرط فرصت آنے کا وعدہ کیا لیکن جانے کا اتفاق نہیں ہوا۔

چہارشنبہ ۲۴ر دسمبر ۱۹۳۰ء

روانگی سے قبل جناب ناظم صاحب سے رگھوبیر پلی صاحب نے گیا جانے کی اجازت لے لی تھی۔ گاڑی ساڑھے پانچ بجے گیا جاتی تھی اس لیے میں نے ان کو پانچ بجے اٹھا دیا اور وہ سردی کا لطف اٹھاتے ہوئے اسٹیشن روانہ ہوگئے۔ صبح کو ہم سب ضروریات سے فارغ ہو کر نمائش گاہ مقررہ وقت پر پہنچ گئے۔ آج یہاں سر علی امام کے برادر نسبتی انوار کریم صاحب سے ملاقات ہوئی یہ صاحب سر علی امام موئید الملک بہادر کے ساتھ حیدرآباد میں دو تین سال رہ چکے ہیں۔

دوپہر کا کھانا حسب معمول طریقے پر کھایا اور پھر شام کو سات بجے ہوٹل واپس لائے۔ رات کا کھانا کھاتے وقت رگھوبیر جلی صاحب بھی گیا سے واپس آگئے۔

پنجشنبہ ۲۵ دسمبر ۱۹۲۰ء

دوسرے دن حسب معمول ہم نمائش گاہ پہنچے۔ تھوڑی دیر بعد کمار صاحب نے پوچھا کہ یہاں کا شہر بھی دیکھا ہے؟ ہم نے کہا کہ نہیں اس پر وہ کہنے لگے کہ اگر کوئی ایک صاحب یہاں ٹھہر جائیں تو باقی سب جا کر دیکھ سکتے ہیں ساتھ ہی خود بھی چلنے پر آمادگی ظاہر کی ہم نے بھی یہی مناسب سمجھا چنانچہ رگھوبیر جلی صاحب نمائش گاہ میں ٹھہرنے پر راضی ہوگئے۔

امرت لال کمار صاحب دراصل امپیریل ریکارڈ آفس کلکتہ میں محاسب ہیں لیکن ان میں انتظامی قابلیت بہت ہے اس لیے کمیشن کے اجلاس خاص کر نمائش وغیرہ کا انتظام مولوی عبدالعلی صاحب سکریٹری ریکارڈس کمیشن نے انھیں پر چھوڑ رکھا ہے۔ یہ بھی ہماری طرح صبح سے شام تک برابر نمائش گاہ میں موجود رہتے تھے اور جب کبھی کہیں جاتے تو نمائش گاہ کا پورا حال ہمارے سپرد کر جاتے تھے کیوں کہ ان کی مدد اور نمائشی اشیا کی حفاظت کے لیے جو والنٹیرز آئے تھے (طلبائے پٹنہ کالج) ان پر انھیں مطلق اعتماد نہ تھا۔

کمار صاحب بہت اچھے اور خلیق آدمی ہیں اور ہر وقت ممکنہ امداد بہم پہنچانے کے لیے تیار رہتے ہیں۔

غرض رگھوبیر جلی صاحب نمائش گاہ میں ٹھہر گئے۔ چونکہ عبداللطیف صاحب ابھی ہوٹل سے نہیں آئے تھے اس لیے میں سعیدالدین خاں صاحب، محمود علی طاہر صاحب اور کمار بابو موٹر میں شہر کی طرف روانہ ہوئے۔

پٹنہ ایک قدیم تاریخی شہر ہے اور اس وقت صوبہ بہار و اڑیسہ کا دارالخلافہ ہے سابق میں اس کی حیثیت صرف ایک ضلع کی تھی۔ مرکزی اہمیت اس شہر کو ۱۵۴۱ء سے حاصل ہوئی ہے جبکہ شیر شاہ نے بجائے بہار کے اس کو دارالخلافہ بنایا تھا۔ اس کی آبادی بالکل انوکھی ہے یعنی بجائے کسی رقبہ میں پھیلی رہنے کے گنگا کے کنارے کنارے چھ سات میل تک طول میں آباد ہوئی ہے۔

اس شہر کے دو حصے ہو سکتے ہیں یعنی قدیم اور جدید۔ قدیم حصہ پٹنہ شہر سے موسوم ہے اور جدید حصہ جہاں گورنمنٹ ہاؤس جملہ سرکاری دفاتر و مکان اور کالج و یونیورسٹی وغیرہ بنے ہوئے ہیں بانکی پور کہلاتا ہے۔ بانکی پور ہی میں کمیشن کے اجلاس ہوئے تھے اور نمائش قائم کی گئی تھی۔ اس حصہ میں بڑے بڑے ہوٹل اور مکانات بنے ہوئے ہیں خاص کر سر علی امام مؤید الملک بہادر اور بیرسٹر حسن امام کے متعدد بڑے بڑے مکانات بنے ہوئے ہیں چنانچہ جس

ہوٹل میں ہم ٹھیرے ہوئے تھے (Regis Hotel) وہ بھی بیرسٹر حسن امام کا مکان تھا۔ بانکی پور کی تقریباً سب سڑکیں ڈامبر کی بنی ہوئی ہیں اور بہت کشادہ ہیں۔ اکثر مقامی اخبارات مثلاً Search Light اور Patna Times وغیرہ کے پریس بھی یہیں ہیں۔ سواریوں میں ٹانگے تو نظر ہی نہیں آئے البتہ یکے، وکٹوریہ قدیم وضع کی لینڈو اور موٹریں بہت ہیں۔ کرایہ بھی بہت سستا ہے۔ گھوڑے بہت عمدہ اور جاندار ہیں۔ مکانات سڑکوں اور دکانوں کے اعتبار سے یہ مقام بہت اچھا ہے لیکن میونسپلٹی کا انتظام کچھ قابل تعریف نہیں معلوم ہوا۔ بہ نسبت الٰہ آباد کے یہاں چمن بندی کا مذاق بہت اچھا معلوم ہوتا ہے۔

یہاں کا گرجا، زنانہ اور مردانہ ہاسپٹل کی عمارتیں اچھی بنی ہیں خاص کر یونیورسٹی کی عمارات بہت ہی عمدہ ہیں۔ ایک وسیع رقبہ میں ہر شعبہ کی عمارت علیحدہ علیحدہ بنی ہوئی ہے ان عمارات کا کمپاؤنڈ سڑک سے ملا ہوا ہے جو آج کل زیر تعمیر ہے۔ سڑک کی دوسری جانب یعنی ان عمارات کے مقابل میں بالکل برعکس معاملہ نظر آتا ہے یعنی چھوٹے چھوٹے مکانات اور معمولی دکانیں واقع ہیں جن پر نظر پڑتے ہی اس مسرت و خوشی کو ایک ٹھیس لگتی ہے جو کالج وغیرہ کی عمارات دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے۔

عمدہ اور جدید وضع کی عمارات کا سلسلہ کتب خانہ خدا بخش پر ختم ہوجاتا ہے اس کے بعد سڑک کے دونوں جانب یکساں قدیم وضع کے اونچے اونچے مکانات اور دکانیں ہیں سڑک اگرچہ بہت وسیع نہیں ہے لیکن یہاں کی آمد و رفت وغیرہ کے لحاظ سے کافی وسیع سمجھی جاسکتی ہے۔ سڑک کا بیشتر حصہ نیم خام ہے اور غلیظ حالت میں رکھی جاتی ہے۔

منظر حسن صاحب نے جالان صاحب کے پاس کی چیزوں کی تعریف کر کے ان کے دیکھنے کا شوق پیدا کر دیا تھا۔ کار صاحب نمائش کے انتظام کے لیے کمیشن کے اجلاس سے دس بارہ روز قبل آئے تھے اور انتظامات کے سلسلہ میں خوب پھر کر شہر سے بہت کچھ واقف ہوگئے تھے۔ چنانچہ میں نے ان سے جالان صاحب کے مکان کا پتہ پوچھا اور وہیں چلنے کے لیے کہا تھوڑی دیر میں ان کے مکان پر پہنچ گئے لیکن مکان کے قریب ایک حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا یعنی ایک موڑ پر ہماری موٹر ایک دوسری موٹر لاری سے ٹکرا گئی چونکہ دونوں موٹروں کو ایکدم بریک کیا گیا تھا اس لیے زیادہ صدمہ نہیں ہوا۔

مکان رادھا کرشنا صاحب جالان

اس حادثہ سے نجات پانے کے بعد ہم جالان صاحب کے مکان پر پہنچے اور اطلاع کرائی چنانچہ ان کے بیٹے آئے اور ہم سب کو ڈرائنگ روم میں لے گئے تھوڑی دیر بعد جالان صاحب بھی آئے اور بڑے تپاک سے ملے خاص کر کار صاحب سے جب انھیں معلوم ہوا کہ ہم حیدرآبادی ہیں اور ان کے پاس کی چیزیں دیکھنے آئے ہیں تو بہت خوش ہوئے اور خود

بھی ساتھ چل کر سارا سامان بتایا۔

ان کا پورا نام رادھا کرشنا جالان ہے اور گورنمنٹ کی جانب سے انھیں رائے بہادر کا خطاب بھی ملا ہے عمر ان کی پینتیس چالیس کے درمیان معلوم ہوتی ہے صورت سے خلیق معلوم ہوتے ہیں اور عملاً بھی ایسے ہی ثابت ہوئے۔ قوم کے بنیے ہیں۔

ان کا مکان ایک وسیع کمپاؤنڈ میں بہت ہی اونچے مقام پر دریائے گنگا کے کنارے واقع ہے۔ دراصل پہلے شیر شاہ نے اسی مقام پر اپنا قلعہ بناکر دارالحکومت کو بہار سے یہاں (پٹنہ) منتقل کیا تھا۔ حوادثات زمانہ نے اس قلعہ کو ویران وکھنڈر بنا دیا۔ اسی قلعہ کے کھنڈرات کا کچھ حصہ رائے موصوف نے خرید کر اپنا مکان بنالیا اور پھر تھوڑا تھوڑا حصہ خرید کر اس میں اضافہ کرتے گئے حتیٰ کہ اب تقریباً پورا علاقہ خرید لیا ہے۔ دریا کے کنارے ایک طرف منہدم شدہ برج تھا جسکو حال ہی میں خریدا ہے اور وہاں گیسٹ ہاؤس (مہمان خانہ) بنانے کا ارادہ ہے۔

ظاہر ہے کہ شیر شاہ نے اپنے قلعہ کے لیے کیسی جگہ پسند کی ہوگی۔ علاوہ اونچے مقام پر ہونے کے اس کے اطراف اور خاص کر سامنے کا منظر قابل رشک ہے یعنی گنگا کا پانی اس کے نیچے کھیلتا رہتا ہے۔ سامنے اس کا بہت وسیع پاٹ ہے اور دائیں و بائیں میلوں پانی نظر آتا ہے۔ مکان کے اطراف کی چمن بندی اس نظارے میں اور دلکشی پیدا کر رہی تھی۔

ان کا ڈرائنگ روم ایک عجائب خانہ بنا ہوا تھا۔ عجیب عجیب اور نادر چیزیں جمع کی تھیں۔ انھوں نے بیان کیا کہ مجھے بارہ پندرہ برس کی عمر سے قدیم چیزیں جمع کرنے کا شوق ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے پاس نایاب ذخیرہ نظر آرہا تھا۔ کتابیں تو کچھ زیادہ نہیں بلکہ صرف پندرہ بیس تھیں لیکن وہ بھی بہت عمدہ اور قدیم تھیں۔ ان میں سے دو کلام مجید۔ ایک دیوان حافظ بابت ۱۰۸۶ ہجری اور عالمگیر نامہ قابل ذکر ہیں۔ اکثر کتابوں کا نہ نام معلوم ہو سکا اور نہ سنہ کتابت۔

ہاتھی دانت کی چیزیں بہت تھیں جن میں سے زیادہ تر ملک چین کی بنی ہوئی تھیں ان میں سے دو چیزوں میں عجیب صناعی دکھلائی گئی تھی۔ یعنی ایک پنکھا تھا جس کی پتیوں پر روشنی کی طرف کرکے دیکھنے سے مختلف تصاویر اور گل بوٹے نظر آتے تھے اور کمال یہ تھا کہ جب اسی کو پلٹا کر دیکھیے تو بالکل جداگانہ تصاویر نظر آتیں۔

دوسری عجیب چیز ہاتھی دانت کا ایک جالدار گولہ تھا اس کے اندر ویسا ہی دوسرا گولہ تراشا تھا اس دوسرے میں تیسرا اور تیسرے میں چوتھا غرض اسی طرح کل پندرہ جالدار گولے ایک دوسرے کے اندر تراشے تھے اور دیکھنے والے کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب گولے ایک دوسرے کے اندر بالکل الگ الگ رکھے ہوئے ہیں۔

چونکہ جالان صاحب کو کسی خاص چیز کا نہیں بلکہ ہر قدیم چیز کے جمع کرنے کا شوق تھا اس لیے ان کے پاس ہر طرح کی چیزیں نظر آتی تھیں۔ سنگ موسیٰ۔ سنگ مرمر، یشب، بلور اور ہاتھی دانت کا بہت اچھا ذخیرہ تھا اس کے علاوہ قدیم سکّے اور ٹکٹ بھی بہ کثرت تھے۔

مکان بالکل انگریزی وضع کا بنا ہوا تھا اور آراستہ بھی اسی طرح کیا گیا تھا۔ ایک ایسے شخص کی ذات میں جو قوم کا بنیا ہو لیکن بہ لحاظ مکان، آرائش اور سلیقے کے بہترین مذاق رکھتا ہو اجتماع ضدین معلوم ہوتا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹے کے بعد وہاں سے واپس ہوئے چلتے وقت ہمارے پتے مع نام و دستخط "وزیٹرس بک" میں لکھوائے۔ واپسی میں نمائش گاہ سے رائے رگھوبیر پلی صاحب کو ہوٹل لیتے ہوئے آئے۔ چونکہ عبداللطیف صاحب اور رگھوبیر پلی صاحب ہمارے ساتھ نہ جاسکے تھے اس لیے کار صاحب نے جالان صاحب سے دوسرے دن صبح کا وقت ان کے لیے مقرر کرا لیا تھا۔ لیکن اتفاقاً یہ لوگ نہ جاسکے۔

دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد سب پھر شہر روانہ ہوگئے اور میں نمائش گاہ چلا گیا اور شام کو ساڑھے سات بجے واپس آیا۔ میرے پہنچنے کے تھوڑی دیر بعد یہ سب لوگ بھی آگئے اور ساڑھے آٹھ بجے کھانے سے فارغ ہوئے۔

جمعہ ۲۶، دسمبر ۱۹۳۰ء

دوسرے دن صبح کو جب آنکھ کھلی تو معلوم ہوا کہ جناب ناظم صاحب وغیرہ صبح پانچ بجے کلکتے سے واپس آگئے ہیں۔ ناشتہ وغیرہ سے فارغ ہو کر ہم سب ناظم صاحب کے پاس گئے۔ حالات وغیرہ دریافت کرنے کے بعد ناظم صاحب نے فرمایا کہ آج شام کو نمائش گاہ سے سامان نکال لیا جائے کیونکہ کل صبح کو ہم روانہ ہوں گے۔

۲۶، دسمبر ۱۹۳۰ عیسوی نمائش کا آخری دن تھا اور اس میں دوپہر سے زنانہ کے لیے انتظام کیا گیا تھا۔ گیارہ بجے کے قریب جناب ناظم صاحب میوزیم تشریف لائے اور ہم سب کو کتب خانہ خدا بخش خاں کی سب کتابیں الماری سے باہر نکلوا کر تفصیل سے دکھائیں۔ ساڑھے بارہ بجے نماز جمعہ کے لیے تشریف لے گئے اور جاتے وقت شیر محمد خاں صاحب فوٹو گرافر کو شوکیس کے ساتھ ہمارا فوٹو لینے کے لیے فرماتے گئے چنانچہ ایک بجے انھوں نے ہم لوگوں کا فوٹو لیا اس کے بعد تین بجے ہوٹل آکر جناب ناظم صاحب مولوی محی الدین محمود صاحب اور نواب قاسم الدین صاحب کا فوٹو لیا۔ اس گروپ میں بھی ہم لوگ شامل تھے۔

ناظم صاحب کے فرمانے کے بہ موجب مغرب کے قریب پھر شہر گئے اور زاد راہ کے لیے کچھ مٹھائی اور خشک میوہ وغیرہ خرید لیا۔ سات بجے نمائش گاہ گئے اور اپنا سب سامان نکال لائے۔ اس وقت عبدالعلی صاحب بھی موجود تھے وہ ہم

سب سے ملے ان کے بعد کمار صاحب اور ان کے دوسرے ساتھیوں نے ہم کو رخصت کیا۔ مولوی عبدالعلی صاحب بہت ہی اچھے اور خلیق آدمی ہیں دوران نمائش جب کبھی ہم سے ملے بہت اچھی طرح ملے اپنی وضع کے بڑے پابند معلوم ہوتے ہیں۔

ابتدائے نمائش سے آخر تک ایک خاص بات یہ دیکھنے میں آئی کہ بہ نسبت اور الماریوں کے ہمارے شوکیس کے پاس زیادہ مجمع رہا اور اس کی وجہ یہ بھی کہ ہر چیز بہت ہی جاذب نظر طریقہ پر جمائی گئی تھی اس کے سوا ہمارے نوٹ، سکے اور ٹکٹ ہر شخص کے لیے تماشہ بنے ہوئے تھے۔ قدیم چیزوں سے دلچسپی رکھنے والے لوگ نوٹ وغیرہ کے ساتھ اور چیزوں کو بھی دلچسپی سے دیکھتے تھے اور تعریف کرتے تھے لیکن باقی لوگ دوسری چیزیں سرسری طور پر دیکھ کر نوٹ اور سکے وغیرہ بہت دیر تک دیکھتے رہتے تھے۔

ہمارے پاس سے شاہی اسناد کی زیادہ نمائش نہیں کی گئی تھی البتہ ہمارے پاس والے شوکیس میں صرف مغل شاہی اسناد ہی جمائی گئی تھیں۔ ہمارے شوکیس پر "حیدرآباد دکن" کی تختی لگی ہوئی تھی لیکن اس شوکیس پر کوئی تختی نہیں تھی اس لیے اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ وہ بھی حیدرآباد ہی کی الماری ہے۔ اگر کوئی شخص مجھ سے پوچھتا تو میں اس کی تردید کر دیتا تھا لیکن اگر وہ آپس میں ہی ذکر کر لیتے تو اس موقع پر میں بھی خاموش ہو جاتا تھا غرض ہمارے پاس کی چیزیں عام طور پر بہت پسند کی گئیں۔ آئندہ ایسے موقع پر اگر بجائے ایک کے ہر ایک قیمت کے دو دو نوٹ رکھے جائیں اور دونوں رخ کی نمائش کی جائے تو زیادہ بہتر ہوگا کیونکہ اس مرتبہ اکثر لوگ دوسرا رخ بھی دیکھنے کے بہت مشتاق رہے۔ ہمارے پاس کی موجودہ اقسام نمائش میں چند قدیم اور نایاب کتابوں کا اضافہ بھی بہتر ہوگا کیونکہ اس مرتبہ اکثر لوگ دو سوالات بہت کرتے تھے ایک تو یہ کہ دکن میں قدیم کتابوں کا بہترین خزانہ ہے لیکن وہاں کسی کتاب کی نمائش نہیں کی گئی اور دوسرے یہ کہ لوگ عالمگیر کی ایسی سند دیکھنے کے خواہاں نظر آتے تھے جس کے ذریعہ ہندوؤں کو کوئی جاگیر دی گئی ہو۔ اگرچہ ہمارے پاس سے عالمگیر ثانی اور شاہ عالم ثانی کی اس قسم کی اسناد دکھائی گئی تھیں لیکن عام سوال عالمگیر اورنگزیب کی سند کے متعلق تھا۔

یہ سوال صرف مسلمانوں ہی کا نہیں بلکہ اکثر ہندوؤں کا بھی تھا چنانچہ ایک صاحب جو وضع قطع سے بالکل مرہٹے تھے اور پونہ کے ایجوکیشنل ڈپارٹمنٹ سے تعلق رکھتے تھے یہاں مختلف الماریوں سے نوٹ کر رہے تھے۔ ہمارے شوکیس کے پاس جب آئے تو بالاجی باجی راؤ اور پنڈت پردھان کے نام کی اسناد نوٹ کرلیں اور اس کے بعد ہی دریافت کیا کہ عالمگیر کی کوئی ایسی سند نہیں ہے؟ میں نے کہا یہاں تو نہیں ہے صرف کوآپریشن کی خاطر چند اسناد لے آئے ہیں۔

جو لوگ قدیم کتابوں کا سوال کر رہے تھے ان سے طویل مسافت کا عذر کیا جو بہتوں کی سمجھ میں آگیا۔

قدیم تاریخی کتابوں کا خود ہمارے دفتر میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے اس کے علاوہ کتب خانہ آصفیہ یا خانگی کتب خانوں سے بھی مدد لی جاسکتی ہے اور اس سلسلہ میں حیدرآباد کے شایان شان نمائش کی جاسکتی ہے۔

نمائش گاہ سے سامان واپس لانے کے بعد کھانے سے فارغ ہوئے اور پھر اسی وقت سب اسباب باندھ کر رکھدیا اگر رات درمیان میں نہ ہوتی تو سب بستر بھی بندھ جاتے۔

شنبہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۲۳ء

دوسرے دن : مقررہ وقت سے ذرا جلد اٹھے اور آٹھ بجے تک بالکل تیار ہوگئے۔ سب سامان چپراسیوں کے ساتھ پہلے روانہ کردیا اس کے بعد ساڑھے نو بجے ہم لوگ بھی روانہ ہوئے۔ ناظم صاحب وغیرہ بعد کو آئے اس طرح ۲۷ر دسمبر کو دن کے دس بجے کی گاڑی سے ہم سب بہ قصد حیدرآباد پٹنہ سے روانہ ہوئے۔ پٹنہ میں جتنا دن رہے یہ معلوم ہی نہ ہوسکا کہ ہم لوگ مسافرت میں ہیں۔

دلگداز

اُردو کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ

مرتبہ

عبدالحلیم شرر

نمبر ۱ و ۲ جلد ۲۴ — رجسٹرڈ نمبر اے ۱۳۰۱ — بابتہ ماہ جنوری و فروری ۱۹۲۲ء

دلگداز

اردو کا مشہور ادبی و تاریخی رسالہ

مرتبہ

مولنا مولوی محمد عبدالحلیم صاحب شرر

و بہ ہدایت

مولوی محمد صدیق حسن صاحب ایڈیٹر

خاکسار

محمد سراج الحق (حکیم) منیجر و پرنٹر و پبلشر

نے

دلگداز پریس میں چھاپ کر لکھنؤ محلہ کٹرہ بزن بیگ خان سے شائع کیا

اپنی سرگذشت

سات آٹھ مہینے دلگداز نہ نکلا تھا۔ اور ہم اُسکی طرف سے غافل تھے۔ اگرچہ عذر کرتے کرتے ہماری یہ حالت ہوگئی ہے کہ اب ہمارا عذر "عذر بدتر از گناہ ہوجایا کرتا ہے"! مگر کیا کہیں کبھی بیماریوں۔ کبھی دوستوں کی تحریری فرائشوں۔ کبھی تصنیف و تالیف۔ اور کبھی کتب بینی میں ایسے معروف ہو جایا کرتے ہیں کہ معمولی ذمہ داریوں کا خیال نہیں باقی رہتا۔

اب کی بھی ایسی ہی غفلتوں کا پردہ آنکھوں پر پڑا ہوا تھا کہ نومبر و دسمبر سنہ ۱۹۲۲ء کے رسالۂ الناظر کے ذریعہ سے ہمارے پُرانے دوست مولوی محمد ظفر صاحب ایم اے ایل ایل بی نے جھنجھوڑ کے چونکا دیا۔ اور ایسا چونکایا کہ ہم گھبرا کے اُٹھ بیٹھے۔

الناظر میں ہمارے مہربان نے "طاہرہ" پر ریویو فرمایا ہے۔ مگر ریویو سے پہلے ہمیں اپنی غفلتوں اور بے ضابطگیوں پر ملامت کی ہے اور ایسی خوبی و ہنرمندی سے کہ تبرا کو تولا کا اور شکایت کو داد کا لباس پہنانا کوئی اُن سے سیکھ لے۔ ہماری مسترہ بے قاعدگیوں کو وضعداری بتانا اور ہماری نالائقیوں کو جوہر ثابت کرنا ایسا کام ہے جس نے الزام کے بار کو اتنا بھاری کر دیا کہ خدا ہی ہے جو ہم اٹھا سکیں واقعی یہ اردو کے قدردانان سخن کا بڑا احسان ہے کہ باوجود ہماری مرض عادی بنجانے والی غفلتوں اور روز بروز زیادہ فاش ہونیوالی نالائقیوں کے وہ دلگداز کی قدر کیے جاتے ہیں۔

یہ الزام قائم کرنے کے بعد ہمارے دوست نے ہماری تعریف شروع کی ہے۔ اور ایسی تعریف کہ جیسا تحت الثری میں پھینکا تھا۔ اُس سے زیادہ اُچھال کے آسمان پر پہونچا دیا۔ مولوی محمد ظفر صاحب کے یہ کلمات ستائش پڑھ کے پہلے پہل ہماری

خدا بخش لائبریری میں محفوظ دکنی زبان کے آڈیو کیسٹ

خدا بخش لائبریری نے دکنی زبان اور تہذیب کو محفوظ کرنے کی ایک اسکیم کے تحت اس کے آڈیو کیسٹ تیار کرائے ہیں۔ اس کام کے لیے محترمہ جیلانی بانو کو زحمت دی گئی تھی۔ موصوفہ نے ان کیسٹوں میں اس بات کی پوری کوشش کی ہے کہ دکنی زبان بولنے کے کسی انداز کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے۔ اس کام کے لیے جیلانی بانو کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے۔

A - 1 دکنی زبان کا تعارف۔ دکنی زبان کی تاریخ۔ قلی قطب شاہ کا تعارف۔ قلی قطب شاہ کی مناجات۔ قلی قطب شاہؒ کی غزل۔ دکنی نثر کی پہلی کتاب ملّا وجہی کی کتاب "سب رس" کا اقتباس۔

B - 1 خواجہ حمید الدین شاہد، ڈاکٹر رشید موسوی سے دکنی زبان کی ابتدا کے بارے میں انٹرویو۔ دکنی زبان کے ممتاز شاعر اعجاز حسین کھٹّا سے دکنی زبان کی شاعری کے بارے میں انٹرویو۔

A - 2 اعجاز حسین کھٹّا کا انٹرویو۔ یوپی اور اڑیسہ کے سابق گورنر بیرسٹر اکبر علی خاں سے حیدرآباد کی سیاسی اور تہذیبی زندگی کے بارے میں انٹرویو۔

B - 2 اکبر علی خاں سے انٹرویو۔

A - 3 عثمان علی خاں نظام حیدرآباد کے پیٹے یونس ہاشم جاہ سے عثمان علی خاں کی زندگی اور شاہی خاندان کے طور طریقوں کے بارے میں انٹرویو۔

B - 3 ہاشم جاہ سے انٹرویو۔

A - 4 سابق منسٹر اور سوشل ورکر معصومہ بیگم سے حیدرآبادی جاگیردار طبقے کے بارے میں انٹرویو۔

B - 4 معصومہ بیگم سے انٹرویو۔

A - 5 معصومہ بیگم سے انٹرویو، حیدرآباد کے قدیم کتب فروش اور شاعر تصدق حسین تاج سے حیدرآباد میں

کتابوں کے کاروبار پر بات چیت۔ حیدرآباد کے ایک تباہ حال جاگیردار میر حسین علی خاں سے ان کے عروج و زوال کی داستان۔

B - 5 میر حسین علی خاں سے بات چیت۔ آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد کا ایک بے حد مقبول پروگرام "چھوٹی چھوٹی باتیں" کی ایک جھلک۔ کالج کے لڑکے کی رکشا والے سے بات چیت۔

A - 6 رکشا والے کی باتیں۔ دکنی زبان کی معنویت پر باتیں۔ سڑکوں پر جھاڑو دینے والی عورت کی تلگو آمیز دکھنی زبان میں باتیں۔

B - 6 مہترانی سے باتیں۔ حیدرآباد کے ایک معزز خاندان کی ستر سالہ خاتون حسینہ بیگم سے موسیٰ ندی کے سیلاب، پلیگ کی وبا اور پولیس ایکشن کے بارے میں بات چیت۔

A - 7 حسینہ بیگم سے باتیں۔ حیدرآباد کے مشہور اردو اخبار "سیاست" کے ایڈیٹر عابد علی خاں سے حیدرآباد کی اردو صحافت کی ابتدا اور موجودہ تہذیبی اور صحافتی حالات پر انٹرویو۔

B - 7 عابد علی خاں سے انٹرویو۔ کریم نگر کے ایک تاجر پیشہ خاندان کی خاتون سے باتیں۔ حیدرآباد کی ایک جاگیردار طبقے سے تعلق رکھنے والی شاعرہ خاتون عظمت عبدالقیوم سے بات چیت۔

A - 8 عظمت عبدالقیوم سے باتیں۔ حیدرآباد کے بنش پےمنٹ آفس میں عورتوں کے سیکشن میں مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والی خواتین سے گفتگو۔ دکنی زبان کی کہاوتیں، کوسنے، دعائیں۔

B - 8 پولیس ایکشن کے بارے میں ایک دیہاتی عورت سے باتیں۔ دکنی زبان میں بہنوں کے نام۔ بچوں اور لڑکیوں سے کہانیاں، مرثیے، چکی کے گیت۔

A - 9 گاؤں کی بزرگ عورت سے گاؤں کے رسم و رواج پر باتیں، پہیلیاں، لطیفے۔

B - 9 لوریاں۔ خواجہ بندہ نواز کی شان میں گاتے ہوئے چکی کے گیت، شادیوں کے گیت، سمدھنوں کے گیت، مزاحیہ گیت، شہر کی لڑکیوں کے گائے ہوئے گیت، عورتوں اور بچوں سے کہانیاں۔

A - 10 صفائی والی سے باتیں، حیدرآباد کا مشہور کامیڈی پروگرام "ہنگامہ" حیدرآباد کا مقبول عام کامیڈی پروگرام "ڈیڑھ متوالے"۔

B - 10 زندہ دلانِ حیدرآباد کا ایک مشاعرہ، دکنی شاعروں کا کلام، اشرف خوندمیری، پاگل عادل آبادی، طالب خوندمیری، آن پڑھ، مصطفیٰ علی بیگ، حمایت اللہ۔

A - 11 دکنی زبان کے مشہور بزرگ شاعر علی صاحب میاں سے ان کی زندگی اور شاعری کے بارے میں انٹرویو۔

B - 11 آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد سے اردو میں علاقائی خبریں۔ کالج میں لڑکوں کی بات چیت کا انداز، کالج کی لڑکی سے کہانی۔ اختتام۔

●●

جناب نقی احمد ارشاد
M.I.G. 348
کنکر باغ
پٹنہ

ذاکر صاحب کے خط

مطبوعہ خدا بخش لائبریری

ایک تبصرہ

مرحوم ذاکر صاحب کے خطوط کا عکسی ایڈیشن دیکھنے کو ملا۔ سات آٹھ سالوں کی انتھک کوششوں کے بعد یہ تیار کیا گیا ہے جو تاریخ ادب اردو میں ہمیشہ کے لیے باقی اور زندہ رہے گا۔ اس سے بہتر کبھی کسی کے خطوط کا مجموعہ اردو زبان میں نہیں شایع ہوا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجموعہ ولایت سے شایع ہوا ہے۔

اس کے ذریعہ ہندستان کے بہت سے خاندان صفحۂ قرطاس پر محفوظ ہوگئے، نواب احمد سعید خاں مرحوم سے لیکر اس خاکسار تک اور بڑی بات یہ ہے کہ "پس گفتار" میں ذاکر صاحب مرحوم کی سوانح عمری محفوظ کر دی گئی ہے۔ ذاکر صاحب کے اجداد میں نواب محمد خاں بنگش اور قائم خاں بنگش کا حال سرجادو ناتھ سرکار کی تاریخ "لیٹر مغلز" میں زمانۂ ۱۹۴۳ء میں پڑھ چکا تھا جو ام اے تاریخ کے نصاب میں تھی۔ یہ اب معلوم ہوا کہ ذاکر صاحب کے وہ اجداد میں تھے۔

یہ مجموعہ کیا ہے، ذاکر صاحب کی Documentry سوانح عمری ہے۔ نواب محمد احمد سعید خاں آف چھتاری ص ۵۶۴ میں ایک غلطی ہے۔ وہ پہلے ہندستانی گورنر نہ تھے، پہلے ہندستانی گورنر لارڈ سنہا ایک بنگالی ہندو تھے جو ۱۹۱۲ء میں بہار و اڑیسہ کے پہلے گورنر مقرر ہوئے تھے۔ لارڈ سنہا کا حال تفصیل سے انگریزی کی اس کتاب میں ہے جس میں دیگر مشاہیر اور سیاست دانوں کا ذکر ہے، جیسے سر علی امام، عطاءاللہ شاہ بخاری وغیرہ۔ کسی ادارے نے شایع کیا تھا اور ہر شخص پر لکھنے والے الگ الگ مصنفین ہیں۔ کتب خانہ خدا بخش میں کئی جلدیں ۱۹۸۲ء میں آئی تھیں۔

میرے نام جو ذاکر صاحب کا خط ۱۸ نومبر ۱۹۶۲ کا شایع ہوا ہے اس نے ثابت کر دیا کہ سابق شاد منزل کے بچانے کی میں نے پوری پوری کوشش کی، مگر دو نااہل وارثوں کے سبب آخر وہ مکان جاتا رہا۔ بہرکیف، شاد کی تصانیف کو جہاں تک ممکن ہو سکا، میں نے بچا لیا۔ اس

وقت اس اراضیٔ زمین کی قیمت ۳۰ لاکھ سے کم نہیں ہے، جو مفت میں ۱۹۷۴ میں چلی گئی۔

نواب محمد احمد سعید خاں مرحوم کو اس وجہ سے جانتا ہوں کہ ان سے اور میرے چچا نصیر حسین خیالؔ سے دوستی تھی۔ وہ پٹنہ سے علی گڑھ گئے تھے اور ان کا قیام نواب سر احمد سعید خاں کی کوٹھی چھتاری میں تھا کہ ۱۱ دسمبر ۱۹۳۴ء کو حرکت قلب بند ہونے سے انتقال کیا۔ لاش ۱۲ دسمبر ۱۹۳۴ء کو پٹنہ لائی گئی اور والد مرحوم کے پہلو میں دفن کی گئی۔ لاش کے ساتھ نواب چھتاری کے پرائیوٹ سکریٹری اور ایک دو ملازم تھے۔ "مکتوبات و مقالات خیال" ص ۴۴ میں تفصیل ملاحظہ ہو۔ تین قبروں پر شناخت کیلئے میں نے کتبہ لگوا دیا ہے۔

بہاءالدین احمد مرحوم :۔

ص ۱۳۴، میں تاریخ ارتحال درج ہے، مگر یہ نہیں لکھا ہے کہ کہاں انتقال ہوا۔ مجھ کو معلوم ہوا کہ ان کے صاحبزادے انگلینڈ میں ڈاکٹر تھے۔ وہ اپنے صاحبزادے سے ملنے انگلینڈ گئے اور وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔ اس طرح ڈاکٹر محمود شاہ (سبزی باغ) ان کے چچازاد بھائی کا بھی انتقال انگلینڈ میں ہوا۔ راقم عاصی سے دونوں سے ارتباط تھے۔

اس طرح حالات میں دو دو چار چار سطروں کا اضافہ ہوتا تو بہتر تھا۔ تاکہ ذاکر صاحب مرحوم کے ذکر خیر کے ساتھ یہ کتاب ایک طرح کی انسائیکلوپیڈیا کا کام کرتی۔

جگر آروی :۔ میرا قیام آرہ کا ستمبر ۱۹۴۶ء سے مئی ۱۹۵۰ء تک رہا۔ پھر بہ حیثیت ڈپٹی ڈائرکٹر چکبندی فروری ۱۹۷۱ء سے مئی ۱۹۷۶ء تک، مگر میں ان بزرگ سے واقف نہ ہو سکا۔ ص ۱۴۶ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے کوئی پرچہ "شاخ گل" کے نام سے چھاپا تھا۔ اور ذاکر صاحب سے مالی مدد کے خواستگار تھے۔ ذاکر صاحب ہمدرد قوم ہونے کے باوجود مردم شناسی کا جوہر رکھتے تھے، اس لیے انہوں نے ٹال دیا۔ اگر جگر آروی صاحب کے متعلق کچھ حال درج کر دیا جاتا تو آگاہی ہوتی۔

قاضی عبدالودود:۔ ص ۴۱۶، پر بہت صحیح لکھا گیا ہے " ذاکر صاحب ان چند خوش نصیبوں میں ہیں، جو قاضی صاحب کے ناوک کا صید کبھی نہیں بنے اور وہ بنتے بھی کیسے، وہ عبدالماجد دریابادی تک کو رام کر لینے کا گر جانتے تھے"۔

ابتدا یعنی ۱۹۲۳ء میں ان سے شادؔ سے جھگڑا ہوا۔ "انتخاب کلام" ان کا پہلا ادبی کارنامہ تھا گویا قاضی صاحب کی ادبی زندگی جھگڑے سے شروع ہوتی ہے اور غالب و عبدالحق، سلیمان ندوی وغیرہ کے بعد اخیر عمر میں گیان چند جین سے جھگڑا شروع ہوا۔ اس جھگڑے پر تفصیلی

مقالہ ڈاکٹر ظفر کمالی کا رسالہ "زبان وادب" پٹنہ جولائی تا اکتوبر ۱۹۹۵ء ص ۴ تا ۱۲ شایع ہوا ہے۔

ص ۵۱ سے پتہ چلتا ہے کہ جناب مالک رام سے قاضی عبدالودود "دیوان غالب فارسی" مانگ کے لائے تھے اور دبا بیٹھے۔شدید تقاضوں کے باوجود دس سالوں کے بعد جب "دیوان غالب فارسی" جناب مالک رام کو ملا تو اس کے چالیس صفحات غائب تھے۔جناب گیان چند کی تحریر ہے:۔

"نومبر ۱۹۸۶ میں ایک ملاقات میں میں نے مالک رام صاحب سے دریافت کیا کہ آپ اپنی مرتبہ "کلیات غالب فارسی" کیوں نہیں شایع کرتے۔انھوں نے انکشاف کیا کہ ایک زمانہ ہوا قاضی عبدالودود ان کا مرتب کردہ مسودہ یہ کہہ کر لے گئے کہ وہ اسے شایع کردیں گے۔ اس کی چند غزلیں شایع کیں...... دس سال بعد مسودہ اس شکل سے واپس کیا کہ اس کے بیچ میں سے چالیس اوراق غائب تھے...... اب مالک رام کی یہ ہمت نہیں کہ جملہ ماٰخذ فراہم کرکے ازسرنو ان اوراق کو مکمل کریں"۔

یہ تحریر شاؔد کے الزام "مکتوبات شاؔد" اور "ڈاکو نامہ" کی تصدیق کرتی ہے کہ خدا مغفرت کرے قاضی صاحب کیسے بزرگ تھے۔یہی نہیں "مقالات قاضی عبدالودود" ص ۳۵ میں کلیم صاحب لکھتے ہیں۔

"میں ڈی۔آئی۔پی تھا تو قاضی صاحب نے مجھ سے کہا کہ وہ غالب کی تصانیف ایڈٹ کرنا چاہتے ہیں۔اس کے لیے اسکیم بناکے گورنمنٹ سے منظوری لینے کی ضرورت تھی، لیکن کام شروع کرنے کے لیے پانچ ہزار روپے دیے گئے"۔

اس روپے کا جو انجام ہوا وہ مرحوم کلیم الدین کی تحریر میں ملاحظہ ہو۔ذاکر صاحب کے خطوط ۴۱۸ کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مرحوم ذاکر حسین صاحب نے پانچ سو روپے کا چک ان کے سفر وغیرہ کے لیے ۱۰/اکتوبر ۱۹۶۰ کو بھیجا تھا۔گویا غالب کے نام سے وہ سہ طرفی روپے وصول کرتے تھے۔

تب بغیر دریافت کیے ہوئے شاؔد پر یہ جھوٹا الزام کیوں ہے کہ ہمایوں مرزا آخری عمر میں ان کی مالی امداد کرتے تھے۔ہمایوں مرزا نے بہ سلسلہ "حیات فریاد" جتنے روپے شاؔد

کو بھیجے تھے وہ سب بعد انتقال شادؔ ۱۹۲۷ء میں طباعت "حیات فریاد" میں خرچ کئے گئے۔

والد مرحوم کے بعد وفات شادؔ، شاگرد شاد میر عنایت حسین امدادؔ ولی اور گارجین تھے۔ خود کاشت کی قیمت بعد فروخت امدادؔ کے پاس جمع تھی اور وقتاً فوقتاً جو روپے معارف اعظم گڑھ کو بھیجے گئے ان کی رسید امداد کے پوتے ارتضیٰ حیدر کے پاس موجود ہے جس کا علم مجھے حال ہی میں ہوا۔ والد مرحوم نے "حیات فریاد" ص ۲ میں لکھدیا تھا" مطبع معارف میں چھپنے کا انتظام کیا" معترضین کی صرف مکتوبات شاد پر نظر رہی اور "حیات فریاد" ص ۲ کی عبارت کو بھول گئے۔

خدابخش لائبریری نے نہایت اچھا کام کیا کہ ذاکر صاحب کے خطوط شایع کر دیے۔ ایک نئی بات کا انکشاف ہوا کہ ذاکر صاحب نے بھی قاضی صاحب کی مالی مدد کی تھی۔

یہ میں جانتا تھا کہ ان کے دادا کی معاش بہت تھوڑی تھی سودی، کاروبار کی وجہ سے ان کے پاس نقد روپے بہت تھے جس کا ذکر بدرالحسن صاحب نے " یادگار روزگار " میں کیا ہے، اور قاضی صاحب بطور خانہ دامادی ۱۹۲۳ میں شاہ رشید اللہ مرحوم کے مکان بھنور پوکھر میں بس گئے۔

"کلام شادؔ" کی اشاعت میں جو کچھ انہوں نے خرچ کیا وہ ان کی تحریر بہ جواب " ڈاکو نامہ " سے ظاہر ہے "کلام شادؔ" مطبوعہ کتب خانہ خدابخش ص ۸ ، کے مطابق طباعت میں ڈھائی سو روپے خرچ ہوئے تھے اور قاضی صاحب کے مطابق مطبوعہ "کلام شاد" سے قریب دو سو روپے بعد فروخت وصول ہوئے اور سرکار محکمۂ تعلیم نے جو ۱۰۰ جلدیں مول لی تھیں ان کی قیمت ڈیڑھ سو روپے ملی۔ گویا ۲۰۰ + ۱۵۰ = ۳۵۰ روپے یعنی سو روپے کا نفع بقول قاضی عبدالودود۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ انجمن ترقی اردو قائم کردہ قاضی عبدالودود کی لائبریری منگل تالاب میں جو ہتیشی لائبریری کے دو کمرہ میں تھی جہاں مولوی سبحان لائبریری کے محافظ تھے۔ قاضی سعید مرحوم وہاں روزانہ شام کو تشریف لاتے تھے۔ اس انجمن ترقی اردو کی لائبریری میں مطبوعہ "کلام شادؔ" رکھا گیا تھا اور مختلف قیمتوں پر فروخت ہوتا تھا۔

زمانہ ۱۹۳۰ء میں خیالؔ صاحب مرحوم کا قیام پٹنہ میں تھا۔ ان سے حیدرآباد کے سر مہاراجہ کشن پرشاد شاد سے دوستی تھی۔ جب غیر مطبوعہ "کلام شادؔ" والد مرحوم نے خیالؔ صاحب

کو نہیں دیا تو مطبوعہ "کلام شاد" وہ حاصل کرنا چاہتے تھے تاکہ مہاراجہ کو بھیج دیں شاد منزل میں صرف ایک نسخہ تھا جس پر شاد کی اصلاحیں تھیں۔ (عکس تحریر کلیات شاد جلد اول مرتبہ کلیم الدین) وہ نہیں دیا جا سکتا تھا۔ میں اسکول میں چھٹے درجہ میں پڑھتا تھا۔ چنانچہ مجھکو گھر کے ملازم کے ساتھ بھیجا گیا اور چار روپے میں مطبوعہ "کلام شاد" مولوی سبحان صاحب سے ملا۔ خیال صاحب نے وہی نسخہ مہاراجہ کی خدمت میں بھیج دیا۔ "ذاکو نامہ" کو کبھی شایع کرانے کا ارادہ نہ تھا، جب بعد اشاعت "شاد کی کہانی، اشتروسوزن" شایع ہوئی وہ بھی محض اس رشک و حسد کے سبب کہ مرحوم ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے کیوں اسے شایع کرایا، تو مجبوراً "ذاکو نامہ" میں نے کلیم صاحب کے حوالہ کیا کہ قاضی صاحب کیا جواب دیتے ہیں۔ اگر کلیم صاحب طباعت کے پہلے قاضی صاحب کا تبصرہ مجھکو دکھا دیتے تو میں ضرور "کلام شاد" کی زیادہ قیمت پر فروخت سے آگاہ کر دیتا۔

●●

ضیاء الدین دیسائی
۶۰ خورشید پارک، جوہاپورہ
احمد آباد

بابر کا وصیت نامہ اور پٹنہ کے قدیم مسلم کتبات

مطبوعہ خدا بخش لائبریری جرنل ۱۰۱ پر ایک نظر

معلوم ہوتا ہے بابر کا وصیت نامہ تاحال قارئین کی دلچسپی کا باعث بنا ہوا ہے۔ اس وصیت نامہ کے وجود کا کم از کم ۱۹۲۳ء میں پتہ چل گیا تھا لیکن اس میں زمانۂ حال کے تاریخ دانوں کی دلچسپی بابری مسجد کے مسئلے کے سلسلے میں پیدا ہوئی، معلوم ہوتا ہے کہ میرے فاضل دوست ڈاکٹر رحمت علی خاں صاحب، جناب مصطفےٰ کمال صاحب شروانی ــــ ان کے والد محترم مرحوم بدم شری ہارون خاں صاحب شروانی میرے کرم فرما تھے اور اپنی تقریباً بتیس سالہ محکمہ آثار قدیمہ کی عربی فارسی کتبوں کی شاخ اور بعد میں کتبات کے ڈائرکٹر کی ملازمت کے زمانے میں کم و بیش ہر سال یا ہر تیسرے چوتھے سال حیدر آباد کے سفر کے دوران بلاناغہ ان سے نیاز اور استفادہ حاصل کرنے کی سعادت حاصل کرتا رہا ہوں۔ اور ڈاکٹر رام (آر) ناتھ جن کی فرقہ وارانہ ذہنیت کا ان ہی دنوں پردہ فاش ہو چکا ہے۔ اس وصیت نامہ کے جعلی ہونے کی حقیقت سے غیر واقف ہیں۔ اس وصیت نامہ کا فوٹو میں نے بھوپال محکمۂ آثار قدیمۂ ہند کے علاقائی دفتر سے سن ۱۹۵۴ء یا ۱۹۵۵ء میں حاصل کیا تھا، غالباً اس کی اصل ریاست بھوپال کے دفتر اسناد کے دستاویزوں کے ساتھ نیشنل آرکائیوز آف انڈیا میں منتقل ہوئی اور غالباً اسے اس محکمہ کے علاقائی دفتر بھوپال میں ہونا چاہیے۔ کم از کم نیشنل آرکائیوز کے سابق ڈائرکٹر ایس۔ اے۔ آئی۔ ترمذی اس کے نیشنل آرکائیوز میں ہونے کا پتہ دے چکے ہیں جیسا کہ سطور آئندہ میں بتایا جائے گا۔

اس وصیت نامہ کے جعلی ہونے کی حقیقت کی طرف آج سے تقریباً بہتر سال پہلے بابر کی ترکی خود نوشت جسے عموماً بابر نامہ کہا جاتا ہے کی مترجم مسز اینٹ سوزانہ بیوریج نے (جن کے شوہر مسٹر ہنری بیوریج ایک بڑے سول افسر ہونے کے علاوہ کئی فارسی تاریخی کتابوں کے مترجم اور کتابوں اور مقالوں کے مصنف ہیں) اپنے ایک

ذیلی مضمون کے ذریعہ تاریخ دانوں کی توجہ دلائی تھی۔ یہ مضمون لندن کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹن اینڈ آیرلینڈ کے جرنل کے شمارہ سال ۱۹۲۳ء میں صفحات ۸۰ مابعد میں شائع ہوا تھا۔ اس مضمون کا عنوان ہے PATERNAL COUNSELS ATTRIBUTED TO BABUR IN A BHOPAL MS. (Dec. 1922). نیز ہمارے محققین بشمول ترمذی صاحب کو یہ معلوم نہیں کہ بیوریج کے مضمون پر مفصل بحث آج سے تقریباً بائیس سال قبل الٰہ آباد یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے صدر (جو ہسٹری آف شاہجہاں۔ تاریخ شاہجہاں کے مصنف اور مشہور تاریخ داں آنجہانی ڈاکٹر بنارسی پرشاد سکسینہ کے صاحبزادے ہیں) ڈاکٹر رادھے شیام نے اپنی ہندی کتاب مغل سمراٹ بابر۔ مغل شہنشاہ بابر۔ میں کی ہے (مطبوعہ بہار گرنتھ اکادمی پٹنہ۔ ۳، سنہ ۱۹۷۴ء، ضمیمہ ۱۔ "بابر کا وصیت نامہ" صفحات ۴۶۷ تا ۴۷۵)۔ ڈاکٹر رادھے شیام نے مسٹر بیوریج کے دلائل اور وجوہات کو ایک ایک کر کے درج کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ وصیت نامہ جعلی نہیں بلکہ اصلی ہے۔ مسٹر بیوریج کا مضمون ایک عرصہ ہوا دیکھا تھا اور سردست پیش نظر نہیں ہے اس لیے ڈاکٹر رادھے شیام نے ان کے مضمون کا جو مفصل خلاصہ پیش کیا ہے اس کی سو فیصد تصدیق کرنا ممکن نہیں۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے مسٹر بیوریج نے اس وصیت نامہ کی مہر کی عبارت اور اس کے خط، وصیت نامہ کی زبان اور خط وغیرہ کی بنا پر اس کو جعلی قرار دیا تھا، ڈاکٹر رادھے شیام نے ان دلائل اور نکات کو ایک ایک کر کے درج کر کے اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔ اس خلاصہ میں انہوں نے مسٹر بیوریج کی جانب یہ بیان منسوب کیا ہے کہ وصیت نامہ "گھٹیا قسم کی نستعلیق" میں لکھا گیا ہے۔ لیکن مجھے یاد تھا کہ مذکورہ دستاویز کا خط اعلیٰ قسم کا نستعلیق ہے اور مسٹر بیوریج اس کو گھٹیا قسم نہیں بتا سکتیں۔ میرا اپنا وصیت نامہ کا فوٹو میرے سینکڑوں کاغذات اور فوٹو میں کہیں پڑا ہوا ہے اس لیے میں نے جناب مصطفیٰ خاں صاحب شروانی کو خط لکھا اور موصوف نے فوراً بواپسی ڈاک از راہ کرم ڈاکٹر ناتھ کے مضمون کی زیروکس کاپی مرحمت فرمائی جس میں وصیت نامہ کا عکس شائع ہوا تھا۔ اس کو دیکھ کر میرے خیال کی تائید ہوئی کہ مذکورہ دستاویز کا خط اعلیٰ قسم کا نستعلیق ہے اور ڈاکٹر رادھے شیام کا اس کو بقول مسٹر بیوریج گھٹیا قسم کا نستعلیق بتانا صحیح معلوم نہیں ہوتا۔ بہر حال ڈاکٹر صاحب موصوف نے مسٹر بیوریج کے دلائل کا جواب دے کر وصیت نامہ کو اصل ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

میری نظر سے سینکڑوں مغل فرمان، ان کی عبارتیں اور مضامین گذرے ہیں۔ علم فرمان نویسی کے ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کے ناتے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ یہ وصیت نامہ اصلی نہیں ہے، بابر کی مہر کی شکل اس کی عبارت میں لفظ بہادر کا استعمال اور لفظ غازی کے غلط املا کے علاوہ خود وصیت نامہ کے متن کی عبارت اور اس میں املا کی اغلاط (مثلاً

معمورہ کی جگہ "ماعورہ" وغیرہ اس کا بین ثبوت ہیں کہ یہ جعلی ہے۔ میرے خیال میں بلکہ گمان غالب ہے کہ نوابان بھوپال کے زمانہ میں انیسویں صدی عیسوی کے نصف دوم میں کسی وقت شاہی دفتر استاد کے کسی ملازم یا کسی اور شخص نے یہ وصیت نامہ ترتیب دیا اور تحریر کیا یا کرایا اور مغل فرامین کے DIPLOMATICS سے عدم واقفیت کی بنا پر مروجہ فرمان نویسی کو سامنے رکھ کر اس جعلی دستاویز کا ارتکاب عمل میں آیا۔

جناب ترمذی صاحب کو بھی غالباً ڈاکٹر رادھے شیام صاحب کی وصیت نامے پر مفصل بحث کا علم نہیں تھا۔ لیکن انہوں نے بھی انڈین ہسٹری کانگریس۔ انجمن تاریخ ہند کے کوروکشیتر KURUKSHESTR (ہریانہ) میں ۱۹۸۲ء میں منعقدہ اجلاس کے عہد وسطیٰ کے سیشن کے اپنے صدارتی خطبے میں۔ جس کا موضوع علم فرمان نویسی ہے، اس وصیت نامہ کو جعلی دستاویزات میں سر فہرست جگہ دی ہے اور مسز بیوریج کے مضمون کا حوالہ اور لفظ غازی کے املا کا بھی ذکر کیا ہے۔ (دیکھیے پروسیڈنگز آف انڈین ہسٹری کانگریس تینتالیسواں سیشن، صفحہ ۲۲۲)۔

اور بھی کئی چیزیں ہیں جو دوران مطالعہ ذہن میں آئیں، لیکن ان کا تفصیلی ذکر موجب طوالت ہوگا، دو ایک چیزوں کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔

ڈاکٹر اختر راہی صاحب جن کا شمار پاکستان کے چوٹی کے فارسی محققوں میں ہوتا ہے، اپنے نہایت معلوماتی مضمون میں صفحہ ۲۹۴ پر تعلیقہ کے تحت "شہر سبزی کذا" تحریر کیا ہے۔ گویا موصوف کو نسبت "شہر سبزی" کے بارے میں شبہ یا تذبذب ہے، اس سلسلے میں عرض ہے کہ شہر سبز عرف کیش شہر کا جو سمرقند سے تقریباً پچھتر کیلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے، اسے امیر تیمور کی جائے پیدائش ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس شہر کا مختصر حال بابر نے اپنی سوانح میں لکھا ہے۔ (دیکھیے تزک بابری کا انگریزی ترجمہ از مسز بیوریج، اشاعت نودہلی ۱۹۸۹ء، صفحہ ۸۳)۔

دوسری چیز ہے عبدالرؤف خاں صاحب کا مضمون جو سید محمد مرحوم کے شہر پٹنہ کے کتبات والی کتاب پر تبصرے پر مشتمل ہے۔ سید محمد مرحوم صاحب کا یہ مضمون جرنل آف دی ریسرچ سوسائٹی آف بہار اینڈ اڑیسہ۔ انجمن تحقیق بہار و اڑیسہ۔ کی جلد چہارم کے شماروں میں شایع ہوا ہے، علیحدہ کتابی صورت میں غالباً پہلے شایع نہیں ہوا۔ خاں صاحب موصوف کے مضمون کی افادیت مسلم اور ان کی محنت نکتہ رسی اور عرق ریزی قابل داد و تعریف لیکن موصوف اور غالباً جرنل کے اکثر و بیشتر قارئین کو شاید پتہ نہیں کہ سید محمد صاحب کی کچھ غلطیوں کی نشاندہی پہلے کی جا چکی ہے۔ محکمۂ آثار قدیمۂ ہند کی اینوئل رپورٹ آن انڈین اپیگرافی ـــ ہندوستان کے کتبوں کی سالانہ رپورٹ کے عربی فارسی کتبات والے حصے میں ان میں سے اکثر کتبات کا صحیح اندراج ہو چکا ہے۔ اس کے بعد ان میں سے ۱۲۰۰ھ تک کے

کتبوں کو ان کی صحیح قرأت، ترجمے اور مربوط امور پر مشتمل تفصیلات مع کتبات کے عکس میرے فاضل دوست پروفیسر سید حسن عسکری صاحب مرحوم کے شاگرد رشید، پٹنہ یونیورسٹی کے شعبۂ تاریخ کے سابق صدر، پٹنہ کے مشہور عربی داں پروفیسر ڈاکٹر عظیم الدین احمد صاحب کے پوتے اور اردو کے مشہور ناقد پروفیسر ڈاکٹر کلیم الدین احمد صاحب کے بھتیجے ڈاکٹر قیام الدین احمد صاحب نے (جو ماشاء اللہ بقید حیات ہیں) اپنی کتاب کارپس آف دی عربک اینڈ پرشین انسکرپشنز آف بہار ۱۲۰۰ ـ ۶۴۰ھ ـ کے مجموعۂ کتبات عربی و فارسی بہار ـ میں دی ہیں ـ یہ کتاب پٹنہ کے کے ـ پی ـ جائسوال ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے ۱۹۷۳ء میں شایع ہو چکی ہے ـ اس سے خاں صاحب موصوف کے مضمون کا کچھ حصہ (صفحات ۲۷۱ تا ۳۰۷) سعی لاحاصل بن کر رہ جاتا ہے ـ گو اس حصے کی افادیت بدستور قائم رہتی ہے ـ قیام صاحب اور خاں صاحب موصوف کے ہاں دو ایک باتیں محل نظر رہ جاتی ہیں لیکن اس خطبے کی طوالت کے پیش نظر انہیں یہیں نظر انداز کیا جاتا ہے ـ ڈاکٹر قیام الدین احمد صاحب نے اپنی کتاب کے ضمیمۂ اوّل میں علم تاریخ کی اقسام پر نہایت مفید روشنی ڈالی ہے اور ان کا اسی موضوع پر غالباً مفصل مضمون انہیں دنوں میں اسلامک کلچر حیدر آباد کے کسی شمارے میں بھی شائع ہوا تھا ـ اگر خدا بخش لائبریری اس مضمون کا اردو ترجمہ شایع کرا دے اور اردو ادب کی بازیافت کے سلسلے میں اس مضمون میں جن کتابوں سے مدد لی ہے ان کو از سر نو شایع کرا دے تو یہ ایک بڑی خدمت ہو گی اور سینکڑوں قارئین اس سے مستفید ہوں گے ـ

آخر میں، ہمارے محققین سے مؤدبانہ گذارش کرتا ہوں کہ قلم اٹھانے سے پہلے وہ جہاں تک ہو سکے کسی موضوع پر کچھ لکھا گیا ہے یا نہیں اس کا پتہ لگانے کی کوشش کریں، اس کا ایک طریقہ ہے INDEX ISLAMICUS BY J. D. PEARSON سے رجوع کرنا جو کئی جلدوں میں شائع ہوئی ہے اور ہو رہی ہے ـ اس میں اسلامیات کے "آسمان کے نیچے" کسی موضوع پر بھی اردو یا کئی زبانوں میں جو مقالے (اور ۱۹۸۰ء کے حصے کے ساتھ کتابیں بھی) شایع ہوئے (اور ہوئیں) ہیں ان کی نہایت منظم طور پر موضوع وار فہرست اور مقالہ نگار اور مصنفوں کے نام کا نہایت کارآمد اشاریہ ہے ـ یہ کتاب لندن سے شایع ہوئی اور ہو رہی ہے ـ اس قسم کی اور کتابیں بھی ہیں ـ

••

پروفیسر نورالحسن نقوی
شعبۂ اردو، علیگڑھ مسلم یونیورسٹی
علیگڑھ

دیوانِ مصحفی، ہشتم

مطبوعہ خدابخش لائبریری پر ایک استدراک

خدابخش اورینٹل پبلک لائبریری، بانکی پور، پٹنہ ہندستان کا ایک عظیم الشان کتب خانہ ہی نہیں بلکہ ایک اہم علمی اور تحقیقی ادارہ بھی ہے جس نے بیک وقت عربی، فارسی اور اردو ادب کی ناقابلِ فراموش خدمت انجام دی ہے اور آج بھی اس اہم کام میں معروف ہے۔ اس ادارے کی بدولت بہت سے نادر مخطوطات اور کمیاب مطبوعات سلیقے کے ساتھ ترتیب پاکر اپنے قدر دانوں تک پہنچیں۔ کتب خانے کے اس شاندار کارنامے کے لیے اہلِ علم کو جناب قاضی عبدالودود بیرسٹر بار ایٹ لا اور ڈاکٹر عابد رضا بیدار کا شکر گزار ہونا چاہیے کیونکہ ان دونوں اصحاب کے حسنِ تدبیر اور سعیِ مسلسل سے ایک خواب نے حقیقت کی شکل اختیار کی۔

غلام ہمدانی مصحفی کا ایک قرض اس ادارے کے ذمّے عرصۂ دراز سے واجب الادا تھا۔ یہ واحد کتب خانہ ہے جہاں اردو کے اس نامور شاعر کا مکمل اردو کلام۔ آٹھ دواوینِ غزلیات اور ایک دیوانِ قصائد۔۔۔ نو جلدوں میں محفوظ ہے۔ قاضی صاحب مرحوم کی بڑی خواہش تھی کہ کسی طرح ان دواوین کی اشاعت کا سلسلہ شروع ہو۔ دیوانِ غزلیات (ہشتم) مصحفی کا آخری دیوان ہے جو شاعر کی وفات کے سبب ناتمام رہا اس لیے یہ نسبتاً مختصر ہے۔ قاضی صاحب کی رائے تھی کہ اس کی ترتیب و اشاعت نسبتاً آسان ہے اس لیے کوئی مضائقہ نہیں اگر کام کا آغاز یہیں سے ہو۔ انھوں نے کئی ریسرچ اسکالرز کو اس کے لیے آمادہ کرنے کی کوشش کی اور آخرکار خود اس کام کا بیڑا اٹھایا۔ کام ہنوز نامکمل تھا کہ علم و ادب ان کی سرپرستی سے محروم ہوگئے۔ ڈاکٹر بیدار نے اپنے مضامین سے اس کام کو پورا کیا اور اسے دو جلدوں میں شائع کر دیا۔ اصل دیوان کے عکس کو پہلی جلد میں اور اسی کو آج کی کتابت کے ساتھ دوسری جلد میں پیش کیا گیا۔

کسی مخطوطے کو آج کی کتابت میں پیش کرنے کا کام سہل نہیں۔ مرتب کتنا ہی بڑا عالم کتنا ہی ذہین اور کیسا ہی جفاکش کیوں نہ ہو، ڈیڑھ سو پونے دو سو سال پرانے خطّی نسخے کو پڑھنا خاصا دشوار کام ہے اور

طرح طرح کی غلطیوں کا راہ پا جانا بالکل قرینِ قیاس ہے، لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ اس چھوٹی سی کتاب میں کچھ زیادہ ہی غلطیاں نظر آتی ہیں۔ کاش یہ نہ ہوتیں یا کم ہوتیں! سرسری مطالعے میں جو غلطیاں دکھائی دیں کچھ یہاں اس امید کے ساتھ پیش کی جارہی ہیں کہ اگلی اشاعت کے وقت انھیں اور باقی تمام اغلاط کو بھی دور کر دیا جائے گا۔

حوالے کے لیے شعر کے سامنے دیوان ہشتم مطبوعہ خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ کا صفحہ نمبر درج کر دیا گیا ہے۔

۱۔ اک خط نہ پڑھا نازکی دست سے اس نے   خنجر کو گلے پر سے سو بار تو رکھا (۱۷)

حاشیے میں لکھا گیا ہے کہ اصل میں "پڑا" ہے۔ گویا یہ لفظ بے معنی تھا، اس لیے قیاسی تصحیح کی گئی۔ لیکن یہاں "پڑا" ہی درست ہے۔ مفہوم یہ کہ محبوب اتنا نازک دست ہے کہ یوں گلے پر اس نے سو بار خنجر رکھا، لیکن نزاکت کے سبب خط تک نہ پڑ سکا یعنی لکیر تک نہ کھنچ سکی۔ یہ مصحفی کا پسندیدہ مضمون ہے۔ اسی مضمون کے دو شعر مصحفی کے ساتویں دیوان میں بھی موجود ہیں۔ ملاحظہ ہوں:

خط بھی جس کے ہاتھ سے پڑتا نہیں شمشیر کا   قتلِ عاشق پر کمر باندھے گا کیا وہ نازنیں

معلوم ہوئی بازوے قاتل کی حقیقت   خط بھی نہ پڑا تن پہ مرے تیغ کا اس کی

دراصل خط کی مناسبت سے مرتب کا ذہن "پڑھنے" کی طرف منتقل ہوا اور ایک مہلک غلطی قیاسی تصحیح کے ذریعے راہ پا گئی۔

۲۔ کب ایک سے ہو دے گی نگہبانی جاناں   دھوڑی پہ نہ تا صورت درباں ہو کرر (۳۱)

اصل میں بھی "دھوڑی" ہی ہے جو بے معنی ہے۔ یہاں "ڈیوڑھی" ہونا چاہیے۔ یہ ہے قیاسی تصحیح کا صحیح مقام۔

۳۔ ایسے کامل سے اماں کیونکہ نہ مانگے عاشق   سر بسر یدہ کو تکیہ جو کرے بازو کا (۱۱)

یہاں بھی وہی صورت ہے۔ اصل مخطوطے میں "کامل" ہی ہے جو ظاہر ہے کتابت کی غلطی ہے۔ قیاس چاہتا ہے کہ "کامل" کی جگہ "قاتل" ہو۔

۴۔ کیا جام تہی ہے تو ڈھلکائے ہے اے ساقی   گو مست ہوں میں لیکن ہے مجھ کو شعور اتنا (۱۰)

"ڈھلکائے" کی جگہ "ڈہکائے" ہونا چاہیے۔ ڈہکانا یعنی للچانا، دکھانا اور نہ دینا۔ عہدِ میر و مصحفی کا

یہ ایک عام محاورہ ہے۔ دیوانِ دوم مصحفی کا ایک شعر ہے:

مجھ کو ساقی کی یہ مجلس میں بہت بھائی ادا — مصحفی کو جام خالی سے جو ڈہکلانے لگا

۵— بھلا نادم ہو جی میں کہتا ہے — میں نے اس مومیا ن کو کیوں چھیڑا (۲۰)

"بھلا" کی جگہ "بہلہ" ہونا چاہیے۔ "بہلہ" کے معنی ہیں دستانہ یا پنجہ (نوراللغات جلد ۱، صفحہ ۲۷)

مصحفی کے دیوانِ دوم کا ایک شعر ہے:

گہ دست شانہ میں تو کبھی دستِ بہلہ میں — کرنی پڑے ہے خدمتِ زلف و کمر ہمیں

۶— سب طرح کے پھول گڑدوں میں کیے ہیں مجتمع — اک چمن منت رکھے مردم کے تا سر بسنت (۲۶)

"گڑدوں" غلط ہے۔ اس سے مصرع ساقط الوزن بھی ہو جاتا ہے۔ یہاں "گڑدووں" ہونا چاہیے۔ صاحب نوراللغات نے "گڑدا" کے معنی لکھے ہیں مٹی کا لوٹا جس میں لوگ بسنت رُت کے دوران سرسوں کے پھول رکھ کر اپنے آقاؤں یا امیروں کے گھر لے جاتے ہیں اور انعام پاتے ہیں (جلد ۴، صفحہ ۵۱)۔ دیوانِ مصحفی دوم کا ایک شعر ہے:

سر پہ گل طرے کا گڑدا رکھ کے لائی ہے بہار — ہم سے پھگوا مانگنے اس سال آئی ہے بہار

۷— اولچی بن کے وہ شب بام پر آیا اپنے — غالباً ترک فلک کو اسے ڈہکانا تھا (۲۲)

دوسرے مصرعے میں "ڈہکانا" غلط ہے۔ اس لفظ کے معنی ہیں للچانا جو یہاں بے معنی ہے۔ اس کی جگہ "دھمکانا" ہونا چاہیے۔ پہلے مصرعے میں "اولچی" کے بجائے "اوپچی" ہونا چاہیے۔ "اوپچی" کے معنی ہیں بانکا سپاہی، ہتھیار بند (نوراللغات، جلد ۱، صفحہ ۴۲۵) مصحفی کا ایک مصرع ہے:

ع اوپچی بن کے ستانے تو مجھے آیا ہے

۸— مصحفی ہے یہ زمیں ریختہ کلک نصیر — کوئی بیگانہ ہی بولا، نہ بگاڑا اپنا (۲۴)

لفظ "بگاڑا" یہاں کوئی معنی نہیں دے رہا ہے۔ اس کی جگہ "پکارا" ہونا چاہیے۔ مراد یہ کہ نصیر کی یہ زمین مشکل ہے۔ اس زمین میں نہ کوئی اپنا شعر کہہ سکا اور نہ بیگانہ۔

۹— دل ہے یوں زخمدار داس فلک — جیسے ہوتا ہے مچھلی کا کھنڈا (۲۴)

"داس" کی جگہ "ڈاس" بمعنی ڈنک ہونا چاہیے۔

۱۰— ڈھ جائیگا کچھ گھر کے مجھے غم نہیں اتنا — اس خانہ خرابی نے ہوا دار تو رکھا (۱۷)

پہلے مصرعے کا نصف اوّل غلط ہے۔ پہلا مصرع یوں ہے:

ڈسے جانے کا کچھ گھر کے مجھے غم نہیں آتا

۱۱۔۔ اپنی قابل جو ترے رخ کے بنائیں آنکھیں ۔۔۔ جوڑیوں نے ترے تلووں سے لگائیں آنکھیں (۴۳)

درست یوں ہے:

اپنی قابل جو ترے رخ کے نہ پائیں آنکھیں ۔۔۔ حوریوں نے ترے تلووں سے لگائیں آنکھیں

۱۲۔۔ بہانے سے تبسم آشنا لب ہیں ہر ساعت ۔۔۔ دیا ہے کچھ تو جو طفلی میں ہم کو شاد کرتے ہیں (۴۲)

پہلا مصرع اس طرح ہونا چاہیے:

بہانے سے تبسم آشنا لب ہیں ہر ساعت

۱۳۔۔ عشق کا آکر چڑھا جو مجھ کو بھوت ۔۔۔ ہو گئے تارِ غریباں کچے سوت (۲۷)

"تار غریباں" بے معنی ہے۔ یہ "تارِ گریباں" ہے۔ اصل میں بھی اسی طرح ہے۔

۱۴۔۔ شوق ہے گولی لگانے کا ہمیں بھجوا دیں ۔۔۔ ہاتھ آوے کسی عمدہ کی جو بندوق کا نال (۳۷)

"بندوق" غلط۔ "صندوق" صحیح۔ اصل نسخے میں بھی "صندوق" ہی ہے۔

۱۵۔۔ کل تو کھیلے تھا وہ گلی ڈنڈا ۔۔۔ ڈنڈ پیل آج ہوا کیا سنڈا (۲۴)

"ہوا کیا" پڑھنے کی غلطی ہے اس جگہ "ہوگیا" چاہیے۔ یعنی: ڈنڈ پیل آج ہوگیا سنڈا

۱۶۔۔ گھر سے باہر جو میں خو کردۂ رنداں نہ گیا ۔۔۔ فصلِ گل میں بھی کبھی سوے گلستاں نہ گیا (۱۲)

"رنداں" کی جگہ "زنداں" ہونا چاہیے۔ یعنی گھر میں قید رہنے کا عادی۔

۱۷۔۔ جوہر دکھائے سب دلِ بیتاب نے مرے ۔۔۔ رنگِ شتر بنا، جرس کا رواں ہوا (۱۰)

"رنگ" کی جگہ "زنگ" درست۔ اس لفظ کے معنی ہیں گھنٹی۔ مختلف لغات میں موجود ہے۔

۱۸۔۔ بہلانے دل اپنا میں اگر باغ میں جاؤں ۔۔۔ نیرنگی ہر اک نوک مرے حق میں سناں ہو (۵۰)

"نیرنگی" سے کوئی مطلب نہیں نکلتا۔ صحیح ہے "نیزے کی ہر اک نوک..."

۱۹۔۔ میں بارِ تعلق کے نہیں خاک اٹھاؤں ۔۔۔ جس وقت کہ ہستی ہی مری مجھ پہ گراں ہو (۵۰)

"کے نہیں" کی جگہ "کے تئیں" کر دیا جائے تو شعر با معنی ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ میں تعلق کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔

۲۰— آنکھوں کی نہیں سوچ کا باندھوں ہوں تصوّر　　گر یار کی صورت مری نظروں سے نہاں ہو (۵۰)

"کی نہیں" غلط ہے۔ اس کے بجائے "کے تئیں" کر دیا جائے تو شعر بامعنی ہو جاتا ہے۔

۲۱— پیٹ کا بھاڑ ہی بھلا ٹھہرے　　خوب تا اس میں جھونکا جھوک نہ ہو (۵۴)

پہلا مصرع اس طرح ہونا چاہیے: ع پیٹ کا بھاڑ ہے بلا، نہ بھرے

۲۲— تھوڑا ہی میں عاشق نہ ہوا اور کسی پر　　ہجراں میں بھی اس سے ہی سروکار تو رکھا (۱۷)

"تھوڑا ہی" غلط اور بے معنی۔ ہونا چاہیے "تھوڑا ہے؟" یعنی کیا یہ کچھ کم ہے کہ کسی اور پر نہ مرے؟

۲۳— خال و خط دیکھ کے بگڑا جو مزاج عاشق　　پتے اچھلے کبھی اس کے، کبھی سودا اچھلا (۱۹)

دوسرے مصرعے میں "پتے اچھلے" کی جگہ "پتّا اچھلا" ہونا چاہیے۔

۲۴— کھڑے کھڑے نہ کریں ہم پہ مہربانی آپ　　کہ حسن رکھتے ہیں اور عالم جوانی آپ (۲۵)

"کھڑے کھڑے" سے بات نہیں بنتی۔ "گھڑی گھڑی" ہونا چاہیے۔ مفہوم یہ کہ آپ حسین اور جوان ہیں۔ عاشقوں پر زیادہ لطف و کرم سے نقصان اٹھائیں گے۔

۲۵— خوردہ چشم سادہ ہو جب پیرہن میں اُس کے　　آئے پھر کس منہ سے اس کی انجمن میں آئنہ (۵۶)

"چشم" کی جگہ "جسم" ہونا چاہیے۔

۲۶— مٹا دے تلخیِ ایامِ زیست، اے ساقی　　یہ ذائقہ نہیں ممکن کہ بے سراب پھرے (۶۲)

دوسرے مصرعے میں "سراب" نہیں "شراب" ہونا چاہیے، ورنہ کوئی مطلب نہیں نکلتا۔

۲۷— مجھ بادہ کش کی روح جو طوطی طلبے کبھی　　خوشے کتر کتر کے سر دار پست کھائے (۵۷)

۲۸— بھوکا نہ ایسا باغ میں آوے کوئی گروہ　　خوشے تمام ہو دیں تو پھر دار پست کھائے (۵۸)

دونوں شعروں کے دوسرے مصرعوں میں "دار بست" ہونا چاہیے۔ انگور کی بیل چڑھانے کی ٹٹی کو "دار بست" کہتے ہیں۔

۲۹— مت ہجر، عاشق سے چھڑا کاکلِ مسکیں　　اک عاج کا شانہ ہے تو اک شانہ ہے یہ بھی (۵۸)

"کاکلِ مسکیں" کی جگہ "کاکلِ مشکیں" ہونا چاہیے۔ ہزاروں کو پابہ زنجیر کرنے والی محبوب کی کاکل مسکین ہو بھی کس طرح سکتی ہے۔

۳۰— زبس کہ عشق پری طلعتاں میں گل کھائے　　بنایا سینے کو گلدستہ میں نے داغوں کا (۱۹)

دوسرے مصرعے میں "بھیجے" نہیں "پہنچے" ہونا چاہیے۔ بھیجے کو داغوں سے گلدستہ کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ اسی دیوان میں صفحہ ۹۵ پر ایک مصرع ہے: ع کھاکے گل اپنے جو پہنچے کو جلایا تو نے۔

۳۱ــــ کرکا بیچ میں اسوال کیا ہو میں بھی حیران ہوا　　تمازد ہور ہا ہے بوجھ ان کو ٹھوں پہ ہیکل کا (۱۰)

بیشک کر بیچ میں ہوتی ہے مگر یہاں "پیچ" ہونا چاہیے۔ مطلب یہ کر دیکھیے بل کھانے میں کر کا کیا حال ہوتا ہے۔

۳۲ــــ اے ہما اور کھلائے تھے مردہ　　میرے بھی استخواں کو کیوں چھیڑا (۲۰)

صحیح یوں ہے: اے ہما اور کھلانے تھے مردے　　میرے ہی ....

مطلب یہ کہ اے ہما تو نے میری ہی ہڈیاں کیوں چبائیں، اور مردہ جسم بھی تو تھے۔

۳۳ــــ ہماری چشم دل کرنے کو روشن　　سیہ بختی ہے سر پر اصفہانی (۶۶)

"سر پر" کی جگہ "سرمہ" ہونا چاہیے۔ اصفہان کا سرمہ مشہور ہے۔

۳۴ــــ چھپاز گریہ کی چادر میں کیونکر حالِ زبوں　　کہ آنسوؤں کی سرے آبشار منہ پر ہے (۶۲)

"چھپاز" کی جگہ "چھپاؤں" ہے۔

۳۵ــــ بے قید عشق صلح کرے گرگ میش سے　　کھائے گرسنہ اور زغم خار پست کھائے (۵۸)

دوسرے مصرعے میں کئی لفظ غلط پڑھ لیے گئے۔ صحیح یوں: ع کھائے گرسنہ اور نہ غم خار پشت کھائے

خار پشت ایک جانور ہے جس کی پیٹھ کانٹوں سے بھری ہوتی ہے۔

۳۶ــــ مصحفی گرچہ ہے نفقیہ مزاج　　تو بھی اس میں دماغ نکلے ہے (۵۹)

"نفقیہ مزاج" نہیں بلکہ "فقیر مزاج"۔

۳۷ــــ دام پر دوش ہے مخلوق کیا خالق نے　　طاقت اڑنے کی نہ دی جوں پر باہی ہم کو (۵۳)

"دام پر دوش ہے" کیا معنی؟ جال پر کندھا کیسے ہوسکتا ہے؟ ہاں کندھے پر جال ہوتا ہے۔ دراصل پہلا مصرع اس طرح ہے: ع دام بر دوش ہی مخلوق کیا خالق نے

۳۸ــــ نہ سمجھے گا کوئی مجھ کو پیمبر　　عبث دعویٰ ثانی کر رہا ہوں (۴۹)

دوسرا مصرع ساقط الوزن ہوگیا۔ اس طرح ہونا چاہیے: ع "عبث دعوائے ثانی کر رہا ہوں"۔ دعوا عربی لفظ ہے۔ درست املا الف کے ساتھ ہی ہے۔ ملاحظہ ہو مصحفی کی غزل "صہبائے شاعری، دعوائے شاعری"۔

۳۹ــــ لطف کیا جینے کا اس کے رہ گیا پھر لے مسیح　　منہ میں جس بیمار کے اڑ کھیاں سب سٹ گئیں (۴۸)

دوسرے مصرعے میں "سب سٹ" سے "سٹ سٹ" زیادہ موزوں ہوگا۔ اس سے ایک صوتی کیفیت بھی پیدا ہوتی ہے۔

۴۰۔۔۔ کھتا ہوں میں بھی وہ کہ مری جنس دل کو دیکھ گاہک جو ریجھ جائے تو قیمت فزوں کردوں (۴۷)

"کھتا" بالکل بے معنی ہے "کٹنا" ہونا چاہیے۔ کٹنا یعنی فریبی، مکار، ٹھگ لینے والا۔ داستانوں کی کٹنیاں آج تک زبان زد ہیں۔

۴۱۔۔۔ کوئی لے جائے اسے یا کہ نہ لے جائے پہ میں نام پر شوق کے تحریر کیے جاتا ہوں (۴۴)

دوسرے مصرعے میں "نام پر شوق کے" غلط "نامۂ شوق کی" ہونا چاہیے۔

۴۲۔۔۔ اس کا کیا جرم مرے ہوش اڑے ہیں کب سے جو علم غیر پہ شمشیر کیے جاتا ہوں (۴۴)

مصرعِ اوّل میں "کب سے" کی جگہ "کیسے" چاہیے۔

۴۳۔۔۔ پر میاں مصحفی کی چال پہ بھی جیسے ہوتا ہے خود فدا شطرنج (۲۹)

مصرعِ ثانی میں "جیسے" کی جگہ "جی سے" ہونا چاہیے۔

۴۴۔۔۔ اس تازہ گل کے ابرۂ فرغل کے واسطے استر شفق کا شب کو پڑا دہر میں رہا (۹)

دوسرے مصرعے میں "دہر" کے بجائے "ڈہر" (ندی) ہونا چاہیے۔

۴۵۔۔۔ آفتابِ حشر نے کھائی ہیں ازبس سلبیاں منہ نہیں کرتا کبھی میرے شبستاں کی طرف (۳۴)

"سلبیاں" شاید کوئی لفظ نہیں۔ غالباً یہ "سیلی" کی جمع "سیلیاں" ہے۔ سیلی کے معنی ہیں تھپڑ۔ غالب کا مشہور شعر ہے:

اہلِ بینش کو ہے طوفانِ حوادث مکتب لطمۂ موج کم از سیلیِ استاد نہیں

مصحفی کہتے ہیں۔ آفتاب نے میرے شبستاں کا رخ کیا تو تھپڑ کھائے کیونکہ میرے مہروش محبوب کی موجودگی نے میرے شبستاں کو ایسا روشن کر دیا تھا کہ ہزار آفتابوں سے بھی وہ روشنی نہ ہو سکے۔

۴۶۔۔۔ کوتاہیِ بخت اپنے سے محبوب نہ آیا گر ہاتھ لگے ہم کو فراغِ شبِ مہتاب (۲۴)

"اپنے" کی جگہ "اپنی" اور "لگے" کی جگہ "لگی" چاہیے۔ (اپنی بدبختی کہ چاندنی رات میسر آئی تو محبوب نہ آیا)

۴۷۔۔۔ لیے آدم نے اپنے بیٹے پانچ جدی ہوتی ہے پولی پولی آنچ

"پولی پولی" کی جگہ "پولے پولے" چاہیے۔ یہ محاورہ ہے۔ پولا، گھاس کا بنڈل۔ یہ نہیں کہ کسی کے دس

اولادیں ہوں تو ایک سے محبت کم ہو جائے۔ دس پودے جلیں گے تو ہر پودے کی آنچ الگ ہوگی۔

۴۸۔۔۔ ؎ اس کے چھلنے کی ہیں جو گل کھائی (۱۴)

ہونا چاہیے: ؎ اس کے چھلّے کے ہیں جو گل کھائے

۴۹۔۔۔ ؎ کوچے میں ترے بارشِ پیکانِ بلا تھے (۱۴)

"تھے" کی جگہ "تھی" چاہیے۔

۵۰۔۔۔ نہ ہوں اسیر دو رنگین مزاج طائر ہوں ۔ نہ تا کر دام ہو گلزار جیسے تو ر مرا (۲۱)

تین غلطیاں: وہ، تاکے، جی سے۔ "وہ" کا قدیم املا "دو" تھا، اس لیے غلطی ہوئی۔

۵۱۔۔۔ اپنے سینے کا اسے ادنیٰ نگہباں سمجھا ۔ وصل کی شب بھی گلے سے نہ کیا بار جدا (۲۲)

غور کرنے کی بات ہے، ادنیٰ نگہبان تھا تو اسے گلے سے جدا کیوں نہ کیا؟ یہاں "ان نے" ہونا چاہیے۔

۵۲۔۔۔ صبح ہوتے کر جو دی چور نے کونپل لے دل ۔ یار ہمسایہ کی اک رات تو دیوار کو توڑ (۲۳)

"کونپل" نہیں۔ یہ کونبل۔ یہ کونبل بمعنی نقب ہے۔

۵۳۔۔۔ ٹکڑے یہ زمرد کے مگر ٹانکے ہیں اس نے ۔ کچھ کپڑے کی پر شوخ کے محرم پہ نہیں سبز (۲۴)

"کپڑے کے پر" چاہیے۔ یعنی کپڑے کے پر بنا کے لباس پر سی لیے۔ گویا ایپلک ورک کا رواج قدیم سے ہے۔

۵۴۔۔۔ خانہ سوزی کا مرے پوچھ نہ باعث کوئی ۔ ہے یہ مشہور کہ لگ اٹھے ہے خود زاغ میں آگ (۲۵)

"مرے" کے بجائے "مری" اور "زاغ" کے بجائے "راغ" ہونا چاہیے۔

۵۵۔۔۔ استخواں بند ہے تنِ مجنوں ۔ اپنی نظروں میں ہے پتنگ کا ڈھانچ (۲۶)

پہلا مصرع درست یوں ہے: ؎ استخواں بندیِ تنِ مجنوں

۵۶۔۔۔ پیش بینوں کے جو زر ہاتھ کبھی آتا ہے ۔ خانہ کرتے ہیں نیا قبر کی تعمیر سمیت (۲۷)

"نیا" غلط۔ "بنا" ہونا چاہیے۔ سمجھدار لوگ مکان تعمیر کرنے کے ساتھ قبر بھی بنوا لیتے ہیں۔

۵۷۔۔۔ قافیہ خونِ جگر پر جو مرے تنگ ہے آج ۔ اشک جو چشم سے گرتا ہے سوے رنگ ہے آج (۲۸)

مصرعِ ثانی میں "سوے رنگ" کی جگہ "سو بے رنگ" ہونا چاہیے۔

۵۸۔۔۔ نام جس کا ہے دل بہ پہلوی چپ ۔ قطرۂ خوں ہے مبدءِ آفات (۳۶)

ہونا چاہیے "بہ پہلوے چپ" یعنی بائیں طرف۔ (دل بائیں جانب ہوتا ہے)

۵۹۔ کتنا ہے یار شہر گگیں مونہاں	جس کو آتی نہیں ہے کرنی بات (۴۱)

یہ لفظ "مونہاں" ہے۔ معنی جس کا منہ دکھ رہا ہو۔ لغات میں موجود ہے۔

۶۰۔ نقش جب چال سے نکلے ہے مری اس غالر	میں پری زادوں کی تسخیر کیے جاتا ہوں (۴۲)

صحیح ہے: "نقشِ حُب" یعنی محبت کا تعویذ۔ دیوانِ مصحفی چہارم کا ایک شعر ہے:

عاشق نہ ہم نہ ہم کو تمنائے نقشِ حُب	عامل سے بوالہوس ہو سو کھولے نقشِ حُب

راقم نے مجلس ترقی ادب لاہور کے لیے مصحفی کا کلیات ترتیب دیا ہے جو آٹھ جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔ مجلس سے دیوان ہشتم کا جو نسخہ موصول ہوا ہے' اس پر طبع دوم' جون ۱۹۹۴ء درج ہے۔ ظاہر ہے پہلا ایڈیشن اس سے ایک یا دو سال پہلے چھپا ہوگا۔ اب زیر نظر مطبوعہ نسخہ پٹنہ سے مقابلہ کیا تو معلوم ہوا کہ ہم سے کئی لفظ پڑھنے میں غلطی ہوئی۔ محترم قاضی عبدالودود صاحب اور ڈاکٹر عابد رضا بیدار کے شکریے کے ساتھ یہ غلطیاں درست کرکے یہاں پیش کی جاتی ہیں۔

مت آرسی کی شکل دلازار کا گھر بنا (لاہور' صفحہ ۹) راقم نے غلطی سے اس طرح پڑھا تھا: "مت ارسی کی شکل دل آزار کا گھر بنا" جو غلط ہے۔

گر ہے کنک یہ اور یہ پنجہ' یہ پاتسنہ (لاہور' صفحہ ۷) غلطی سے اس طرح پڑھ لیا تھا "گر ہے کنک یہ اور یہ پنجے یہ پاتسنہ"

چہ چب قلم سے میں خر معنی کو ہانک ہانک (لاہور' صفحہ ۵۸) معنی کو غلط پڑھ لیا تھا۔

نسخۂ پٹنہ (ص ۷۰)' نسخۂ لاہور (ص ۱۲۵) میں ایک شعر اس طرح ہے:

سو باغ میں شب اے گل تر تاک کے نیچے	شبنم کا ہے در سایۂ افلاک کے نیچے

مصرعِ ثانی میں "در" غلط ہے۔ "ڈر" ہونا چاہیے۔ ہم دونوں نے غلط پڑھا۔

مندرجہ ذیل شعر راقم سے چھوٹ گیے تھے۔ نسخۂ پٹنہ کے مرتبین کے شکریے کے ساتھ یہاں پیش کیے جاتے ہیں:

ہوئے ہیں گردشِ چشمِ بتاں سے ہم سرمست	ہیں تو دور خوش آیا نہیں ایاغوں کا

ہے تین دن کے فاقے سے بیچارہ مصحفی	تو ٹوٹے ہار کچھ تو یہ ست الست کھلے

چرخ صندوقچہ فرنگ کا ہے	آنکھیں کرتی ہیں سیر تصویرات

(دوسرا مصرع چھوٹ گیا تھا۔)

***

حبیب الرحمن چغتائی ۔
ڈائرکٹر خدابخش لائبریری پٹنہ

دیوان مصحفی ہشتم ۔ ایک استدراک از پروفیسر نورالحسن نقوی
ایک جائزہ

دیوان مصحفی ہشتم جناب قاضی عبدالودود مرحوم اور ڈاکٹر عابد رضا بیدار کی کوششوں سے خدابخش لائبریری نے آج کی کتابت میں شایع کیا ہے اسکی عکسی نقل علیحدہ طبع کی ہے۔ مرتبین کو قرأت کی غلطیوں کا شدید احساس تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر بیدار نے اعتذار کو شامل اشاعت کیا ہے جس میں غلطیوں کا سبب وقت کا نہ ہونا بتایا ہے۔ غلطیوں کا جب یقین ہو گیا تھا تو اس کی اشاعت کو روک دینا ہی زیادہ مناسب تھا۔ عجلت اگر اغلاط کا لازمہ ہے تو اس سے جہاں تک ممکن ہو اجتناب کرنا ہی بہتر ہے۔

پروفیسر نورالحسن نقوی نے اس مطبوعہ نسخے کا سرسری مطالعہ کیا تو اس میں بہت سی اغلاط پائیں۔ اپنے اس مضمون میں انھوں نے صرف ساٹھ اشعار پیش کیے ہیں اور غلطیوں کی نشاندہی کی ہے۔ بے شک انھوں نے دقّت نظر کا ثبوت دیا ہے۔ ان کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ڈیڑھ سو نہ دو سو سال پرانے خطی نسخے کو پڑھنا خاصا دشوار ہے غلطیوں کا در آنا قطعی ممکن ہے۔ ہم ان کے شکرگذار ہیں کہ ہمیں غلطیوں سے آگاہ کیا۔ ان کی محنت شاقہ سے مصحفی کے

سارا مسئلہ تو جدید قرأت ہی کا ہے۔

* شعر نمبر ۵۲ ٹکڑے نہ زمرد کے گر ٹانکے ہیں اس نے کچھ کپڑے کی بر شوخ کے محرم پہ نہیں سبز

نقل میں یہاں بھی غلطی ہوئی ہے۔ 'نہ' کی جگہ 'یہ' ہو گیا ہے۔ ہمارے کاتب کی غلطی سے 'کپڑے' 'کیڑے' ہو گیا ہے۔

* شعر نمبر ۵۴ خانہ سوزی کا مرے پوچھو نہ باعث کوئی ہے یہ مشہور کہ لگ اٹھے ہے خود زاغ میں آگ

ہمارے نسخے میں 'پوچھو' استعمال ہوا ہے۔ صحیح 'پوچھ' ہی ہے۔ اصلاح میں اس کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ ان کی اصلاح سے ہم متفق ہیں۔

* شعر نمبر ۵۹ کتنا ہے یار شر گمیں نموہاں جس کو آتی نہیں ہے کرنی بات

یہاں 'نموہاں' ہی درست ہے۔ قدرے مختلف املا کے ساتھ فیروز اللغات میں یہ لفظ ملتا ہے۔ یہ ہندی کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں 'کم گو'، 'خاموش'۔ ذرا سا غور کرنے سے اس کے معنی خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں۔ یعنی جس کے منھ نہ ہو۔ ہمارے نزدیک یار شر گمیں کے لیے یہی مناسب ترین ہے۔

••

مراسلات

نظیر صدیقی

ہاؤس نمبر ۱۹۱۵، اسٹریٹ ۲، سیکٹر آئی ۱۰/۲
اسلام آباد - ۴۴۸۰۰
پاکستان

خدابخش لائبریری کی شائع کردہ کتاب "جدید اردو غزل" کی ورق گردانی کے دوران دو غلطیاں نظر آئیں۔ صفحہ ۷۹ پر جو دوسرا شعر ہے ؎

وہ قیامت جو سر سے گزری ہے
دیکھیے کب شعور سے گزرے

اس کے سامنے (بائیں جانب) جمال احسانی کا نام لکھا ہوا ہے، جبکہ یہ میرے مشہور شعروں میں سے ہے۔

اسی طرح صفحہ ستر پر منیر نیازی کے نام سے جو تین شعر ہیں، وہ محبوب خزاں کے شعر ہیں۔ اور یہ تینوں شعر میرے اس انتخاب میں شامل ہیں جو آپ نے کتاب میں شائع کیا ہے۔ دیکھیے صفحہ ۸۱۔ ممکن ہے اس طرح کی غلطیاں اور بھی ہوں۔

❁

الطاف حسین خاں شروانی

ڈائرکٹر۔ ڈاکٹر تاراچند میموریل ریسرچ سنٹر
۸۲- پالی - فتح پور- ۲۱۲۶۰۱ - اترپردیش

ایک خط میں نے تھوڑے دن ہوئے لکھا تھا جسمیں خدابخش جرنل (۱۰۱) میں چھپا خط ص ۲۱۴ میں مولانا سید محمد ہاشم کوڑوی کی جگہ مولانا شاہ وارث حسن کوڑوی روحانی استاد محمد نسیم صاحب بیرسٹر لکھنؤ والد ماجد پروفیسر محمد حبیب علی گڑھ مسلم یونیورسٹی لکھنا تھا۔ میرا دوسرا خط عابد رضا بیدار سابق ڈائرکٹر کے نام تھا۔ کاش وہ تصحیح آپ تک پہونچ جائے اور وہ اگلے جرنل میں شائع ہو سکے۔

❁❁

اعتذار

"ذاکر صاحب کے خط" عکسی ایڈیشن مطبوعہ خدابخش لائبریری میں ناموں کی یکسانیت کی وجہ سے کچھ غلطیاں ہوگئی ہیں۔ معذرت کے ساتھ ان کی تصحیح کی جاتی ہے۔

خطوط نمبر ۲۱۷-۲۱۸، ۲۲۰-۲۲۱ عبدالقوی دسنوی کے نام اور باقی آٹھ خط نمبر ۲۱۰-۲۱۶، ۲۱۹ جناب سید شہاب الدین دسنوی کے نام ہیں۔ ہوا یہ کہ سب خطوط جناب عبدالقوی دسنوی سے منسوب ہوگئے ہیں۔

صفحہ ۵۲۱ پر مطبوعہ خط غلطی سے جناب محمود الحسن سے منسوب کردیا ہے۔ دراصل ایک اور صاحب ہیں محمود الحسن جن کے نام یہ خط ہے۔ ان کا تذکرہ ذاکر صاحب نے ڈاکٹر محمد اکرام خاں کے نام اپنے خط (صفحہ ۸۶) میں کیا ہے۔

❁❁

On his request some persons told him about the news of the past six months.

Some persons of Darbhanga and Muzaffarpur requested him to visit those parts at first, for those districts require stirring up by some leaders. Besides this, Muzaffarpur deserves his visit first of all, for he endured all hardships on account of the speech delivered at Muzaffarpur. He did not give any definite reply, but wanted rest for some days.

A message of his release was sent to Seth Chotani, President, Central Khilafat Committee, Bombay.

There will be a meeting in the Anjuman Islamia Hall on 10.10.22 at 7 p.m., in which after offering prayers for the victory of Truks, an address will be given to Dr.Mahmud by the citizens of Patna.

TRANSLATION

Pride of the nation, Dr.Saiyid Mahmud's safe arrival.

Friends, relations and others have come in the jubitant assembly. Dr.Saiyid Mahmud has come there; praying the Almighty with great excitement he has been brought and he has come.

O Nation! Star of your fortune has again become bright, i.e., whom you were expecting, has come.

The most honourable and the lover of unity has come after passing the hardships of jail life. He did not allow the prestige of the nation to vanish. Even in jail he maintained the prestige.

There is such a big assembly of eager men to see him that they came here with palpitating heart. The people are very eager to see him, who has put the sun to shame. They brought his image pressed to their hearts.

Not only the friends, but all the public are cordially invited to meet him.

Shahudi (the poet) addresses the eager public that if there is any brave man, he ought to go to and come from jail like him.

Shahudi of Jaunpur.
Sadaqat Press, Patna.

****

14. You may pass any decision but you should consider my speech, well and say if there is anything in it which is against morals or religion or even against law.

15. What I have said or will say thereafter will always be in obedience to or in accordance with the commands of God and for country and religion, and if for serving my religion and my country, accusations are made against me, I am always ready to suffer the consequences.

I bend my head in acceptance whatever my friend pleases to do.

There is nothing for me to give my message.

Whatever I had dedicated to you. I have for my own accord put myself in bondage of your love.

I prefer prison that what they want to allure me to. O God if you do not protect me against their allurements I shall be worst of the fallen.

CONFIDENTIAL

Copy of a Special Branch Officer's report, dated the 9th October 1922.

I have the honour to report that Dr.Saiyid Mahmud after his release from Buxar Jail, reached Patna Junction Railway Station by 4 p.m. express train today. There was a gathering of about 200 persons (Hindus and Muhammadans) mostly of this town. The prominent figures were M.Mazharul Haque, Mantheshwar Sharma, Parasnath Tripathy, Fazlur Rahman, Muhammad Isa, Abdul Bari, Abdul Hamid of Patna, M.Abdul Wadud, M.Abdul Waheed of Darbhanga, M.Suleman, M.Mohiuddin of Phulwari. Some volunteers were also paraded on the platform with national flags. On arrival of the train, the people raised the cry of "Allah O Akbar". On alighting from the train, Dr.Mahmud was garlanded and embraced by some of the prominent figures. He was taken to a motor car which was kept near the portico and drove off for Sheristan (Provincial Khilafat Office) accompanied by Shah Suleman, M.Mohiuddin and others, with a procession composed of National Volunteers, having flags in their hands and singing national songs.

On his arrival in the Provincial Khilafat Office, arrangements for tiffin and tea were made and he granted interviews to persons who had gone there to see him. The main topic was his welfare and jail life. Maulavi Shahudi of Jaunpur, a Khilafat worker, read some verses (a copy of which is enclosed), composed by him in praise of Dr.Mahmud and in connection with his release. A copy (of the verses) printed on a piece of cloth was made over to him.

laid stress on this that there should never be the least violence. There are instances to show this that there have been audiences from 200 to 10,000 peoples, and there has always been perfect peace, and there never arose any necessity to attempt to preserve peace, as is evident from the reports of the C.I.D. and other reporting officers. The Government ought to take pride that there are men who with honest motives disclose and point out its defects and warn it.

9. It is not and cannot be the desire of any Muhammadan specially of an Alim, to create difference and dispute amongst different persons. To create dispute is the act of an animal. By God's grace I have settled disputes and brought emity amongst hundreds of Hindus and Musalmans and have always in my speeches laid stress on the evil consequences of duplicity and dissensions. It is forbidden by my religion to speak or write anything which may create dissension or mischief among any class of people. There is a Qoran verse which says that to create mischief is worse than murder, and it is my duty to act upon this injunction of the Qoran Sharif. An Englishman is a human being and I consider it a most reprehensible act to create hatred any individual Englishmen, nor has it ever entered into my thought to do so. But I have, and every Mussalman child has, objection to their existing system of Government and if the Government does not reform itself and show real sympathy for Islam this objection will continue till the end of my life.

10. It is stated in the report that I said that Englishmen were monkeys. This is wholly incorrect. The truth is that I said by way of a metaphor that as there is no fixity in the stay of monkey even so the promises of the English Government have no fixity. The reporter has omitted the metaphor and said what suited him.

11. The statement that I said that we would go to London and fight with them (Mukawla karenge) was made in a sense of our going to London and pressing our demands. The truth of my statement on this point is borne out by the reports of Manzoor Ahmad and Wasi Ahmad. Both of these reports put the ward "challenge" in my mouth and not "fight"

12. The statement that I said that God save me that I should see any Englishmen is also not correct I had said that it is impossible that I would look upon any Englishman with affection who acts against Islam. The reporters failed to understand me and have mutilated what I have said.

13. The allegation about my having said that these Europeans are nobody (kisi ke nahim hai) is also a mistaken report of my speech. I had certainly said that authorities to rule over us have proved by their attitude and mode of action that they are not the well wishers of Islam or of Indians and that this is now what everybody says.

5. After finishing my studies which happened 15 years ago, I have always been engaged in imparting instructions and giving sermons. It has always been my taste and desire to do religious work and to call people to the true path, and to teach the Muhammadans the true unity of God, and to make them follow the footsteps of the Holy Prophet (Peace be upon him). I can rightfully assert that I have never quarrelled with any class of people or individuals nor have I ever joined in the fomentation of such quarrels. I have never taken part in home affairs even.

6. I remember the speech which I had delivered in Muzaffarpur and for which I have been prosecuted. The extracts which have been supplied to me by the Court show that my speech has been at places multilated, some portions are incorrect and others are without any foundation. All this goes to show that the C.I.D. and other reporting officers could not follow me at places, have not reported several portions, and have by guess made additions, the result of which has been that the context (of the report) besides being disjoined and unintelligible, does not convey the purport of my speech.

7. I had said that people should non-cooperate with the Government and the system of Government is such that any class of people especially the Muslim, cannot co-operate with it. In my Muzaffarpur speech and at other places I have said that my non- cooperation with the members of Government is not because they are men and creation of God. I have seen from the writings and it is my experience and occurence have also strengthened me in the belief that this Government has not only no sympathy with Islam and Musalmans, the Khalifa of Musalmans and their Holy places, but is antagonistic to them. In these circumstances it is the bounded duty of a person who believes in God loves the Holy Prophet more than his life, property and children, believes in the Koran Sharif as the truly revealed books and has faith in every word of it, and considers it his duty to act upon it and considers Mecca and Medina as the holiest of all the places in the world, to non-cooperate with such Government. A Muslim who in such circumstances co-operates with such Government is not a Muslim in the true sense. Qoranic verses and inumerable sayings of the Prophet show that you should not co-operate with one who is an enemy of Islam.

8. The purport of my Muzaffarpur speech was that as the Government is opposed to Islam people should non-cooperate with it, and I laid stress on the fact that they should be wholly non- violent according to the principles of Non-cooperation and there should not be the least disturbance of public peace and tranquility, so much so, that if Government takes strong measure and wards punishment people should bend their heads in acceptance. Not only in Muzaffarpur, but also in my speeches of other places I have always

TRANSALATION

In the court of the District Magistrate of Muzaffarpur.

The written statement of Abdul Wahab.

1. I am making this short statement with a view to make the true things known, so that my countrymen may know that real state of things. God willing, I shall receive full reward from the Holy God this declaration of truth which will change all my worldly troubles and sufferings into happiness, and that will be the best recompense.

What to speak of me it is never the faith or practice of any Muhammadan to hurt anybody. I have studied the Hadis (sayings and doings of Holy prophets) and such studies have been my constant occupation. The Holy prophet (peace be upon him) have delcared that he is the Muhammadan who does not harm anybody with his hand or tongue, therefore on the authority of this religious injunctions I fully realise the duty and cannot forget the commandment, and I have ever been a faithful observer of this.

2. If any Muhammadan is inimicably disposed towards any person and acts against him, the thing to be seen is whether he does so for his personal interest or in obedience to the order of God and his Prophet. In the former case his action is not right and in the latter case it is not only proper but on occasions it is his bounded duty to act so. Even if a Muhammadan Government acts against the commands of Gods and Prophet, it will be my duty to non-cooperate with that Government.

3. It is as much a sin to conceal truth as not to declare it, and there are a number of verses of the Koran and saying of the Holy Prophet in this connection. To maintain silence when there is occasion to declare truth is also reprehensible, and one who does so is regarded as a slackener in faith.

4. It is all the more incumbent upon Alims than upon ordinary persons that they should without fear or dread call people towards things ordained and restrain them from things forbidden, otherwise they would come within the perview of the Hadis which lays down that an Alim who knowingly conceals truth will be punished by reins of fire of Hell being put in his mouth. The Holy Prophet has called the Alims his heirs, and as Alim can only claim to be such, only when he strictly follows the footsteps of the Holy Prophet (God bless him and peace be upon his soul). It is the duty of an Alim to declare truth before the oppressive ruler, and our books of Hadis are full of the praises of such an Alim.

ideal. I therefore indignantly refute the charges of hatred and contempt. As to the charge of disaffection, let me point out that there is not much affection left in this country for the present system of Government and that under these circumstances it is hardly necessary for me to go about preaching disaffection. Mahatma Gandhi has well pointed out that affection cannot be regulated by law, but can only be the outcome of friendly relations. I confess I have no affection for the Government headed by Mr.Lloyd George, who has been consistently offending my religion and my country, and who, in my humble opinion has disgraced his own country by his wanton breach of pledges given in the name of England. A non-co-operator may not hate but it is impossible to have affection for a Government which in my opinion as a Muslim has repeatedly broken the commands of God. For a Muslim, whose religious commandments he has violated, to have affection for such a Government would be denial of God: and as I claim to be a God-fearing person, I am free to confess that I have no such affection. At the same time I should like to say that there is nothing virulent or personal in my disaffection. It is directed against a false ideal and a system not the individuals concerned.

Reports also speak about my references to the crawling order in Amritasar, to our determination to become free, to the insistence and virtue of non-violence etc. If it is an offence to refuse to crawl on my belly at the direction of a tyrant, if it is an offence to work for the attainment of freedom for one's country, if it is an offence to change the mentality of my opponent by living the ideal "Resist not evil", if it is an offence against to preach non-violence and Ahinsa I confess that I have been guilty of that offence.

I have given this statement, not with a view to explain away anything and thus to escape punishment, but only as in duty bound, to make my position as a non-violent non-co-operator clear, I have given my word to my country that I shall remain non-violent in word, thought and deed: and I feel it an insult that I should be charged with uttering sentiments in any way approaching to violence. Now I have done. I am content to leave myself in the hands of God. I am ready to cheerfully undergo any punishment that may be inflicted upon me for the offence of love of religion, or for the offence of love of country. Bande Matram Allah O Akbar.

Sd/-
Syed Mahmud.
Dated 5.4.1922

Written statement filed by Abdul Wahab Section 124(A)/153(A) I.P.C

All the reports but one agree that I said that I was a revolutionary, but on this point they are highly misleading. The full context is not given and even the longest report has omitted certain material passages, and is incomplete. A single solitary sentence picked out from a whole speech might convey one meaning, while the same sentence read with the preceding and following sentences might convey quite a different meaning. In my speech I remember to have said that the movemnet of N.C.O. sought to revolutionise the very thought and ideals of the whole world, and that in that sense it was a revolutionary party and that I was one of that party. I added that we had succeeded in revolutionising the thoughts and ideals of the world. These passages do not find a place in the report. And then, according to some reports I have said that I would drive away the English, while in others there is no mention made of it; still another says that the English might live with us as fellow citizens with equal rights. I take leave to deny the truth of the statement that I said that the English should be driven out. I take leave also to point out that I have amongst Englishmen some of my best and most intimate friends. I have consistently opposed and attacked the idea of Englishmen being driven out, and I emphatically deny again that I could have even made such a statement. It would be irrational for one to contradict myself in the same paragraph in one and the same speech. I want them to remain out as our masters, but as our friends and equals.

The words "I have seen with my own eyes... "have been reported to have been spoken by me in referring to the police attacks on peaceful citizens in Calcutta. The incidents referred to were told me by people who had seen with their own eyes when I went to Calcutta and I submit that I said as much in one of the reports, it is alleged that I said that "No Government exists." The Urdu copy from which the translation has been made does not bear any such statements evidently, the translation is wrong and misleading. And another report put the following into my mouth. "For the arrest of Shaukat Ali and Muhammad Ali, people did many things but no heed was paid to them". The other reports make no mention of it at all. What I said in fact was that the Indian members of the Executive Council and even the Chief Law Officers of the Government of Bombay the Advocate General all were against the prosecution; none the less Government persisted in prosecuting the Ali Brothers.

I am charged with contempt and hatred of the British Government. I am amused at the charge, for I have repeatedly, even according to the report, laid stress on non-violence and the necessity of prayer to the Almighty to change the mentality of those who are not of our way of thinking. It is against the creed of the N.C.Os to entertain feelings of the hatred and contempt for anybody. I claim to have lived to the best of my ability to this

In the Court of the District Magistrate, Muzaffarpur

Sir,

I stand charged before this court with an offence under Section 124(A) of the Indian Penal Code. I should have liked to plead guilty, for that would have immediately lightened my task and as I believe also that of this Court. But it is impossible for me to do so as I cannot conscientiously accept the correctness of the reports in their entirety. Sentiments which I never expressed and should positively hate to entertain are sought to be put into my mouth. Of this I shall speak later.

Now before this court there are four different extracts of my speech. The discrepancies - glaring discrepancies - in them are sad commentaries on the methods of reporting adopted by the Police. There are some differences in these reports which cannot fail to strike the average man. This Sub-Inspector Faiz Ahmad Khan says that I said "Mahatma Gandhi's command is that those who were not ready for Civil Disobedience should gird up their loins in no time" while none of the others, not even the shorthand reporter, has anything to say about it. While one of the witnesses states that I said "the War will begin tomorrow in all India" another confines the zone to Bardoli while a third makes no mention of either Bardoli or all India.

According to the report of the first witness I said "The Government thought that the movement had been weakened in Bengal. It is because they put faith in Sir Surender Nath Banerjee, and because no anarchism had been started there yet." Of the other witnesses, none refer to my alleged statement about anarchism, one says that I said that Sir Surendra was not even consulted before repression was launched and that his words were disregarded.

The fourth reporter puts the following sentence into my mouth. "I want to tell them that they unanimously passed the resolution in the Council (not of Non-cooperators) that all the laws that are in force in India are not just ones and that they should be repeated." Surely even the police could give me credit for more intelligence than such an announcement would suggest? I referred to the withdrawal of the Criminal Law Amendment Act proclaimed in this Province and of the Government's indifference to carry out the Council's resolution to withdraw the promulgation. I was a lawyer and I certainly knew that the Bihar Government could not repeal this Act, and much less "all the laws".

Sd/-
For Deputy Inspector General of Police,
C.I.D. Bihar and Orissa.

Copy of D.O. letter dated the 9th April, 1922 from the Superintendent of Police, Muzaffarpur, to the D.I.G. of Police, C.I.D., Patna.

I enclosed the written statement and translation filed by Abdul Wahab in the case under Section 124(A), 153(A), I.P.C. on 7.4.1922.

I am satisfied that he has tried to pose as a religious man and at the same time told a deliberate lie. There is not the least doubt that he did say the Englishmen were monkeys and his effort to shuffle out of it is very feeble.

I will send you the written statement of Dr.Mahmud as soon as I can get it. The District Magistrate has it at present and is busy writing his judgement. Orders in this case will be passed on Monday and in the Abdul Wahab case on Wednesday.

CONFIDENTIAL
Bihar Special Branch,
Patna, P.O. the 19th April, 1922.

Memo No.4435 S.B.

Copy together with a copy of Abdul Wahab's statement, forwarded to the Chief Secretary to the Government of Bihar and Orissa, for information in continuation of this office Memo.No.4128 S.B., dated 7th April 1922.

A copy of Dr.Mahmud's statement is also enclosed.

Sd/-
for Deputy Inspector-General of Police,
C.I.D., Patna.

---

for the Government on the part of the people and it is unnecessary for any speaker to create disaffection.

He concluded by quoting Mahatma Gandhi that affection are not to be manufactured by legislation and said that he was ready to suffer any punishment that may be inflicted for the offence of refusing to crawl at the order of a tyrant, for serving his country and following his religion.

The court asked the accused if he would furnish bail of a small amount but the accused refused.

The case has been adjourned to 10th April 1922 for judgement.

Memo No.4157 S.B. Bihar Special Branch,
Patna, the 8th April 1922.

Copy forwarded to the Chief Secretary to the Government of Bihar and Orissa for information in continuation of this office Memo. No.4128 S.B. dated the 7th April 1922.

Sd/-
For Deputy Inspector General of Police,
C.I.D. Bihar and Orissa.

Copy of a telegram dated the 12th April 1922 from the Superintendent of Police, Muzaffarpur.

Orders passed today Abdul Wahab eighteen months simple nine months each section Dr.Mahmud six months simple.

Memo.No. 4298 S.B. Bihar Special Branch
Patna the 13th April 1922.

Forwarded to the Chief Secretary to the Government of Bihar and Orissa for information in continuation of this office Memo.No.4157 S.B. dated the 8th April 1922.

I have the honour to report that the case against Dr.Syed Mahmud under section 124(A) I.P.C. was taken up this morning (5th April 1922).

The following prominent gentlemen watched the trial:

(1) Dr.Marmduke Pickthall, Editor, The Bombay Chronicle.
(2) Babu Rajendra Prasad of Patna.
(3) Babu Brij Kishore Prasad of Darbhanga.
(4) Mr.Mazharul Haqq.
(5) Maulavi Abdul Fakhr of Allahabad.
(6) Mr.M.S.Sharma of the Motherland.
(7) Maulavi Hussan Arzoo
(8) Maulavi Abdul Jalil of Darbhanga.
(9) Mr.Khursheed Husnain of Patna.

The court room was crowded and about 500 people had assembled outside but there was no noisy demonstrations.

After the prosecution witnesses had been examined and the charge framed the accused with the permission of the court read out his written statement which he filed.

The accused said in his written statement that he cannot accept the correctness of the police reports in their entirety and pointed out that there are glaring discrepancies and differences in the police reports. He stated that single stray sentences have been recorded which unconnected with the context convey wrong impressions and that the police reports are misleading.

He denied havaing said that "we are revolutionaries" but having expressed sentiments to the effect that the Non-co-operation movement has revolutionised the thoughts and ideals in the world and in that sense they have revolutionised the world and claimed to be revolutionaries.

He emphatically repudiated having said that they would turn out the Englishmen from India and asserted that it was not possible for him to make such statements as such ideas were against his principle and he claimed many Englishmen as his friends.

He further denied having said that no Government exists.

Finally he admitted that there is not much affection in him for the present Government with Mr.Lloyd George who had broken his solemn pledges regarding the Khilafat, at its head. He also said there is no affection

6. Brijkishore Prasad, Darbhanga.
7. Fazle Rahman, Patna.
8. Sayed Ahmad, brother of accused.
9. Ramdeyal Singh, Muzaffarpur.
10. Mathura Prasad Dichit, Muzaffarpur.
11. Gorakh Prasad, Motihari.
12. Shamacharan, Muzaffarpur.
13. M.S.Sharma, Patna, Editor, "Motherland".
14. Md.Jalil, Darbhanga.
15. Hasan Arzu, Patna.

The Court was crowded with Muhammadans in Khaddar and a crowd of about 500 collected. Everything passed off quietly. Orders will be passed on Monday.

---

3. While driving Dr.Mahmud from the Jail to the Court this morning I mentioned to him that everything was much quieter at present. He replied that it would not remain so much longer. Mahatma Gandhi had ordered that the movement was to remain non- violent only for three months.

CONFIDENTIAL

Bihar Special Branch,
Patna, P.O. the 7th April, 1922.
Memo No.4128/27 S.B.

Copy forwarded to the Chief Secretary to the Government of Bihar and Orissa, for information.

Sd/-
for Deputy Inspector-General of Police,
Criminal Investigation Department, Patna.

Copy of a Special Branch Officer's report dated the 5th April 1922.

II. This Government acted with great cunningness. From that cunningness and treachery which the Government have done, every righteous and God fearing man would say that they left no stone unturned to ruin Islam.

III. Your Ulemas have passed Fatwa for Jehad, but the people misconstrue the meaning of Jehad, as they say that Jehad is only done with sword, but I say to them that they are not required to do Jehad with sword unless necessity arises to adopt such a course. I would say to them to keep themselves in readiness to meet the situation but in order to take such a course the Jamiatul Ulema would decide. You are to be non-violent and to this decision your Ulemas have arrived at, as they consider it necessary. Therefore all the Muhammadans should keep themselves in readiness for that occasion and they should not show their back when the time for same arrived within the next 2 months, 4 months or a year. When they...

S.I. S.M.Ishaque

You must believe that there was no greater enemy of not only the Turks but the Muhammadans than this (British Government)

Rest assured with what cunningness the Government has ..... Just consider with what mo... the Government stepped for ... An intelligent man can very well understand.

The Ulemas have passed the Fatwa of Jehad. Be sure that Jehad will decide the fate of the country, you should be non-violent and be prepared for that day - in accordance with your religious precepts - when you will stand up (with sword?) - God forbid that day may never come. You will have to think of it then.

Extract from the confidential diary of the Superintendent of Police, Muzaffarpur for the week ending the 5th April 1922.

Trial of Dr.Mahmud Section 124(A) I.P.C. came off this morning. The following N.C.O. leaders were present:

1. Mazharul Haq, Patna.
2. Mr.Pickethall, Bombay, Editor, Bombay Chronicle, wearing a Gandhi cap.
3. Md.Fakhir, Allahabad.
4. Khurshid Husain, Patna.
5. Rajindar Prasad, Patna.

this office since they had not been submitted by the Superintendent of Police.

I have the honour to be,

Sir,
your most obedient servant,

Sd/-
Deputy Inspector General of Police,
C.I.D., Bihar and Orissa.

Report of Speech delivered at Islampur
S.I.Ali Imam (Islampur P.S.)

The British Government have left no stone unturned to ruin Islam and destroy the Moslem territory.

The Ulemas have unanimously given out the Fatwa of Jehad. The sword should not be used but they should be ready for the time to come when the difference between the Muslims and infidels will be differenciated.

COMPARATIVE STATEMENT OF THE SPEECH OF ASHFAQ HUSAIN DELIVERED AT BIHAR ON THE 16TH FEBRUARY 1922

S.I.Mahmud Jan Khan's report

You have to fight with the Europeans nation who do not use sword but the

*

COMPARATIVE STATEMENT OF THE SPEECH OF ASHFAQ HUSAIN ON THE 17TH FEBRUARY,1922

S.I.Gul Muhammad

I. The Muhammadans should believe that there is no greater enemy in the world, not only of Turks but of the Muhammadan religion than the British Government.

submit a note on the evidence that is available to prove the speeches delivered at Bihar on 16th February 1922, at Islampur on 17 February 1922 and at Barh on 18th February 1922 by Ashfaq Husain who accompanied Bi Amman during her recent tour in this Province and is reported to be the Private Secretary of Mr.Shaukat Ali.

BIHAR SPEECH dated 16th February 1922

This speech was reported by 3 officers whose original notes were signed by a Magistrate on the day of the speech.

A comparative statement showing the objectionable passages is enclosed.

Item I - As reported by C.I.D. Sub-Inspector, Mahmudjan Jhan, it is certainly actionable under Section 153(A) Indian Penal Code but as other two reporters do not properly support him it cannot form a charge against the speaker.

Item III comes under the Criminal Law Amendment Act and is reported by all the three officers.

ISLAMPUR SPEECH dated 17th February 1922.

There were 4 reporters but the notes of two of them do not contain the initial of any superior officer.

From the comparative statement enclosed it would appear that the three items come within the scope of Section 124(A) Indian Penal Code. And as they have been reported by at least 2 reporters whose notes were initialled by a superior officer immediately after the meeting, they can be proved against the speaker.

BARH SPEECH dated 18th February 1922.

There is nothing seriously objectionable in the speech except that the speaker called for volunteers.

As the speaker is not resident of this Province he cannot be proceeded against here under Section 108 C.P.C. for which the evidence appears satisfactory.

But although there is no doubt that the speeches are mischievous and objectionable, the evidence available does not appear to me to be strong enough to justify specific action under Section 153(A) or 124(A) on any of them. In the circumstances the District authorities have not been consulted.

The delay in the submission of this case is due to the facts that the evidence was not received from the district before the 6th March and that the translations and transliterations of original notes had to be prepared in

Police, Muzaffarpur, alongwith a Sub-Inspector of this Department has been sent to Bombay to execute the warrant against Dr.Saiyid Mahmud and an Inspector of Police, Muzaffarpur, has been sent to Darbhanga to execute the warrant against M.A.Wahab.

The dates fixed for M.Abdul Wahab's case is the 15th while the date for the other case is the 7th of April 1922.

I have the honour to be,

Sir,

Your most obedient servant,

Sd/-
Deputy Inspector General of Police
C.I.D., Bihar and Orissa

No.4048 S.B.
874-III-22

Office of the Deputy Inspector General of Police, C.I.D.,
Bihar and Orissa
Patna P.O.
The 4th April 1922

From
R.S.F.Macrae, Esquire, C.I.E., C.B.E.
Deputy Inspector General of Police,
C.I.D., Bihar and Orissa.

To,
The Chief Secretary to the
Government of Bihar and Orissa.

Sir,

In continuation of this office Nos.2448 adn 2449 dated 22nd February 1922 and No.2557 dated the 23rd February 1922, I have the honour to

I give preference over any and everything which they be called upon for this will give us Khilafat Punjab and Swaraj.

R.No.788/25 Mar 1922

Copy forwarded to the Chief Secretary to the Government of Bihar and Orissa, for information, with reference to his letter No.1132-C dated the 15th March, 1922.

Sd/-
for Deputy Inspector General of Police,
C.I.D. Bihar and Orissa.

No.3716 S.B.
Office of the Deputy Inspector General of Police, C.I.D.,
Bihar and Orissa
Patna P.O.
The 24th March 1922

From
R.S.F.Macrae, Esquire, C.I.E., C.B.E.
Deputy Inspector General of Police,
C.I.D., Bihar and Orissa.

To,
The Chief Secretary to the
Government of Bihar and Orissa.

Sir,

With reference to your letter No.1080-C, dated the 10th March 1922, I have the honour to state that complaints against Dr.S.Mahmud and M.Abdul Wahab under section 124(A), I.P.C. and 124(A)/153(A), I.P.C. respectively were filed at Muzaffarpur on the 18th March 1922. Bailable warrants of arrest have been issued against both accused. The Deputy Superintendent of

Section 124(A) Indian Penal Code and District Magistrate, Muzaffarpur will issue warrant of his arrest unless you have any objection. Please wire whether proposed action would cause your Government any inconvenience.

No.3715 S.B.
Office of the Deputy Inspector General of Police, C.I.D.,
Bihar and Orissa
Patna P.O.
The 24th March 1922

Copy of telegram dated the 23rd March, 1922 from the Khilafat Office, Bombay to the "Searchlight", Patna.

For nearly week there were strong rumours of Dr.Syed Mahmud's arrest under section 124(A) for an alleged seditious speech delivered at Muzaffarpur. This morning Mr.Bahauddin of C.I.D. Police Bombay, accompanied by Dy.Superintendent of Police and Inspector C.I.D. Police, Bihar came to Central Khilafat office and enquired about Dr.Syed Mahmud who was away at Mahim. He was at once informed of the arrival of warrant. After wishing goodbye to Biamman who very touching and with her blessings bade farewell to him.

Pg.II. he returned to office where Seth Chotani, Mr. and Mrs.Upsai, Mr.Bombaryi, Mr.Tavisce, Mr.Desai, Mr.Khatri and Maulana Muhammad Ali alongwith other persons had assembled to wish him farewell. He took his arrest very courageously and smilingly and asked for a few messages of goodbye to be despatched to several of his friends. He was served with warrant at 2 p.m. and after being garlanded by Seth Chotani and by teachers boys of Mustafa Kamal Pasha High School said, goodbye.

Pg.III.(Goodbye) to one and all amid shouts of Alla-ho-Akbar raised by friends people assembled outside the office and the school children. He is leaving tonight by Calcutta Mail and will probably proceed via Jubbulpur, Allahabad and Patna from where he will be taken to Muzaffarpur. The following is the parting message which he left for his community and countrymen. I thank Almighty God that he has been graciously pleased to accept my humble services in the case of my faith and country and that offering has finally culminated in my arrest. I would like to appeal to my co-religionists and countrymen to hold fast to Hindu-Moslem unity to which

I have the honour to be

Sir,

Your most obedient servant,

Sd/-
Chief Secretary to Government.

WHEREAS the Governor in Council has reason to believe that Dr.Saiyid Mahmud of Patna, has committed the offence punishable under section of 124(A) of the Indian Penal Code in a speech delivered by him at Muzaffarpur on the 11th February 1922, the Governor in Council under the provisions of Section 196 of the Code of Criminal Procedure hereby orders and authorises the Superintendent of Police, Muzaffarpur to make a complaint against the said Dr.Saiyid Mahmud under Section 124(A) of the Indian Penal Code in respect of the above mentioned speech.

By Order of the Governor in Council

Sd/-
Chief Secretary to the Government of
Bihar and Orissa
Dated Patna, The 9th March 1922.

Ciphar Telegram

From
Bihar, Patna
To,
Bombay Special,
Bombay.
Dated Patna, the 10th March 1922.

Local Government have sanctioned prosecution of Dr.Saiyid Mahmud of Patna, Officiating Secretary Central Khilafat Committee, Bombay under

Wahab under Section 124(A) and Section 153(A) of the Indian Penal Code in respect of the above speech.

By Order of the Governor in Council

Sd/-
Chief Secretary to the Government of
Bihar and Orissa
Dated Patna, The 9th March 1922.

No. 1080 C
GOVERNMENT OF BIHAR AND ORISSA
POLITICAL DEPARTMENT
SPECIAL SECTION

From
E.L.L.Hammond, Esquire, C.B.E. I.C.S.,
Chief Secretary to Government

To,
The Deputy Inspector General of Police,
Criminal Investigation Department,
Patna.

Dated Patna, the 10th March 1922

Sir,

In reply to your letter No.2811, dated the 1st March 1922, I am directed to say tht the Local Government sanction your proposal that Dr.Saiyid Mahmud of Patna and Maulana Abdul Wahab of Darbhanga should be prosecuted under Section 124(A) and Sections 124(A) and 153(A) of the Indian Penal Code respectively in respect of the speeches delivered by them at Muzaffarpur on the 11th February 1922. I am accordingly to enclose orders under Section 196 of the Criminal Procedure Code authorizing and directing the Superintendent of Police, Muzaffarpur, to make complaint.

2. A copy of the Legal Remembrancer's opinion is also enclosed.

3. The Bombay Court is being consulted.

W.H.C.Manzoor Ahmad's report

You should make your enemies understand what you are. You must be knowing that from tomorrow there would be resumed civil disobedience in Bardauli. You should also be bold and say that you are also ready and also point to Government what you are and that you challenge her.

If they agree we shall challenge her in England.

....

My grandfather used to say that the Europeans are monkeys. They calm us by giving us threats. I have always lived in Darbhanga but I never met with any Europeans simply because they are my enemies.

....

I also warn you to boycott the Europeans. I will appoint you as National sepoys.

S.I.Faiz Ahmad's Report

God commands "Cut all connections with the enemies of Islam."

... .

Let the Government be convinced that we are prepared for any lot. If Jehad is ordered, every Muhammadan should be ready for it and let the Khan Bahadurs go to hell which has been alloted to the lot of theirs. We have got to face a great enemy.

... .

I am quite ready for civil disobedience.

English are treacherous, they cause split between Hindus and Muhammadans.

WHEREAS the Governor in Council has reason to believe that Maulana Abdul Wahab of Darbhanga, has committed offences punishable under Section 124(A) and Section 153(A) of the Indian Penal Code in a speech delivered by him at Muzaffarpur on the 11th February 1922, the Governor in Council under the provisions of Section 196 of the Code of Criminal Procedure hereby orders and authorises the Superintendent of Police, Muzaffarpur to make a complaint against the said Maulana Abdul

your help and remain non-voilent. Let them do Zulum as much as they can tell them "Sar-i-taslim kham hai jo mizaj-e-yar me ae" (My head is bowed down before you, do what you like with it.

2. Nay, we would go London and fight with them (mokabla karange).

3.You should challenge the Government and carry on your propaganda without any violence. When the time would come when you would be required to proceed further the present limits, even then you should say you are quite ready.

4. My grandfather had rightly said that the English were monkeys. Those people (British) are ruling over us by adopting the policy of divide and rule. This is the one form of ruling over us and the other is through bestowing titles of Khan Bahadurs and Rai Bahadurs. A gentleman who had met a European - God forbid I may see any Englishman as it is against my religion to see an Englishman.

5. I say Muzaffarpur people are ready and when the order for mass civil disobedience would be received I would do it.

6. Leave your connection with the Government. These Europeans are no bodies (Kisi ka nahi).

S.I. Wasi Ahmad's report

God says - "Non co-operate with your enemies. "Stretch your hands show your courage and let people see. Dr.Mahmud Ali who is a Secretary of the Khilafat must shout "Labaik" (ready and begin) and we must begin Civil disobedience at once from this place.

We shall go to London to give a challenge.

Tell the Government that we shall be non-violent but if the chances arise we are even prepared to depart from it. Our old mother.... to declare Jehad in Bihar ... and should we not follow.

My grandfather said "when the English had come they were monkeys. They created disunion between Hindus and Muhammadans. I have never mixed with any Englishmen on account of their being enemies of Islam.

....

Cut off your connection with Nesara (Christians) because Firangi or Europeans are not to be trusted. Remember you will be put to a great disgrace.

been kept in order to possess India. Unless you break all these fetters Indian can never be free.

By having supremacy over Dardenelles they want to possess Constantinople. By Gibralter they want to get Morrocco, by Suez Canal they want to possess Egypt and by Aden and Persian Gulf they want to possess Arabia and Persia. Unless these countries would get freedom in its true sense, India can never be free.

Offg.Inspector Anwar Ali

He referred to today's paper in which something is said by late (Viceroy) Lord Curzon addressing him as an enemy of India and Misr (Egypt). Then he referred to the advent of the Europeans in Misr (Egypt),30 year back in the event of settling dispute with Mustafa Kamal Pasha in order to keep peace there, also referred to the promise of Mr.Gladstone to leave in 6 months - what face they would show. But they gradually established themselves there and later say that it is difficult to leave Egypt. He said this was the promise of the Europeans - "yeh hain angrezon ke wade"

Then speaking of Gibralter, Misr (Egypt), Suez, Aden and Persian Gulf, he explained these to be the places of fetters for Indian slavery....

The freedom of these places means the freedom of India.

S.I.Sheotahal Pandey

He then referring to the Egypt questions of independence stated that the Europeans had not fulfilled their promise and that uptil now Egypt has not obtained independence and he further asked the audience to make up their minds to obtain Swaraj.

He further spoke to the audience that it was difficult for India to get independence unless Gibralter, Persian Gulf, Adan etc. are made independent.

W.H.C.Sadiqullah Khan

....

....

Statement of Reports

S.I.Mahmud Jan' report

1. Now getlemen it is your duty to non-cooperate with such a Government which is against your religion. You should therefore withdraw

1. Offg.Inspector Anwar Ali
2. S.I.Sheotahal Panday, and
3. W.H.C.Sadiqullah Khan of Chapra Town

I have been through them and have consulted the District Magistrate and we are of opinion that there are no good grounds for taking action under Section 108 against any man of this district. Some of the speeches delivered by the Patna men as you will see are open to objection and in places they advocated civil disobedience. If you wish to take action against any of them and send the papers to the Superintendent of Police, Patna. It will arrage to send the above officers as witnesses if wanted. There was a very big attendance at the meeting variously estimated from 5 thousand to 15 thousand. From the agitator's point of view the results were rather poor, particularly financially. Only about Rs.400/- was subscribed and a gold bracelet. As far as I can see that the meeting will not have any lasting results. The notes were signed by Mr.Yusuf Bilgrami who was present at the meeting.

COMPARATIVE STATEMENT OF REPORTS

S.I.Gul Mohammad's report

1. Lord Curzon has always been the enemy of Asiatic races. Why army was sent in Egypt 30 years ago, though the Englishmen were not ruling over that country. The Khadev of Egypt took some loans from the British, while the subject under debt were trying to get freedom and were deciding the matter between themselves, these Englishmen took an army there saying that they were keeping it there for the safe-guard of some English traders. At that time Mr.Gladstone said that the army was sent there in order to save the lives of Englishmen during the struggle that was going on in Egypt, and as soon as there would be a lull, the army would be withdrawn. Once he said that the army would be withdrawn within 6 years without fail and if it was not done so, then the promise of Englishmen should not be respected. But now 30 years have passed and now they have got a strong hold over the country and now Lord Curzon is saying that it is impossible to leave Egypt. This is the promise of Mr.Gladstone who vouched the sincerity and truthfulness of his nation.

2. Dardenelles is a sort of fetters in the feet of India and the Englishmen want to keep it in their possession merely to get a strong hold over India. There is another chain of slavery in the shape of Gibralter which chain requires to be broken. Suez Canal in Egypt is another fetter in the feet of India. Aden is the 4th and Persian Gulf is the fifth. All these fetters have

paid to the Angora Fund from this district both formerly and during the lady's visit are an indication of this.

This is a risk that present placid conditions may lull us into a false security, and we must not under-estimate the very dangerous character of the speeches made on this occasion. The lady's remarks show that the racial question was uppermost in her mind, and that it is not the bureaucrat or the Christian, but the Englishmen who is her enemy. Other speeches emphasised more the religious aspect. Dr.Mahmud in particular preached immediate and open war and the attainment of Swaraj through Khilafat. The speakers all worked on the most simple and elementary emotions of the populace and from enquiries I hear that effect for this movement was considerable.

The speeches come within the purview of Section 124(A) and 505(C) of the I.P.C. I was told that the more important speakers made speeches almost verbally the same at every place visited by them and that a C.I.D. reporter has been following them round taking notes. These persons have now left the district and I do not think that in the circumstances it is necessary for the Magistrate of any particular district to report for action against them. The local speakers are of minor importance and far less open and courageous in their statements, and it is not worthwhile to take any action against them. The police should watch and note if possible whether the excitement aroused by the ladies visit is maintained.

It is worthwhile to note that the Chairman of Samastipur Municipality and Vice-Chairman of Darbhanga Municipality took a prominent part in the meetings.

It is reported that speakers stated that Great Britain was lending money to Greece to prosecute her struggle in Asia Minor. Has this statement been made? I don't know what has actually happened, but it is a strainght statement of fact, and if incorrect, might be officially denied.

Sd./-
J.R.Dain
13.2.1922

Copy of a D.O. letter No.41 dated the 14th February 1922 from the Superintendent of Police, Saran

I enclosed herewith the notes taken at the public meeting held by the mother of Ali Brothers in Chapra National School compound on the 12th February 1922. The notes recorded are by:

and justice have already left the English. Every body is aware of the oppressions done by Government upto date.

2. The Government is on the effort to disunite the Hindus and the Muhammadans besides it is not first instance, rather the Government has always made us fight each other and thus cut our throat.

Report of S.I. B.Tiwary

Can anyone accept the justice of the British people? You do not know what false pledges the Government has made in connection with the Khilafat. Can anyone deny that there is anybody whose fear for jail has not gone away... There is no harm if the soil of India be besmeared with blood for the freedom of the religion.

There will be attempt from Government side to create disaffection between the Hindus and Muhammadans. It is not a new thing, by this very weapon the Englishmen are cutting our throats for the last 200 years.

Report of S.I. Gul Mohammad

The result has been so great that I would say that Swaraj has been attained.... You would say that how Swaraj has been attained when Englishmen are still in the country. In reply I would say that when a foreign nation rules over another nation, there are two things essential for the former (1) that its influence of truthfulness and justice be so great and (2) that the fear of jails be put into the minds of ruled nation. Can anyone deny the fact that the Indians have not made progress in these respects. Can you admit the truthfulness and justice of the ruling nation? Have not the Englishmen done great injustice and have they not deceived the Indians during the last 150 years.

.... Therefore I warn you that in the next 2 to 3 months the Government will try its utmost to create disunity between the Hindus and Muhammadans.

Copy of District Magistrate's Opinion

Supdt. of Police

I have read through these documents. I have been given to understand that this lady's campaign has met with some measure of success in Darbhanga owing to the large number of Muhammadans here. The proportion of Muhammadans here, particularly in the town, is higher than in any other part of Bihar. There is no doubt a very strong under-current of feeling in the district particularly among Muhammadans, which fails to find expression in overt acts owing to lack of superior direction and to the pacific character of the principal leader in the place. The very large subscriptions

S.I.Wasih Ahmad's report

Today is the 11th and from tomorrow Mahatmaji will commence war... The enemies have got guns and cannons but I do not fear it. By Non-cooperating Mahatmaji is not only liberating his own country but the whole oppressed world from the clutches of these Europeans. The English were pleased that Bengal is silent. Now law tyranny is practiced there... The despotic action of the officials of Muzaffarpur will help us to attain Swaraj very shortly... I shall die a happy death if I am shot by the enemies at Bardauli... Go and tell him (Mr.Wilson) I want to make my country free. I do not recognise his Government... I am one of the revolutionary parties from today and my object is to turn out the Europeans from this country... The war will begin at Bardauli from tomorrow, I have already been a slave from a long time but now even a minute is irksome to me. The war will begin at Bardauli from tomorrow.

W.H.C.Manzoor Ahmad's report

Brothren, your enemies have got big cannons, machine guns. I do not fear them... The last request of Mahatma Gandhi is to free India from these enemies... I further ask you to tell them (Government) that we have no connection with them.., we have served for a long time and now we would not like slavery for a moment. Everywhere there would be an attack from tomorrow.

S.I.Faiz Ahmad's report

Mahatma Gandhi's command is that those who were not ready for Civil disobedience should give up their lives in no time. Today is 11th. Today all preparations for civil disobedience are ready... everywhere I require such preparations.... I want to free my country and belong to the revolutionary party... I cannot remain slave and we cannot be made to crawl again on your bellies like Amritsar.

COMPARATIVE STATEMENT FOR THE MEETING HELD AT LAHERIASARAI (DARBHANGA) ON 9TH FEBRUARY 1922

Dr.Mahmud

Report of S.I.Muzaffaruddin

1. We must pray God for our success in this examination. You have won the .... Swaraj .... You will say that the English are yet in India how could we win the Swaraj? Yes. A foreigner has only 2 means to govern a country - the one is justice and the other fear of jail and awe, but truthfulness

stated above in the speech of Maulana Abdul Wahab matter punishable under section 153A appears and in the speech of Dr.Mahmud matter punishable under section 124A appears. But it appears that the former is a man of Darbhanga District and the latter of Patna District. It do not therefore think proceedings can be taken here under section 108 Cr.P.C. at Muzaffarpur as I am not sure whether these persons are here or have left Muzaffarpur. Of course proceedings can be started against them when they come here.

But if this opinion is approved a prosecution can be started against Maulana Abdul Wahab under section 153A and against Dr.Mahmud under section 124A I.P.C.

I may note that in submitting this opinion I have considered the leading cases of I.L.R. 22 Bombay 112 (Queen Empress vrs. Balgangadhar Tilak) and of I.L.R. 22 Bom 152 (Queen Empress vrs. Ramchandra Narayan) in which the word "disaffection" appearing in section 124A has been explained and I have not lost sight of the ruling of I.L.R. 4 Cal, 991 Beni Bhushan Ray vrs. Emperor in which it was laid down that to talk about "Swaraj" does not bring a case within section 124A I.P.C. and 108 Cr.P.C.

I may also suggest that in connection with this case the original notes of the Police Officers should be legibly copied and they should be compared to find out common expression appearing in the different notes regarding the said speeches.

Comparative Statement of the Speech of Dr.Mahmud at Muzaffarpur on 11.2.1922

S.I.Mahmud Jan Khan's report

I am not abusing them as abused are in a way connected to some extent and therefore we have left abusing them. That we are pursuing our cause and would nourish this land with our blood in order to obtain Swaraj. We do not regard this Government to be any Government at all and do not think any Government exists. If there be any moderate people and co-operator who own the Government, they may go and tell on behalf of this meeting as the audience of this meeting are with me that in plain words we are "revolutionaries". That we are ready to turn out the English from this country as soon as possible. We have been slaves for last 150 years. We have been afflicted now by our constant flattery. Every moment, hour and second we pass in slavery is heavy on us.

the translations of the notes of other two police officers. The first and the fourth appear in different forms in each of the translations. What appears in all translations is mention of Civil Disobedience, and though to incite people for Civil Disobedience is an offence under section 124 A I.P.C. we have to judge about the matter from the stand- point of a contested case. As such I do not think that prosecution under section 124 A should be started against Maulana Abdul Wahab. But there cannot be the least doubt that all the translations clearly show that a prosecution under section 153A can be successfully started against him as the portions noted in extract (2) find place in all the translations though in slightly different forms as regards some of the sentences.

With respect to Dr.Mahmud the following extract is quoted from the translation of notes of W.H.C.Manzoor Ahmad:

(ii) Brethren your enemies have got big cannons, machines guns I do not fear them— The last request of Mahatma Gandhi i.e. to free India from these enemies — I further ask you to tell them (Government) that we have no connection with them— we have served for a long time and now we would not like slavery for a moment. Everywhere there would be an attack from tomorrow."

The following extract is quoted from the translation of the notes of Sub-Inspector Faiz Ahmad Khan:

"Mahatma Gandhi's command is that those who were hot ready for civil disobedience should give up their lives in no time. Today is 11th. Today all preparations for civil disobedience are ready --- everywhere I require such preparations --- I want to free my country and belong to the revolutionary party -- I cannot remain slave and we cannot be made to crawl again on our bellies like Amritsar."

Though the translation differ from each other in many respects but there cannot be any doubt that the expressions which appear common in them sufficiently show that an offence under section 124A has been committed. I am therefore of opinion that Dr.Mahmud may be prosecuted accordingly under section 124A I.P.C. I do not find much in his speech so as to justify a prosecution under section 153A.

With respect to section 108 Cr.P.C. it appears that for the purpose of starting proceedings under that section (a) The person proceeded against must be within the limits of the jurisdiction of the Magistrate who wants to start the proceedings and (b) the said persons within or without such limits either orally or in writing disseminates or attempts to disseminate, on in anywise abets the dissemination of any seditious matter i.e. any matter the publication of which is punishable under section 124A I.P.C; or any matter the publication of which is punishable under section 153A I.P.C. or --- As

Copy of the note of Government Pleader, Muzaffarpur

Taking the following extracts from the English translations of the speeches taken down by Sub-Inspector M.Wasi Ahmad Khan as they appear in this file, I find that:

Maulana Abdul Wahad said -

1. God says "Non-co-operate with you enemies." Stretch your hands, show your courage and let people see. Dr.Mahmud Ali who is a Secretary of the Khilafat must shout "Labbaik" (ready and begin) and we must begin Civil Disobedience at once from this place .... Tell the Government that we shall be non-violent but if chances arise we are even prepared to depart from it. Our old mother ... to declare Jehad in Bihar and should we not follow.

2. By God my grandfather said "when the English had come they were monkeys." They created disunion between the Hindus and Muhammadans. I have never mixed with any Englishmen on account of their being enemies of Islam.... Cut off your connections with the "Nesara" (Christians) because Firangi or Europeans are not to be trusted. Remember that you all will be put to a great disgrace.

Dr.Mahmud said -

(i) Today is the 11th and from tomorrow Mahatmaji will commence war .... The enemies have got guns and cannons but I do not fear it. By non-co-operating Mahatma is not only liberating his own country but the whole oppressed world from the clutches of these Europeans. The English were pleased that Bengal is silent. Now law tyrrany is practiced there ___ The despotic action of the officials of Muzaffarpur will help us to attain Swaraj very shortly... I shall die a happy death if I am shot by the enemies at Bardauli ___ Go and tell him (Mr.Wilson) I want to make my country free. I do not recognise his Government... I am one of the revolutionary parties from today and my object is to turn out the Europeans from this country ____ The war will begin at Bardauli from tomorrow. I have already been a slave from a long time but now even a minute is irksome to me. The war will begin at Bardauli from tomorrow.

The translation of the notes of the said Sub-Inspector and of Sub-Inspector M.Faiz Ahmad Khan and of W.H.C.Manzoor Ahmad Khan do not agree in many places.

With respect to extract (1) quoted above regarding speech of Maulana Abdul Wahab from the translation of notes of Sub- Inspector M.Wasi Ahmad it will be seen that the second and third sentences do not appear in

MAULVI ABDUL WAHAB

Speech at Muzaffarpur

A comparative statement showing objectionable passages is attached. Items 1, 3, 4 and 6 of the statement appear to be the passages referred to by the Government Pleader in his note. I agree that all of them come within the scope of section 153 A Indian Penal Code and as the passages are of a very violent nature, I should have recommended the prosecution of the speaker under section 153 A on this speech and put in the speech that he delivered at Motihari on the 23rd October 1921, copy of which was forwarded to Government with my Memo.No.12529/753-21 dated the 2nd November 1921 as evidence to prove his frame of mind. But the District Magistrate of Muzaffarpur as stated above appears unwilling to prosecute a foreign speaker under the Indian Penal Code in his district, and suggests proceedings under section 108 C.P.C. against him in his native district Darbhanga. For the reasons mentioned above and as the District Magistrate Darbhanga has not been consulted with regard to this speaker, I am unable to make any recommendations in this case either.

I have the honour to be,

Sir

Your most obedient servant.

Sd/-
Deputy Inspector General of Police,
C.I.D.,Bihar and Orissa

Copy of the note of the District Magistrate of Muzaffarpur.

Please see the opinion of the G.P. I believe that these two men have been making similar speeches in many districts. It will be for Government to decide where they should be dealt with. I should think that proceedings under sec. 108 Cr.P.C. in their own district would be most suitable. This district is comparatively quiet now, and I do not think that it would improve the position if we bring back two prominent outsiders for prosecution under section 124 A and 153 A.

----

the speaker be prosecuted on any other speech or speeches. The District Magistrate does not, however, appear to suggest any definite course of action.

The Muzaffarpur Speech

A comparative statement showing the passages referred to by the Government Pleader in his note, as reported by different officers, is attached. I agree that they come within the scope of section 124-A Indian Penal Code and that a prosecution could be started on the basis of this speech, the Darbhanga and Chapra speeches being put in as evidence to prove the speaker's frame of mind. But in view of the fact that the District Magistrate appears unwilling to prosecute a foreign speaker at Muzaffarpur, I do not know if Government would sanction a prosecution there under the Indian Penal Code.

The Chapra Speech

A comprative statement showing passages that appear to me actionable under section 124-A Indian Penal Code and a copy of a leter from the Superintendent of Police Chapra indicating the opinion of the District Magistrate are attached. Like this individual's Muzaffarpur speech, this speech could also form the basis of a prosecution under section 124-A but the District Magistrate does not appear to contemplate such action at Chapra.

The suggestion that the speaker could be dealt with under section 108 C.P.C. at Patna is hardly feasible for the simple reason that Dr.Mahmud who is officiating as Secretary Central Khilafat Committee Bombay is no longer at Patna and by the time he comes back these speeches will have become ancient history. I have seldom in my experience come across a District Magistrate who is willing to proceed under this section against anybody within his jurisdiction for speeches delivered elsewhere, and we have here another aspect of the case, as though it is generally admitted that the speeches are actionable each officer would like the prosecution undertaken somewhere else. If the District authorities of any of these three districts were anxious to prosecute Dr.Mahmud they could, without waiting for Government sanction, have taken immediate action under section 108 C.P.C. and have come up, if they considered such a course necessary, for sanction to prosecute him under section 124-A Indian Penal Code.

As presumably Government are not prepared to force a prosecution on an unwilling district I regret I am unable to suggest any alternative course though I consider that the speaker richly deserves prosecution.

No. 2811
Office of the Deputy Inspector-General of Police
Bihar and Orissa, Special Branch
Patna P.O.

The 18th March 1922

From
R.S.F.Macrac, Esquire, C.I.E.,C.B.E.
Deputy Inspector General of Police, Bihar and Orissa

To
The Chief Secretary to the Government of Bihar and Orissa
(through the Supt. and Remembrancer of Legal Affairs, Bihar and Orissa).

Sir,

In forwarding copies of remarks of the District Magistrate and *Government Pleader, Muzaffarpur, on the speeches made during Bi* Amman's visit to Muzaffarpur on the 11th February, I have the honour to refer you to this office Memo No.2281 dated the 20th February 1922 forwarding a copy of the Muzaffarpur speeches and also to this office Memos No.2476 dated the 28th February 1922 and No.2077 dated 17th February 1922 forwarding copies of the Chapra and Darbhanga speeches respectively in honour of Bi Amman's visit.

Besides Bi Amman, Dr.Mahmud and Abdul Wahab appear to have made objectionable speeches. As I believe Government would be unwilling to proceed against the lady, I deal only with the cases of Dr.Mahmud and Abdul Wahab below:

Dr.Mahmud

He is reported to have delivered speeches at Darbhanga on the 9th February at Muzaffarpur on the 11th February and at Chapra on the 12th February 1922.

The Darbhanga Speech

A comparative statement showing the objectionable passages of the speech as reported by different officers as also a copy of the District Magistrate's opinion are enclosed. While I agree with the District Magistrate that the passages shown in the statement come within the scope of section 124-A I.P.C. I do not consider that they are bad enough to form the basis of a single prosecution. They could however be put in as an evidence, should

now cared for the people with whom she made new relations. These infidels should not be feared, they cannot do anything. God should only be feared. If you have to die by cannon you will die thereby. God has promised to help the helpless and He is the one everywhere alike - depend on that God no one else can kill you. Whatever is to happen will come on. If you die in this cause it is good. You earn a good name. Be firm and non-fearing. Dealing with this at length she said she had also asked the women folk to free the males for this work and that it was the time to work and not only to say and hear. Then she went on to say may God give you strength to stand on your own legs. Don't fear these infidels, they cannot do anything to you, one who is in the shelter of God has no fear; work with full bravery, I pray for you. Here she hinted the point of unity also.

Khoda tumko woh kuwwat ata kare ke apne pair ke bal khare ho jao in kafiron se na daro yeh kuchh nahin kar sakte tumhara jiska Allah hafiz hai to kuchh nahin, puri deleri se kam lena main tumhare waste dua karti hun. Sal bhar se dua karti hun.

Jitnen kaum Hindustan ke hain woh hamare bhai bete hain.

She went on to say that this is the time of courage. If it is in you, everything is possible else arm will also drop from your hand.

"Yeh himmat ka wakht hai, agar tum men himmat hai to sab hoga warna hathiar bhi hath se gir jaega."

Here she narrated the story of Birbal maintaining his courage and thereby saving his life by throwing a dog on the elephant when experimented by the king of the time. She also said all the arms prepared by Goverment will be yours one day, it is for you, you should be thankful for it.

"Mere peyare bhaio jitna saman Goverment ne banaya hai woh sab tumhare waste hai, yeh sab ek din tumhara hoga, ehsan mano."

While concluding she emphasised again on non-violence as directed by leaders and with prayers to give the people strength and courage she closed with the words sons and brethren don't enlist your names in cowardice. *"Bete bhaio namardi men nam mat likhwana."*

Lastly came the Jaunpur man who wanted to read out a poem on unity which he started but could not go on owing to noise and I also could not follow some. The old lady went in the zanana and the meeting dispersed at about 8 p.m. My idea of the gathering is about 8 to 9 thousand but some count it to even 15 thousand.

General matters of importance will be dealt with by the town Sub-Inspector and Writer Head Constable present I hope. My original notes are herewith.

Further he said it was difficult for him to express himself when he was filled with emotional feelings and overwhelming thoughts. Speaking in this way as an introductory speech he said it should be realised how God gave spirit in us and feeling grew after the incident of the Jallianwala Bagh seeing which the enemies are afraid and in trouble "is rooh ko dekh kar dushman herasan wo perishan hain." Then saying that the 6th December i.e. a year ago Mahatma Gandhi and Shaukat Ali had come on this ground but one of them is now put in jail and instead God has sent his mother amidst us today to give us instructions which shows that heavenly hand lies in this movement, he impressed that our feelings should develop whereby we will surely succeed. As regards the shortness of contribution as hinted by Dr.Mahmud he reminded of the recent flood distress here and said that there was no shortcoming in their feelings which the attraction of people from remote parts to respect and hear the old lady in the meeting would show. He emphasised on the contribution for Angora Fund saying that it was for our own good and whatevr possible should be given. In conclusion he requested the old lady to deliver her speech after contribution and saying that instead of jai sounds he wished he would hear sound of money. This contribution was an incumbent duty on them and those who will not will repent.

M.Ismail announced that one Faruk's wife gave a gold wrist ornament besides some cash from her husband, a few other contributions from different places were also given out which I could not hear.

Lastly came the old lady.

She said it was not necessary for her to be at length as many leaders have previously and just today also said a lot which every one has heard enough. She said she did not like to see any sort of dishonour for them and shortcoming in the movement. It was the goodness of the people to respect her but she will realise it and will be glad when hear that every one worked with courage, bravery and calmness and she expected that this will be done. "Ka bare himmat aur deleri se kam leya aur santi se kam leya." Zaban hilla kar apna badla na lena jo zulm ho asani se bardasht karna aur ummed hai apne bete bhaion se ke wuh aysa karenge. Then coming to non-fearance she said don't fear cannon etc. or any power except God. You are created by God and he only can destroy you. It is in His power to give you power and strength to face everything. You will earn a good name for working in the cause of God even if you die, depend on Him and stand on your own legs. Don't fear anyone. You are 32 or 33 crores and your enemies a handful. You are brave men. She herself being a feeble woman had the courage of standing against cannon. She said she does not care her sons going to jail because it is for the sake of religion, a work which she had now taken up herself and for which every sort of sacrifice was less. Further she said she

have heard now that civil disobedience has been started by Mahatma Gandhi in a cornor of India. If we stick firmly to our movements then we are sure to get it. This should be done at all other places. We also should be ashamed to note why it has been started there and to remove it we should all be ready for this open fight "Khuli Jang" i.e. civil disobedience. But the weapon is of Shanti. If you endure all the oppressions of this Government by non-violence then its hands will be paralised and you like clouds will throw thunder on them from the sky. To be a soldier in the battle every one should enlist in the volunteer corps as in other places. "Is jang men sipahi banne ke lia har kisi ko bharti hona chahie". He said he meant the body of volunteer corps that has been declared unlawful by the Bihar Government which it has been repeatedly said that it was unwise to do so and will say 50 times more through its officers present here but it won't listen. He further emphasised the enlistment regardless of its being declared unlawful and added that we should consider and remember the duties of a volunteer also.

Then referring to the appeal for Angora Fund by Dr.Mahmud he also advocated for it. Addressing to the Muhammadans he made reference to the Quran and said that in it the sacrifice of wealth in the name of God is classed the best. Jehad is our religious duty now and to fulfil it we should contribute to help Kamal Pasha while the Turks sacrifice their lives. Having claims on the Hindus he said, he appealed to them also. Dealing with this he said the non-existence of Mustafa Kamal Pasha meant the end of freedom and civilization. As how far (azadi - hursat - insaniat) there is civilization is proved by finding they keep their promises. You have seen how Lloyd George, Asquith and Lord Hardings kept their promises when there is no reliance in the words of such Wazirs what to speak of them. If you want civilization of the whole world rests. Expressing his hope that all who have come will contribute he ended.

Then came Saleh Hussain, Pandit Zilla Committee. Meanwhile Bindesri Prasad also advocated for giving something towards the fund.

Then M.Saleh opened his speech with a passage of the Quran and addressing the audience he recited the following:

"Hawaida apne zakhmen pinhan kar ke chorunga
Lahu kar kar ke mahphil ko gulistan kar ke chorunga
Sunaunga tumhen woh dard ke ek dastan apni
Kayamat tak rahe jiske khatak dil men sada baki
Gazab ka chot hai dil par gazab ko zakhm hai kari
Meri hasti mita denen ke hai Europe men taiyari
Kasoor apna bajus es ke nahin kuch hai mere yaro
Ke Moslem hun bachata hun Nabi ke din athar ko."

Talking of the consistency of Swaraj and Khilafat he said unless Swaraj is not gained Khilafat question cannot be solved. One who will give today can take it back again. If you want to get it by your own power you will get it through your Hindu brothers and that gain will be for ever and India can also be freed. He said Swaraj is essential with religious point of view also. Either the Hindus or the Muhammadans should not be deceived by the Europeans by the false versions told by them. The question is of equal value for both nations. Then speaking of Gibralter, Missir, Suez, Aden and Persian Gulf he explained these to be the places of fetters for Indian slavery and reflected religious aspects in political sphere the combination of Swaraj and Khilafat. He also said India can not be freed for ever unless you get through all these. The freedom of these places means the freedom of India.

In conclusion he said he had to appeal for Angora Fund. He dealt with his question at length. He explained how the Muhammadans were more liable to contribute towards it than the Hindus as their religion was concerned whereas the Hindus only one of their country. Then admiring of the bravery of the Turks how only 3 men went to establish their footing in Angora and how they fought 600 years back for Islam with Europe and all other places he said they have now stretched out their hands and beg something from us not for themselves but to save the decaying religion. You should therefore give the last farthing with you on this point he related a story of charity in Usmanghani's time and said it was required of all Muhammadans to give in this fund like as the Khilafat did. This is a critical time for Muhammadans. Turkey the last power of the Muhammadans is being destroyed. Islam will go with its loss for ever. This is the time of an examination and we should not fall short of anything in doing for a religious cause and the name of God. Give your last farthing for Turks. Then he said in order to collect a lumpsum for this fund tickets were sold today. But he said he heard that by his enemies tricks were played, the police entered forcibly and the kanats were thrown down. While expressing all this several of us spoke out there and then that it was a down right lie. However, M.Ismail also told him that it was a wrong statement and he changed his way and emphasising for contribution he ended.

Thereupon Bindesri Prasad stood up and expressed his regret for the allegation made against the police which seemed wrong on account of the protest made. Further that he hoped there would be no such act.

Then came Hasan Arzu of Phulwari. He said that it is no more necessary now to say that Khilafat and Swaraj was liable on every body. What connection one has with the other has been previously explained. It is the duty of every Indian if he wants to preserve his religion to gain Swaraj in India. The way of gaining Swaraj has been pointed out by our leaders. You

not given up. He said it is expected that you people will now act according to what is said and trust that within 2 weeks it is found that you strictly follow the advices. He also emphasised on acting according to the instructions of the Rev. old lady and with prayers to God to increase courage to work in this movement he retired.

Dr.Mahmud, Secretary Provincial Committee came next to him. He said as under:

It is our good luck today that Bi Amman (the old lady) is amidst us here. Civil disobedience would have been started in Bardoli Government did not hear our vow but God has now heard the voices of 33 crores and has taken His seat to see that justice is done for India. Gandhi has stepped on in Bardoli and it is hoped that you people will not keep back. You know that he never draws back though our Panditji (referring to P.M.M.Malvia) wants that he does not proceed and has gone there to postpone it. Panditji wants tht he does not go onward but he must have started. He also referred to the today's paper in which something is said by late Lord Curzon, addressing him as enemy of India and Missir. Then he referred to the advent of the Europeans in Missir some 30 years back in the event of settling dispute with Mustafa Pasha in order to keep peace there, also referred to the promise of Mr.Gladstone to leave in 6 months else what face they would show. But they gradually established themselves there and later say that it is difficult to leave Missir. He said this was the promise of the Europeans "yeh hai Angrezon ka wada."

Further he said many moderates say that Government promise to give Swaraj in 10 or 20 years. Why you are guided by Gandhi but they have forgotten past histories. They don't understand that when these feelings will subside they will not give Swaraj. If you want to release Hindustan and rescue Khilafat it is the time that from this day the 12th we work whole heartedly for that end. I assure you that by the strength of Mahatma Gandhi's soul power you have acquired the power that working as directed you can get Swaraj in a few weeks and month. If you want to free India you can do so by working on the line pointed out by Mahatma Gandhi. Coming to non-fearance he said don't mind the absence of cannons and airships and gave the illustration of Germany and the war with Europe. You have taken the Sword of Hindu and Muhammadan unity, no one even the Europeans can crush it. We should not leave this policy. Then he went on to say that full efforts are made to create disunion between the Hindus and Muhammadans "puri koshish ke ja rahi hai ke Hindu Musalman men nephal kara diya jae."

"Tauheed se mohabbat rakhna Khoda ki wahdaniat chamkana hamara Islam hai."

Accordingly every monster should be turned out, for Hindu, likewise he said it would be the faith of every Hindu to love Ram and consider Ravan to be his enemy.

Again addressing to the ladies he said if you have not understood what Khilafat and Swaraj is better call some Alim at your house and understand it. To the Hindus he said these Englishmen are such that if left in course of time they will make every place the scene of Jalliawala Bagh. To the Muhammadans that if they did not join with the Hindus and work in harmony their descendents will curse them. This is not the time to be sitting idle. Give challege to the Englishmen that as our Mahatma Gandhi will order we will break law and order. Those who fear God do not fear anything. He also narrated the story of Khalid Ibn Wahid crossing a deep river with his Army and said all that was wanted for a Muhammadan was true religion and with it he can overcome every thing. He added non-co-operate with the Government and you will surely get Swaraj. We will turn out these Englishmen. "In Firangeon ko nikal chorenge."

Further he said you don't non-co-operate, nor leave going to courts or work on charkha but still go to blame Gandhi that you did not get Swaraj by the promised time. The conditions have never been fulfilled then how you expect the result. He said even now if you act strictly according to his dictates you are sure to get Swaraj in one week.

Admiring the courage of the old lady he said we all should show due respect to her whose 2 worthy sons are in jail for a national cause and she is now moving herself which can best be done by acting as she dictates.

With prayers to God to give us power to face with these Englishmen he ended. "Mango dua ke hamko kuwwat de ke in Firangeon se mokabla karen."

He was followed by the Secretary Provincial Committee, M.Yasin. He was rather brief and said that he had no idea of giving lecture but the only thing he wanted to put forth was the starting of civil disobedience in Bardoli by Mahatma Gandhi as has been already expressed by the above gentleman. And, said that we should start work in our own districts "ab ham log ko apne apne zilla men kam shuru kar dena chahie. We should do actual work but with peace "aman." He said he was glad to hear outside that this place was advanced in the movement but is sorry to find that orders of Mahatma Gandhi are not being fully carried out here - a place where there are such good leaders, whose instructions seem to have had not effect, in as much as so many people here are with foreign cloth and as heard law courts are also

kardo Sarkar se in Firangeon se ke Bardoli men kanoon shikni shuru ho gaya balke Chapra men bhi ho gaya."

But he said do as your leaders say saying something about Chapra litigation he tainted saying what civil disobedience you will exercise when you do not give up going to Government courts.

Then addressing the ladies he reminded of the brave attitude of the Rajput females in the past who kissed the injuries of their husband received in battle if it were on the front side and desdainfully threw away the dead body if they were on the back side. And, mingling the point of touchability and racial feelings which is now removed by leaders he impressed that the women folk today should also be ready to tell their men to go and stand against the Europeans. "Aurten hamari .... jao aur Firangeon se mokabla kara".

Then he said these Europeans are now playing a diplomatic policy as regards Khilafat and Swaraj but it should not be paid heed to. Tell them straight that we are now both united and both is our one and same cause. He said you might have heard on several occasions from other leaders on the two subjects for which there is not time of further oration and by reading books you would find how is the one consistant with the other. He said Swaraj is also a religious cause. He narrated the story of a Khalifa and Ibn Maja and an Arabic commandment and impressed that religion had bearing on politics also. He said unity is our only source of rescue and death with this point. Then he touched point of non- violence and said don't create disturbance or do a cruel act "halla na karo zulm na karo". Further mentioning the greatness of Ram and Hazrat Abu Bakr the Khalifa he said they had also to resort to the destruction of monsters of the time. "Batlao ke Ram Chanderji se kon bara hoga magar jab Ravan ne zulm kiya to Ram Chanderji ne Krishnaji ko lekar Rawan ka nash kiya." Oh Hindu and Muhammadan brethren give challenge to the Englishmen that we have no connection with you as much we will go on serving they will be strengthened. *"Aye Hindu wo Musalman bhai Angrezon ko challenge de do ke tumse koi taluk nahin."*

Also pointed out defects of disunion. He said I again say it is no use abusing the Englishmen but do such work that they go away.

"Main phir kahta hun ke Angrezon ko gali denen ke zarurat nahin magar aysa kam karo Hindu Musalman ke wuh bhag jain."
Tell them that their way is to the North corner go away "rasta Uttar kanare hai nikal jaiye."

For a Muhammadan to keep love with the Holiness of God and glorify His singularity is our Islam.

Now came the turn of real speakers and Maulana Abdul Wahab of Darbhanga stood up. He read out a passage of the Holy Quran and addressing the Hindus and Muhammadans as brethren he began as follows:

He read a passage of the Quran (of sure Hamid) and said before entering to explain it, he was glad to see the enthusiasm of the people here and thanked the old lady who took the trouble of coming to see them. He said when such an old lady has taken up the cause they should give proof of their real enthusiasm by firmness. He said in this meeting many ladies have also come. Then reminding to the above referred passage of the Quran he explained that God promises to give proportionate share to the males and females separately according to their work in religious cause. It is the time when we should step on to go to jail and whatever may happen never return home without gaining Swaraj. Then he turned to the non-co-operation point and addressing to the Government officers, he condemned their policy of mixing with them also and again siding the Government. He said they should exclusively join them as they are born in this country. The Englishmen are of none - don't live with them - don't live with them. "Firangi kisi ke nahin unke sath na rahen na rahe." He assured that now Swaraj will be gained. Now we have stood up and will take it moving heaven and earth "yad rakho ke Swaraj mila aur yakin rakho ke melega ab khare hue hain - asman zamin hila kar lenge. Further he went on to say that when Swaraj will be gained and Khilafat question solved they will feel shame in coming before us if they do not cut off every connection with Government now also that if we fail the Europeans will say when you were not for your brethren you cannot be ours. Then he dealt with the question of non-fearance. He said fear no one but God. He impressed that the question of means of livelihood should not be involved in this, nor of losing titles and going to jail and reading a passage of the Quran he explained that God promises to provide for all the creatures in existence, as regards the fear of going to jail he said God has sent here not only to eat and drink and carry on your daily persuits but to work for him and there should be no fear even if one is killed in that cause. Then he reminded of traditions how Hindus and Muhammadans in the past gave their lives for religious cause. He also narrated the story of a poet watching fruitlessly the arrival of "Malkulmaut". He said brethren be ready "aye bhaio sach kahta hun khare hojao."

Then he said that today being the 12th civil disobedience has been started in Bardoli about which Dr.Mahmud will tell you. "Great shouts of jai". He said "oh chapra people announce to the Government and these Europeans that it is not only that civil disobedience has begun in Bardoli but it is to be taken that it has started in Chapra also. "Aye Chapra wale elan

Bap dada ka tareka sunate sajad hai.

He was very fast and I could not follow him properly the whole.

He then made a short speech saying that it was no good only to hear lectures. Then quoting passages of the Quran and traditions he said the best death was to die in the name of God and one who dies in the cause of God does not really die so bring desirous of peaceful life we should fear nothing in working on that line. He said this was a time of trial as told of by God and if we stand this by making all sorts of sacrifices and endurance we are sure to be successful and gain peace for ever. We will gain it when the present generation is sacrificed. He said when we have to die one day one way or the other then it is better to die a death by which we gain eternal life (Hayat abadi).

He addressing the mother of Shaukat Ali and Dr. as intended to give lectures said he had no idea of giving any speech but he could not check himself from giving vent to his feelings so he said this much.

The time of evening prayer having come Bindesri Prasad asked the Hindus to keep the places of Muhammadans going to offer prayer reserved for them till they came back and show it as a proof of their being up to the mark in the movement.

There was, however, some disturbance and work started again after prayer.

Baldeo started a National song but could not owing to great noise.

One Mahmood and Dr.Haleem came up with a lengthy National song beginning with the following:

"Alahi phir Islam par wakht ayu
Aur adae Islam phir sar uthaya"

It was generally about the Holy place and Khilafat detail in my note book. The following may be taken as note worth here:

Lare Turk Yunan se phir larenge
Mitaenge dushman ko ya mit rahenge
Barhe jab mojahid na piche hatenge
Tera nam lele ke age barhenge
Hukumat ho Turkon ke ala Jahan men
Ho Islam ka bole bala jahan men."

This met with shouts of "Allah-o-Akbar".

have come. He said by hearing her it was expected tht we would do as her sons were doing, even going to jail or even proving our worth by working as directed by them.

Thereafter a National song was recited by a small boy said to be son of M.Saleh Husain. It was about the disaster of the Holy place and interference with Khilafat and prayers to God to rescue it. This was also in a low voice a few verses are given below:

"Gul wo bulbul agar gaye to gaye
Hamko gam hai chaman ke janen ka
Dakhl denen lage Khilafat men
Yeh naya tarz hai satane ka

Raham kar raham aye rahim wo karim
Ab nahin wakht azmanen ka.

Again came son of A.Ghani with a National song. It was to the effect chiefly that the enemies of Khilafat have attacked on it and the Muhammadans should get up for the help of their Khalifa and help him all united and stir the whole world by the shout of "Allah-o-Akbar."

Then again came the same young lad, said to be living with Sideshri Balchand sang the following:

Khubruyon se bache bandae subhan rahe
Jan jae to na gam han magar Iman rahe
Haif hai ake mere mal ke malik ban jain
Woh ke jis se na kabhi jan wo pahchan rahe
Zulm par woh hain tule jabr ke adi ab hain
Dekhea hath men kis saksh ke maidan rahe
Jab na Islam raha kis liye yeh jan rahe

Thereafter Baldeo again sang a National Hindi song about destruction of India, the Indians and their religion.

This ending in the shouts of jai one Shahoodi Shaikh a poet of Jaunpur was introduced by Bindesri Prasad. He read out his own composition on the verses uttered by Maulana Muhammad Fakhir while in jail.

"Ankh hai mahwe tajala wasi se dil shad hai
Kaid men bhi tobae be khud har tarah azad hai

****

Jinka bastar hai khadar hi ala
jinke hathiar hai srif nala
Ayse sidha ko maro na zalim
Jinka parmatma hi hai rakchak
Unka kiya kar sake koi bhichhak

Bat banti bigaro na zalim
"Bande Matram"

Then another small boy probably son of Ex-S.I. A.Ghani recited the following very hurriedly:

"Karen tark mawalat ham ab yahi dhun samai hai
Hazaron saikaron lakhon hue qurban Europe men
Isi Sarkar ke kadmon par apni jan ganwai hai
Unhin ke bhai bachhon par zulm saheb
Ajab insaf hai badla bhalai ka burai hai
Kiya barbad Kaba aur mashriq Madina ko
Aur jete ham Musalman yeh kaise behayae hai.

It was further to the effect that the place which we kissed and respect so much the same place Kaba is rendered in this state by this "Zalim". Something about.bombardment. Then advice that we should have care of our houses and populate the jail, consider chains as garlands if our legs are fettered we should regard it as freedom, we should unite together and these are the orders of Shaukat, Muhammad and Gandhi.

Then another young lad said to be Jugal recited national song.

"Aye matri bhumi teri jai ho sada bejai ho".

He had started this till in the meantime the Mother of Ali Brothers came with her party and they were received with shouts of jai.

M.Ismail moved to elect B.Bindesri Prasad as President for the meeting. This was seconded by Abdul Ghani Ex-S.I. and he was made President being supported by other.

B.Bindesri Prasad made a brief speech about the arrival of the Rev.lady mother of Ali Brothers having come here and desired the people to hear her quietly and act according to her instructions and also the other leaders who

Ayse parwar ko maro na zalim
Tere khatir jo agni men jarte
Apne khunon se nahron ko bharte
Tere afat ko chhan men jo harte
Ayse dilbar ko maro na zalim
Jinne rakh le tera munh ke lali
Tera takht wo raj sambhali
Unke godi karo tum na khali
Ayse rabar ko maro na zalim
?—
Dudh men bhar chali hai zahar ko
Khud mari zahar ke kahar ko
Ayse hikmat becharo na zalim
Holka to kabhi bhi na jarti
Ayse maut hi na wo marte
Gar kapat aur chhal ko na karti
Ayse bekas ko maro na zalim
Tum bane ke bane hi rahoge
Gar bhala gair ka tum karohe
Sukh se apne watan men rahoge
Ghar kisi ka begaro na zalim
Yeh hakikat men haq chahte hain
Ghar men apna hukum chahte hain
Yeh na hirfat daga chahte hain
Ayse sidha ko maro na zalim
Tum na roko kisi ko bhi "barhti"
Dedo wajib hai jis ke yeh dharti
.... no ones power ever losts.
Ag men paon dalo na zalim
Zor se jo dabana chahoge
Bhul men to tumhi khud paroge
Phal badi ka khud jheloge
Ayse hikmat becharo na zalim
Top gole par pani pargea
Jahan ka tahan woh dharahi rahega
Ham se nata bhi nahaq chhutega
Ayse jugti bechard na zalim
Jinke charkhe ka hai bole bala

Zulm karte karte zalim khud ba khud thak jaiga
Tha keya aysa hi zulm anyai Ravan dust ne
Ram ne jaisa kiya waisa ho jaiga
Kans se Siri Krishan ne badla liya anyai ka
Gandhi wo Government men bhi waisa hi ho jaiga
Siri Krishna ji ke kar men Murli Ramji ko tha dhanush
Gandhiji ke kar men charkha chakr sa ho jaiga
Sat ko hota bejai har kar men har judh men
Sat par akre raho suraj ho hi jaiga
Satta ke bat se lage peet us anyai ko
Satyagrah kar do Swaraj jaldi bejai ho jaiga."

On this there were shouts of jai.

Thereafter there was another National song as under by other two small boys:

"Ab man men hai yeh thani-lenge Swaraj lenge
Afat sabhi sahenge piche na par hatenge."

It was further expressing non-fearance of anything and hopes to get the birth right, Swaraj, by the help of God, also that souls cannot be checked or subdued and will never die.

Then there was another song.

"Ab jan nikal mori janni."

It dealt with India being the motherland of both Hindus and Muhammadans, unity, present injustice and disasters on religion, Gandhi's principle of non-co-operation as means of remedy to all evils, and non-fearance of cannon and jail and hopes of perfect peace after Swaraj.

After this one Baldeo of Chapra sang the following:

"Roke kahte hai aryon ke mata
Be gunahon ko maro na zalim
Jo hain mehnat se galla ko bote
Apne aram wo chain ko khote
Tere karkhon ko dudhon se dhote

I enclose herewith the notes taken at the public meeting held by the mother of Ali Brothers in Chapra National School compound on the 12th February 1922. The notes recorded are by:

1. Offg. Inspector Anwar Ali
2. S.I. Sheotahal Pandey, and
3. W.H.C. Sadiqullah Khan of Chapra Town

I have been through them and have consulted the District Magistrate and we are of opinion that there are no good grounds for taking action under Section 108 against any man of this district. Some of the speeches delivered by the Patna men as you will see are open to objection and in places they advocated civil disobedience. If you wish to take action against any of them and send the papers to the Superintendent of Police, Patna I will arrange to send the above officers as witnesses if wanted. There was a very big attendance at the meeting variously estimated from 5 thousand to 15 thousand. From the agitator's point of view the results were rather poor, particularly financially. Only about Rs.400/- was subscribed and a gold bracelet. As far as I can see that the meeting will not have any lasting results. The notes were signed by M.Yusuf Bilgrami who was present at the meeting.

Proceeding of the Non-co-operation meeting held in the National School compound on 12th February 1922.

It commenced from about 4.45 p.m. with National song recited by 3 boys, two out of whom were said to have 15 days simple imprisonment already and the 3rd was under a notice. They were in a rather low voice and not distinct in the noise by the people trying to come ahead although the kanat barring those without ticket was removed at the instance of the leaders and volunteers when the gathering was becoming unruly. The song was a sort of prayer to God to give power of enjoying victory and showing works of service to the country. They recited another National song which I could not follow at all as there was greater noise.

The other national song was:

"Hone wali bat jo hai woh to ho hi jaiga

thrown began to bark and consequently the beast ran away in fear. Thus it was proved that Birbal's view was correct.

CONFIDENTIAL Bihar Special Branch
Memo No.2701 S.B. Patna P.O. The 25th February 1922

Forwarded to the Chief Secretary to the Government of Bihar and Orissa for information in continuation of this office Memorandum No.2557 S.B. dated the 22nd February 1922.

The speech is in her usual style and actionable but it is presumed that no action will be taken against her.

Sd/-
Deputy Inspector-General of Police,
Crime, Bihar and Orissa, Patna.

No.2476 S.B.
Office of the Deputy Inspector-General of Police, C.I.D.
Bihar and Orissa

Patna P.O.

The 24th February 1922

Copy, together with a copy of sub-Inspector Anwar Ali's report, forwarded to the Chief Secretary to the Government of Bihar and Orissa for information in continuation of this office Memo No.2281 S.B. dated the 20th February 1922.

Sd/-
Deputy Inspector General of Police,
C.I.D., Bihar and Orissa.

Copy of a D.O. letter No.41 dated the 14th February 1922 from the Superintendent of Police, Saran.

Translation of the speech delivered by the Ali Brothers' Mother at Arrah on 14.2.1922

Hindu is one eye and Musalman is another.

Mind it, you may not be classed as cowards. Now this India is being ruined. Oh! my dear sons, put off the medals of slavery. There are four lacs of English people and 32, 33 crores of Hindus and Musalmans (in India).

There is no need of lathies if enemies die by means of sweets. Only he whose time has come will die (and none else). Death comes timely.

It is such a foreign trap that it has left no one (uninjured).

Give up their services. They are only four lacs in India, what harm can they inflict on 32 crores of Indians.

Help those Turks who are fighting for (glory of) the Islam.

Is it so that you Muhammadan brethren are getting slack in performing your duties towards Islam. Brethren, I am not aggrieved in the least. I wish that you all may become Shaukat and Muhammad. This is the time to show courage.

(One episode cited, the translation of the story is appended hereto).

You are but to be Lion hearted. Oh! my Hindu brethren, you should be united with the Muhammadan brethren like sour things with dhai and sugar and milk. The English make us quarrel (with one another).

Their (the English treachery, faithlessness, and tricks are quite open.

Look at the opportunity.

These monkeys (the English) will go on snatching and eating your bread. Take care! my sons, to work on in union. Turn out the enemy. Our India has totally been annihilated.

At this occasion of her speech, she cited the story of an elephant and the dog with a rein to prove that no one dies before he is destined to die. The story runs thus:

Once there was a long discussion between Birbal and Akbar the Great. The latter was of opinion that men on certain occasions dies even before the appointed time, while the former held a contrary view. Finding opportunity of proving his statement the king let a mad elephant on Birbal when he was in the kitchen and the beast ran towards him. Though Birbal was put to his wit's end on account of this, yet he did not give way to alarm and catching a dog by the leg threw it on the skull of the elephant. The dog while being

gone against him which necessitated a war. Subsequently Haroon Rashid come out successful and his brother who had gone against him fell into his hand. When the prisoner was produced before Haroon Rashid he prayed the Almighty and asked his brother about the reason of saying prayer. The prisoner replied that he might have thanked the Almighty that his enemy was arrested. Haroon Rashid replied that it was not his intention but he prayed the Almighty that He was to be thanked that He grace him the power and opportunity to forgive his enemies. So you should always forgive your erring brothers. In the Chauri Chaura affairs the English have not suffered anything. You are the real sufferers. If the other are committing sins do not commit sins yourselves. Forgive them and forget. We are ashmed of what we have done there. You should tell the Government that you are ashmed of yourselves of the excesses done at Chauri Chaura and that you would not raise your hands in future. Some of you are proud of titles. What has the Government given to them and what do they expect I would not be living long but you should remember my words when I will be no more. Those Khan Bahadurs would be told by this very Government that when you proved a traitor to your own brethren and nation you cannot be expected to side us. You know the history of the wife of Zafar (King of Delhi). How she helped the English and what did she get from them. She was thinking that his child would be made King after the English occupied Delhi. After all his son was not made a King. These are monkeys and have no regard for anyone. Those who have not understood them are under a delusion and make them everything under a threat. I tell the title holders, Khan Bahadurs Government servants, Pleaders etc. to leave Khair Khawahi. Why are you spoiling you life. Nobody would be your after your death when you would be socially boycotted. These English would not come to take your dead body to the graveyard. If your dead body would remain lying untouched by anyone what would be your destiny. I wish God may grant you sense to understand these things and bring you on the right road. Hindus and Muhammadans be friend. I have come to beg money from you. Help me and give money. God may help you and bring you success. After this I would ask you to use Khaddar and charkha. Boycott foreign cloth. It is your religious duty. I regard you as Shaukat and Muhammad. I have no difference between the Hindus and Muhammadans.

After this the collection was made and some national songs were sung in order to amuse the audience and to keep the gathering.

The meeting dispersed at 5.20 p.m.

----

to know whether you would only listen the lectures only or would you like to do something. Have you the courage of serving the country? If you would have courage to do something it would be better for you otherwise you must remember the enemy is after you. This country belongs to Hindus and Muhammadans but there are good many enemies in our country. This is our country. This is our land and we should serve her. We could get it back and that we can only do by means of attaining Swaraj. If we would get Swaraj then it would not be difficult to help Turkey or other oppressed nations. You should unite together like sugar and milk or like water and colour. Become one and success would be yours. You would also be able to set Turkey at liberty and get your Khilafat back. You should strengthen yourselves by your permanent unity. You could any time turn out a handful of man. You are 32 or 33 crores. Your number is great. You can get freedom to Indian Turkey and other countries as well. Don't be afraid of any nation. Only fear from God. The Almighty is on your side. It is He who can kill and give life to every one. He possesses the lives of crores and crores. Under His orders a nation was killed by swallows. Can't He assist you? God helps those who help themselves. You can do anything by your united efforts. No power could arrest and imprison crores and crores. Where would this Government bring such a large jail. Stand on your legs and become soldier like and throw off the bondage of slavery. Tell them you are Masters and not slaves. Enlist yourselves as volunteer and raise an army of such volunteers. You are the rulers and ruled. Carry out your work without causing violence. What has been said by the Mahatma and who you are being preached by your leaders from jail you should carry out. The enemy who could be killed by giving sweatmeat should not be given poison. If those who are astray and do not wish to leave their service let them follow their own course. Do not molest them. What did the English give to the Sikhs who helped them at the time of the Mutiny. What have the Muhammadans got in reward of fighting in the Mesopotamia. Khilafat has been snatched away from them as a reward. Today the prisoners are being fed leaves of trees and Bajra breads. If you wish to save Turkey then stand up on your legs and remember God. There is no nation on the earth who can compete you if you wish to conquer. I want to know how many of you wish to enlist as volunteers (reply came - all) The greater the number the more pleasure, I would feel. Say you are ready. May God help you and crown you with success. The time is a critical one. If you would succeed I would feel pleasure in the next world. Brethren by a little courage you would win. Brethren you should tolerate all the oppressions of co-operators. I also pray that they may leave the wrong path and become like yourselves. You should learn the lesson of forgetfulness and forgiveness. You know what happened in the time of Haroon Rashid. His brother had

If the door of Asia would fall down then Asia would never flourish. Another reason for the help is that Muhammadans are our brethren. Today their religion is in danger and their holy places are being threatened. You are Hindus and if your religious places were threatened in the like manner what would be the state of your mind. Would you like your holy places to fall under the clutches of foreign people and would you endure it? Would it not injure your feelings? I do not think any Hindu would like it. Today the religious places of our Muhammadan brethren have been taken away by the Europeans. Turkey has been divided into several pieces and thus they wish to bring her to an end. Is it not your duty to help Turkey? If you hesitate to save Turkey and Islam it would not be far when your holy places would also be occupied and your religion would also be interfered with. If the Turkey would be strong and if the Muhammadans would get their holy places back through you they would help you in your troubles. It is therefore your religious duty to help the Muhammadans with body, heart and wealth (Tan - man - dhan). It is our religious duty to help the Muhammadans and restore them their holy places which have been snatched away from them. We should help them with money and men. This is the object of the visit of Bi Amman. Turkey alone is the power in Asia who is raising the banner of freedom. It is the gate of Asia and Turkey is protecting it against the march and invasion of the Europeans. The Europeans wish to crush Turkey so that they might be able to capture the whole Asia. Oh Muhammadans and Hindus come and help the sinking Turkey. Save the freedom of Turkey which the European powers wish to snatch away. By saving Turkey you can save all Asiatic powers. If Turkey would cease to exist all the Asiatic powers would die with her. The mother of Ali Brothers has come here for this purpose. You are not only required to help Turkey by your money but you ought to volunteer and go there to help Turkey *(Yih hi to nahin ke tum rupaiye se hi madad karo magar chahiye to yih ke jis tarah lakhon volunteer taiyar hote hain ho jate aur kahte chalenge Turkey ki jan se madad karenge).* You should show your sympathy in this manner and we would prove it also. For the present you should help Turkey by money. We should collect funds and Turkey would do much with this money against the European Atyacharis, who are bent before crushing her. I therefore request you to see Bi Amman and hear her as well. After you have heard her you would not go to your homes for sitting idle but if you would have the least regard for her visit you would comply with her demands.

Bi Amman

Dear Indian brethren, Hindus and Muhammadans and children. You have heard everything which is being told to you for the last 2 years. I want

regard myself like an animal. No better than a cow, an ass or a horse. These animals also work under you and maintain themselves. If you think you do not possess strength of character nor can you culture it then you can do nothing. I will tell you something more. How the British Government works through their Agents and how they rule. When I arrived in Barh I expected to see two of my old class- mates who were reading with me in Aligarh College. I refer to Mahmood and Sharfoo. I revered them and had a desire to see them here. When I asked after them I came to know that they had not enough moral courage to see me and Bi Amman. They were my friends in the student life. One of them is said to have gone to Calcutta and the other is hiding in his house. This is the blandishment of the British Government. This is the result of a threat by the Commissioner of the Division or somebody else. Today only a threat has been used but it would not be far when deeper policies would be set in motion.

How to the unity between Hindus and the Muhammadans. It is not a new thing. Ali Brothers and the Mahatma have preached this too often. I only draw your attention to what has been told to you by those leaders. If you want Swaraj and Khilafat, both of you should look over the excesses of each other and forgive and forget them. The result would be an everlasting unity. You should treat each other like the children of the same mother. At the same time I want to thank the Hindu brethren who have rendered every possible help towards the cause of Khilafat. You would be astonished to know that when the Khilafat question was first introduced by Shaukat Ali 50% of our Hindu brethren formed the Presidents and Secretaries of the Khilafat Committees. We cannot forget this and we are under deep obligations. They rendered us help at the time when we had given up every hope and dispaired. This is such an obligation that you cannot repay. With your unity you could take Swaraj and Khilafat in a day. Within your unity lies the secret of your freedom.

The President in introducing the mother of Ali Brothers spoke as follows:

Bi Amman is the mother of India because her 2 sons are the sons of the Motherland. These children of her are in jail. She is the mother of these prisoners hence the tie of relationship with us. She has come here for raising subscription towards the Angora Fund. Today Turkey is suffering. The mother is wandering from place to place in order to get money and to provide Turkey with means so that she (Turkey) could guard the religion of the Muhammadans. You ought to help Turkey who has fallen in trouble. Turkey is the door of Asia. If Turkey would cease to exist other Asiatic Countries would meet the same fate. The help of Turkey would mean that you are protecting Asia as well as yourselves (Hindus and Muhammadans).

your works on the shoulders of others then eternal slavery is in your lot in which you have already spent 150 years. Your wealth is gone, honour has gone and now your religion is attacked. If you wish to save your religion this is the time for you. If you neglect your cause and remain busy with your trade and services then the result would be disastrous. You would be deprived of participating in the good cause and your leaders would accomplish it themselves. If 2 lacs of you would not help the cause it will reach its destiny through the medium of the Mahatma or anybody else but the everlasting stigma will remain on your foreheads. You would then repent. The Mahatma has asked you to enlist yourselves as volunteers although he has suspended civil disobedience after the sad occurence of Chauri Chaura. You should not think that you are required to do nothing after the enlistment, orders would be given to you later. I therefore wish that every old man fit to walk, every child above 18 and every woman should enlist as a volunteer. They should not keep the matter pending for tomorrow or day after. They should get at once to the Congress or Khilafat offices and get their enlistments. Here again I wish to tell you that those who are willing to enlist themselves should read the rules that have been revised at the recent Ahmedabad Congress and then become volunteers. You are not required to use your physical force in anyway but you are required to culture soul force in order to prove how far you have become susceptible to non-violence. Those who may be eager to use their physical force against their opponents are not required for volunteership. We require volunteers of the type who could restrain their feeling against every torture and violence they may have come to face and they must be strict observers of the non-cooperation programme and obedient to their leaders wiht whom they may be deputed to work. Such volunteers will have to witness the death of their children, brothers, wife and parents but they will have to remain quite dumb and deaf like rather a statue who has no power to raise and move his limbs. If there be such brave men amongst you in the meeting then they should go and enlist themselves. They should do nothing in haste but at first think over the matter cool-headedly and then enlist. There is no hurry about it, think over the rules and condition and when you fully understand them enlist yourselves. Swaraj is absolutely necessary for your freedom. It is rather your religious duty to attain Swaraj go to other continents and see how you are looked upon. An Indian happened to go to a coffee house in Egypt. He was kicked out and addressed as follows: "You are the inhabitants of that place which is undergoing slavery for the last 150 years. There are only 2 lacs of foreign rulers and you have not only become slaves yourselves but you have enslaved other free nations only for the sake of 15/-." Now look what are your worth abroad. When I think I am a slave I cannot sleep in the night. I

would not be served. You will not be able to listen to Bi Amman. I therefore request you to keep quiet and if you do otherwise I would then say that Barh and its suburbs are devoid of non- cooperation movement. Nor are the people ready to do any good work. They appear to be fond of going to meetings to hear national songs and for the purpose of amusement. Before I come to another point I tender my apologies to those gentlemen who had gone to receive us 2 or 3 miles away from Barh. We have been visiting places after places for the last 2 months. Today the mother felt so much exhausted that she was not in a position to undertake the journey and we had therefore requested the Panditji and other brethren to suspend all the formalities of taking out a procession etc. My request was granted by Panditji and his party and if I were the cause of wounding their feeling in anyway I hope they would forgive me. The other thing is the present situation under which the country is labouring now a days. Those who read papers are well aware of the situation. Even the illiterate people now a days are aware of it. They get their literate brethren to read the newspaper to the (Here again the people made some noise) I ask you whether you have come to see Bi Amman or to hear her. Today in your country, before every Hindu and Musalman, a war is raging. You have been told about this warfare off and on. Two years have elapsed when we lauched into this warfare. You have been made known about this warfare through the agency of numerous local and outside leaders. I will not touch that point again. Today I will tell you something about the high diplomatic moves which are played against you by the British Government and from which you will have to save yourselves. As you know nowadays there is a talk of a round table conference and peace. What are these policies? In the face of these negotiations would you sit idle in your houses or would you carry on your propoganda. Brethren believe me when I tell you that the real war opens now and it did not begin 2 years hence, when you were enjoined to non-cooperation and remain non-violent. The war really begins now when you hear about the peace negotiations. The present warfare would be between the big leaders and the high officials of the British Government, between the officers of the Provincial Government and the Provincial Leaders. You must bear in your Leaders to go to Councils etc nor would they ask the councillors to come forward, nor to the school children but they would only request you and you alone for enlistment as volunteers. What you be ordered next? Go to jails! You must remember you have no Army of your own, nor have you any power and authority nor has your Mahatma any magical power or superhuman power at his disposal to create Army and Treasure. You are his troops and your pockets are his treasure. If you would realise your duty to country then the success would be ours. If you will put

There were some 2,000 people present including children and women. They had mostly come to see the mother of Ali Brothers.

From 3.30 p.m. National songs were begun in order to amuse the audience. The following songs were sung:

1. *"Yah kah rahe hain Karachi ke qaidi ham to jate hain do do baras ko."*
2. *"Utho mil ke Bharat ko azad kar do."*
3. *"Adoo ki adawat men tum ab na jao jo apas ka jhagra hai tum khud mitao."*
4. *"Hitva" and Bharat Mata ki izzat barha denaji."*
5. *"Gori surat mohini murat aur rang men un ke lali."*

At 4 p.m. the mother of Ali Brothers arrived with Saiyid Ahmad, Qazi Hafiz, Muhammad Naim and Muhammad Ashfaq, Swami Akhilanand proposed B.Parmeshwar Narayan, Pleader to the chair and it was unanimously carried.

The President requested the audience to remain calm and quiet. This has had no effect and one of the audience proposed that shouts of jais should be made. Consequently they shouted jais of Bi Amman, Bharat Mata, Mahatma Gandhi etc. This had some effect on the audience but again the people become disorderly. The President then asked Hakim Afzal to recite Quran. This done - National songs were again sung (Bande Mataram). Maulvi Muhammad Noor then again recited Quran and wanted to read an address in Urdu. This address was a lengthy one and as the mother of Ali Brothers had settled to leave Barh for Calcutta by the 30 down passenger the President requested M.Muhammad Nur to read the concluding portion of his address. He made two or 3 attempts to read his address in full but was stopped by the President. The concluding para of the address was in the praise of Bi Amman and a welcome to her on behalf of the citizens of Barh. The address which was written on an ordinary paper and in Urdu (manuscript) was handed over to Saiyid Ahmad.

The President then welcomed the mother of Ali Brothers and said that they never dreamt that they would be so fortunate as to receive the mother at such a small place like Barh and get their salvation. He then asked Muhammad Ashfaq to speak something.

Muhammad Ashfaq

Sisters and brothers! If you will hear me patiently for a few minutes I hope every one of you will be able to hear me as I have got a loud voice. If you will make noise then I assure you that the purpose of today's meeting

Memo No.2449 S.B. Bihar Special Branch
874-N-22

Patna, the 22nd February 1922

Copy fowarded to the Chief Secretary to the Government of Bihar and Orissa for information in continuation of this office Meme No.2448 S.B. dated the 22nd February 1922

Sd/-
Deputy Inspector-General of Police
C.I.D., Bihar and Orissa

No.2557 S.B.

Office of the Deputy Inspector-General of Police, C.I.D.
Bihar and Orissa

PATNA P.O.

The 23rd Februry 1922

Proceedings of a meeting held at Barh, Patna District on the 18th February 1922.

Copy forwarded to the Chief Secretary of the Government of Bihar and Orissa for information in continuation of this office Memo.2449 S.B. dated the 22nd February 1922.

Sd/-
Deputy Inspector-General of Police
C.I.D., Bihar and Orissa

Proceeding of the meeting held at Barh on the 18th February 1922

The mother of Ali Brothers arrived very late in the afternoon and hence she could not come to the National School till 4 p.m.

Maulvi Shah Abul Barakat Saheb of the Islampur Khanqah presided and the following spoke:

(1) Maulvi Ashfaq Hussain, Private Secretary to Shaukat Ali.

(2) Syed Ahmad, brother of Dr.Mahmud, Secretary of the provincial Khilafat Committee.

(3) Bi Amman, mother of Ali Brothers

1. The first speaker Ashfaq Husain delivered himself rather forcibly on the grievances of Indian Muhammadans and the ill- treatment of Turkey, and repeated the usual mis-statements that the British Government had assisted the Greeks with a million and a half pounds sterling and wished to destroy Islam. He appealed for funds for the Turks and stated that 26,000/- had already been acknowledged by Mustafa Kamal. He stated that the Indian Government was still trying to keep alive the ill-feeling that exists between Hindus and Muhammadans and proceeded to prove this by remarking that at Chauri Chaura no Englishman had been killed but only Hindus and Muhammadans. The second speaker then made some extraordinary statement apparently in connection with the Greeco-Turkish War which has not been clearly reported, but is to this effect that 13,000 Turks were killed at a place called Hermain, and that others somewhere else had been reduced to eating horse flesh and went on to say that India had done nothing to keep the Angora Government on its feet. He then enlarged on the necessity of furthering the Non-co-operation programme and said the introduction of the charkha was the most important thing.

2. The last speaker Bi Amman practically covered the same ground as in her previous speeches in this district. She recommended Government servants to resign and take up work with the Khilafat and Congress organizations. She closed by appealing for the Angora Fund, and it was noticeable that the meeting immediately began to break up and only about Rs.60/- is reported to have been collected.

3. That same night Bi Amman addressed Muhammadan ladies when it is reported about Rs.3,800/- in cash and ornaments worth Rs.200/- were collected.

4. On the 18th morning the party left by motor car for Barh.

Confidential

created one Mahatma and two others Muhammad and Shaukat Alis - i.e. for the purpose of settling the matter they have been created, and having done so they will remain. When trouble falls on a nation then the women come out. You have probably read in the papers the news for Karachi that the two brothers were not allowed to see each other for a fortnight. If you, considering the misfortune you are in, wish to maintain your Khilafat permanently then you should turn out of India the English or any other foreign power, and if you wish the Khilafat to exist then you must obtain Swaraj.

Collection was made and about 3000 realised.

The same day Bi Amman addressed a meeting of Muhammadan ladies when about Rs.1500 worth cash and ornaments was subscribed.

Sd/ A.E.Bion
Superintendent of Police, Patna
20.2.22

Memo No.2448
Patna the 22nd Feb 1922

Copy forwarded to the Chief Secretary to the Government of Bihar and Orissa, Patna, for information with reference to this office Memo No.1624 S.B. dated the 7th February 1922.

Sd/-
Deputy Inspector-General of Police,
C.I.D., Special Branch,
B. & O., Patna

Report of a meeting held at Islampur on the 17th February 1922

There were about 1000 people present mostly Muhammadans. The object of the meeting was to raise money for the Angora Fund and to give Bi Amman an opportunity to ventilate her grievances.

Report of a meeting in Bain House, Bihar on 16.2.22

There were about 8000 persons present. Babu Brij Nandan Prasad Pleader of Bihar was voted chairman and the following also spoke:

1. Maulvi Yasin
2. Maulvi Fasih
3. Maulvi Yusuf Khan
4. Maulvi Ishfaq, private secretary of Shaukat Ali
5. Maulvi Saiyid Ahmad, brother of Dr.Mahmud
6. Bi Amman

The object of the meeting was to raise money for the Angora Fund and to protest against the treatment of Ali Brothers.

Bi Amman spoke as follows:

"My dear Hindu and Muhammadan brothers. May God help you. You have lost your religion, Islam and Khilafat. Go down on your knees. I do not worry about Shaukat and Muhammad. Hindus and Muhammadans are the same. Donot trust in the word of the unreliable and slanderous Foreigners. They have taken your country from you on account of your disunion. If you have now been misled then the ship has sunk. You Hindus and Musalmans must never fight. Do not ever be misled again by the English into fighting among yourselves. When the custom of faction fighting between Hindus and Musalmans is done away with then there will be no further cause for disputes. Sons and brothers - what is there to fear - they are lakhs and you crores. What is there to fear in jail. Have patience God will take revenge for you. Go to the jails ask for the doors to be opened - how many can they put in? Go down on your knees and consider we will conquer part of the country(?) But go slowly. When your enemy is dying of good things what is the necessity to poison him? At Chauri Chaura they killed 2 while you killed 20. Brothers what are your losses compared to theirs?

Syed Ahmad also delivered objectionable speech as follows.

"Time is short and I do not know whether to speak on the question of Constantinople or Bihar. If I were to consider this country as a whole I should say the most important question of the day is the union of Muhammadans and Hindus. The strength of your religion is centered in one race led by Mustafa Kamal who has been temporarily successful. God has

am praying for your success for the last 7 years. Sometime I think that the Almighty would regard me too greedy yet I cannot help, asking Him to deliver you up from your slavery and to awaken you from the stupification. You are all sinful but the Almighty is merciful and he would wake you up. Oh God the monkeys are snatching away the piece of bread from the mouth of Indians and the India has been ruined - extricate your children from this slavery otherwise they would hate you for the situation in which you would leave them. Remove this impurity from their life. I am not cursing the English. They are also the children of Adam and Eve. Their oppression has ruined our country and I pray that our country may become free from their clutches. Give them another kingdom and treasure but get them clear our country. The world is a jail for the infidels but for you the heaven lies under the shade of swords. You should not be afraid of bullets. I tell you truly that I shall be pleased if I am shot before you all. Let my children be sacrificed first for you all. God may bestow upon you courage and faith. Heaven is yours after the death. It is alright if you possess Islam, courage and bravery otherwise it is better to die before you could be called cowards. God may help you. Be courageous and strong. The Police and Army who think that Government provides them with their necessaries of life are mistaken. Death, Life and provisions are in the hands of the Almighty. Nobody can kill the creation of God nor can anybody ruin them. He can alone kill every one and give life.

Rs.10,000/- was announced from Muzaffarpur side and Rs.375/- from Motihari towards the Angora fund. The meeting dispersed at 12 a.m.

----

every misfortune that befalls us or else we should go to another earth and under another sky where we may find another Almighty. This is impossible. There is no earth nor any sky where that Almighty does not rule. When a man becomes helpless he submits to the will of the Almighty. The God again pleaseth us by saying "I am with those who resign to me". This gives us consolation. You must therefore trust in God and do the right.

Brethren you know cow sacrifice is allowable by Islamic religion but we do not want to injure the feelings of our Hindu brethren and therefore you should abstain from it as far as you could. You must remember that we should unite together like milk and sugar or like saurness in safflowers. Our religion also teaches us to be friend those who befriend you. Another thing for you is the cultivation of cotton seed. It has no equal. Even your brothers bury you in the ground and leave you in the grave, but this cotton covers you no sooner you come in this world and goes with you in the shape of coffin in your grave. I remember couplet "Pit to aise kare jaisi kare kapas - Jite ji to sath na chhore aur rahe mare ke pas". One should prove his friendship like cotton which remains with you during your life time and does not leave you after your death even. We all have one object in view. God may crown you with success. This is not time for contemplation. You should work and bear in mind that every Indian is against the Govt. They are serving the Government either through some inclination, fear or for some other reason. I pray the Almighty to give them sufficient stength of character so that they may leave their cowardice and may become so bold that they may not care for their lives and money. You should become a nation by their unity and if you would fail to do so then you would be ruined. I am your mother and therefore have every regard for your welfare. The Almighty may enlighten every Muhammadan like my Shaukat and Muhammad Ali and make them true Muhammadan. I went to Mecca, Shaukat Ali was serving the Government and Zulfaqar was Excise Superintendent. When I went to Mecca I prayed the Almighty to show the right path to my children. The father of these children died when they happened to be minors. They were of different ages ranging from 1.25 year to 9 years. When my husband died I asked him what would happen to these children. He made a sign and trusted them to God. The brother of my husband told me that his brother was alive as there was some motion in the coffin, I told him about his mistake and assured him that the movement of the dead body was in response of my question. My husband was a Wali. I therefore prayed at Mecca that my children might be turned into true Muslims. The Almighty heard her and the result was that Muhammad Ali and Shaukat Ali disliked the service and left it. Zulfiqar, though a Qadiani, has also left the service. Thus all the 3 children have become true Muslims. I had a village and that I have sold. I

of Islam for the last 6 centuries and stand in need of money. They do not want this money for the use of their children and families but for the purchase of ammunition in order to protect your religion by carrying out the war. I therefore appeal to both the communities and tell you that it is your religious duty to subscribe towards the Angora Fund if you wish to get your Khilafat back and get your religion in place of which they intend to spread Christianity. If Islam dies out what matters if the Muhammadans live or not. If you wish to save Islam as it had been saved during the past 13 centuries then you should subscribe towards the Angora Fund for which this old woman is begging from place to place. You should part with all that you have in your pocket. We should not take rest until we have sent a crore of rupees. Greeks have been given 18 crore pounds as a loan by the British Government probably the Greeks would recommence war in the beginning of summer and before the time comes you should also send 1 crore rupees to Kamal Pasha. Can you not pay 1 crore in order to save your religion and the Turks who are fighting for you.

The President then got up and exhorted the audiecne to sit calm and quiet and to hear the mother of Ali Brothers.

Bi Amman or Abadi Begam

My dear Hindu and Muhammadan brethren and children. I am expressing my true feelings and you should remember that the old woman is telling the truth. Both the communities are like two eyes to me. I do not want that one eye should lose its sight and the other may flourish. I also regard Jews, Parsis and Christians likewise. All of you are like Shaukat Ali and Muhammad Ali. I do not care for Shaukat and Muhammad. I have left them in the charge of the Almighty. You know what has happened in Karachi. I consider you like my own children and you must remember the word of a lady which will always be kept. If such thing happens then you should regard the man as a dishonest person. What I am anxious of is to see the yoke of slavery of your neck. I wish you freedom. You may have the strength to stand on your own legs. You are free men and are no slaves. You are the masters. If Shafi were here I would have been pleased to see him but he is in jail. I am sorry I could not see him. However it has given me much pleasure to hear about the work done by him. I wished to see them in jail like Shaukat, Muhammad Ali and Feruq but the interview was not granted to me although others were allowed. Similar things happened in Lucknow and Bhagalpur Jails and interviews were not granted to me. It gave me much pain as the gentlemen who had accompanied me refused to see the prisoners and I was the cause of this misfortune to them. I could not but had patience. The Almighty desires that we should always remain thankful to Him for

of C.L.A. Sir Surendra Nath Banarji (I feel ashmed to add Sir to his name) was not consulted to at all nor was his voice heard when he opposed it. The Laddos of Boor are shown to us and it is said we have been vested with full powers. It grieves me very much not to find Muhammad Shafi here. I shall think myself very fortunate if Mr.Wilson would arrest me in my own province. Let the Policemen and audience present here convey these news to Mr.Wilson. I declare on behalf of the meeting that you (Police and Government officers) may tell your officers, (as I do not regard them our officers). I am not abusing them as abused are in a way connected to some extent and therefore we have left abusing them - that we are persuing our course and would nourish this land with our blood in order to obtain Swaraj. We do not regard this Government to be any Government at all and do not think any Government exists. If there be any moderate people and co-operators who own the Government they may go and tell on behalf of this meeting - as the audience of this meeting are with me (yes) that in plain words we are "revolutionaries". That we are ready to turn out the English from this country as soon as possible. We have been slaves for the last 150 years we have been afflicted now by our constant flattery. Every moment, hour, and second we pass in slavery is heavy on us. It is our duty not to remain as slaves for a single moment longer. From tomorrow the warfare would begin throughout all India. From today all Indians who are present here, even the Police men should consult their conscience and declare or cause me to convey on their behalf that every Indian considers himself to be a free man and has no connection with the Government. The little connection which was with this Government has also ceased to exist. The Mahatma was under the impression that our demands in respect of Punjab affairs (who does not know about the Amristar affairs where hundreds were killed and made to crawl on their bellies. Nobody can forget these incidents) would be fulfilled as they were not so unwise and therefore it was our desire that the English may also remain in India with us on equal status. From today this hope has been frustrated. We do not think it valid now that we should remain their slaves.

I would now say something with regard to the Angora Fund. The British Government who calls themselves to be just and the rulers of 33 crores, did not care for our demands and it was the Almighty who has come to our help and inspired Kamal Pasha to restore our holy places. God may bring success to Kamal Pasha. I may also tell you now that it was the British Government through the aid of which Greeks committed so may atrocities. It is for this work that you are required to subscribe. The work has not yet been finished although by annihilating the Greeks. Funds are required for the Turks who are engaged in war. These Turks have been fighting for the sake

non-violence. The Mahatma wishes to set all other nations of the world at their freedom by the non-co-operation movement.

It is not the only object of non-cooperation to attain Swaraj for India. Both Hindus and Muhammadans should therefore free other nations too from the possession of the Europeans by their united efforts. You must bear in mind that your non-cooperation movement would not only free India but would free all the nations from the European possession. The obejct of Mahatma Gandhi is to free all oppressed nations. Our duties are great and we should carry on the work with great zeal. The steps which have been put forward should not be retraced back.

I cannot help praising the citizens of Calcutta. I have seen the people being oppressed and submitting to it without a murmur. This is the Province, which 6 months before, the slackness of which we criticised. They had not joined us then and the English were pleased that the Mahatma Gandhi could not drag Bengal in his movement. If you had witnessed the scenes in Calcutta you would have been perplexed and become unrestful. Small children are beaten. The wife of Mozumdar was assulted. No violence was committed by the aggrieved persons and they bore all the hardships patiently and quietly. You should bring your province to the top of the list in respect of non-violence. In any case this province should not remain backward. Are the other districts of Tirhut Division ready like Muzaffarpur. Bihar is ready at the places where great oppression has occured. The Government officials have settled to give us Swaraj if we could come out successful in the test of their oppression and my desire is that our province should nt lack behind. I earnestly hope that when the war would begin you would not give an opportunity to the people of other provinces to tell you are lacking behind. I may be in Bardoli at that time or might receive a bullet in Bardoli or may be in jail but do not let me hear that the Mahatma, who has great faith in the people of this province, met with failure on account of the people of the Bihar Province. If I would hear about your progress then I would die with peace and pray for the pronvince's happiness. Brethren, the Government of Bihar and other moderate leaders have said that Reforms Scheme meant Swaraj and that they have attained it. They ask as to why non- cooperators and Gandhiates are crying for Swaraj now. I want to tell them that they unanimously passed a resolution in the Council (not of non-co-operators) that all the laws that are in force in India are not just ones and that they should be repeated. Has the Government repeated those Laws. Is it the form of the Swaraj with which the co-operators are contented and pleased. What happened in the case of Ali Brothers. All the Ministers (though in name) and Councillors opposed the arrest of Ali Brothers and did not recommend the proceedings. What happened in this case. Again at the time of introduction

disgrace you when we would be successful and if you would not gain us. If you would gain us then we would make you Constables of the Swaraj.

Dr.Mahmud

My Hindu and Muhammadan Brethren. From Muzaffarpur District no less than 300 men have gone to jail and the people here are far advanced and do not require stirring up, nor do I require to tell you what you have to do next. You are quite ready, I deeply deplore the absence of Muhammad Shafi and Nawab Singh. I wish either they should have been present here or I would have been their companion in jail. Seeing the zeal of their Town it makes me to think as to why I am not yet within the jail walls. Either my faith is not as strong as it ought to be or else I am not zealous. When I find myself so weak and shaken I do not think I am able to deliver any lectures at all, I would therefore convey to you some messages of Mr.Shaukat Ali and Mahatma Gandhi. I would therefore request you to kindly listen to them and get ready. You all know that today is the 11th February 1922. What are we doing here today in this meeting? What would the Mahatma be doing at Bardoli. The Mahatma might be marshalling his troops at Bardoli. He is to commence his war from tomorrow. The war materials are the non-co-operation tools and implements. Tomorrow the would begin and we are making speeches. I would now tell you the message of the Mahatma. He had specially requested me to tell all over the Bihar to finish with lectures and to prepare masses. The time has come when you ought to be ready and get yourselves ready now and commence the work. You have been requested for certain things during the past year and it is the repetition of the same. Are not 10,000 men ready here to fill up the jail especially when Muzaffarpur has produced 300 men who have sacrificed themselves (not in the true sense of the word, but I think they would not hesitate from that also when the time would come). But this should be done without committing any sort of violence. Non-violence is not an ordinary thing. This is the greatest weapon in our hand against the machine guns, rifles, sword and aeroplanes. And the greatest affliction in the non-co-operation movement is the co-operation of the Police with the Government, through whose agency they get all sorts of information. Just now my contemporary, who is a learned man (Alim) has cursed them and God forbid that his prayer be accepted. He should withdraw his curses and pray the Almighty to bring them on the right path and that they may become Non-co-operators. My contemporary, the Maulana, is not aware of the situation that prevails in India. The Police and Army are very anxious to join the movement. They are with us by their heart. It is their weakness that prevents them to join us openly. I wish and pray to the Almighty that that weakness may also disappear. I was talking about

English soldiers march in the streets - our guns are charkhas and brave men do not get frightened to see machine guns etc. If you put a mountain in my way I regard it to be like an ant. Declare everyone of you, be it a man, woman or a child that you are ready to fight and that you would wrestle and through our adversary. I quote here another example of a companion of the Prophet. How they showed their readiness. It is a long story but I would only tell you the result. The said companion of the prophet was made a prisoner of war. When he was taken out of his cell for beheading him the prisoner was asked as to which side his face should be turned at the time of his slaughter. The said prisoner showed no signs of uneasiness and told them to kill him on any side as his God was on all sides. The body of another companion was cut to pieces. This man regardless of his pain told his enemies that the greater the suffering he would endure the better house he would get in the paradise. These were the staunch Muhammadans. Become like them. Another story I remember. It was the rainy season and a man, who might be a Khan Bahadur or Rai Bahadur, he went in the fields to ease himself. There a frog croaked and the Khan Bahadur ran away (Mendak Bola tar, yahan na dhoenhe dhoenge ghar). Such persons are worthless men and we do not require them. They should leave us we do not want those who are playing duplicity. If they go to Government they say Sir (Hajoor) and when they come towards us bring dates (khajoor). If you are going to spoil your religion for the sake of the British then you would get Hell with them. The Koran says that the men would be mixed on the resurrection day with those with whom he used to mix (Hashar ke din unke sath hoga aur adim un sab ke sath uthaya jaega jis se Muhabbat karta hoga) Oh you Government servants, Court Officials, Police Daroghas, remember the day of resurrection. Today you put hand cuffs on our hands and escort us to jail and injure our feelings. On the day of resurrection you would be treated by that Almighty likewise and you would go to Hell. The Police gave false evidence in order to earn their livelihood. They must remember that this work of theirs does not provide them with food. It is that Almighty who provides every one. Leave the service today and see whether you get your food or not. Do not serve the Government. You must remain aloof from the irreligious people. Leave your connections with the Government. These Europeans are of nobody (kisi ke nahin). At Samastipur Bi Amman has rightly said that the wife of Shah Zafar Ali helped the British in every possible way. She provided them with money and eatables - rations were sent in the shape of dead bodies. When the British won the battle they discarded the wife of Zafar saying when you played false with your husband then there was no chance of remaining loyal to the British. Remember you Policemen, I would

without any ladder. Such a courage I do possess. Muhammadans I would tell you another Hadis but do not ask its meaning from the Khan Bahadurs. It is from Muslim Sharif. The Khan Bahadurs would only open panel code and evidence Act if you would ask the meanings of Hadis.

"Hell is the place of those who would remain irreligious, speak lies and practice deceit."

I would not curse any particular man but at the same time I can not help saying that such is the saying and a man cannot get Heaven if he does follow the doctrine. Those who obey the Kafirs (means British Government) would get Hell. This is the saying of the Prophet. I give you an example of a campanion of the Prophet who received an arrow wound on his chest during the War. The companion after receiving the wound said "I swear to God I have gained my object today. My object was to lay my life in the path of God and that I have done.

There would be hundreds of Rajputs among the audience. They ought to be ready. They were soldiers before and they fought in the battle fields. I do not mean those Rajputs who might be companions of Rai Bahadurs. I do not address to such Rajputs. Look to the history of India and become Rajputs like your forefathers. Declare yourselves to be such and tell them that the blood of brave warriors is running in your veins. We know you (British) very well. My grandfather had rightly said that the English were monkeys. These people (British) are ruling over us by adopting the policy of "divide and rule". This is the one form of ruling over us and the other is through bestowing titles of Khan Bahadurs and Rai Bahadurs. A gentleman who had met a European - (God borbid I may see any Englishman as it is against my religion to see an Englishman) told me that his European friend had told him that our movement could not be successful, as there were many titleholders in his office. God may have Its mercy on Islam, India and the Indians. I warn you Government servants that you would be nowhere when we would get Swaraj and the Indian would be free. Our movement is not such that I would follow and listen to the Government well wishers and leave the movement. The colour of our movement is fast like the lamp blacking. Khan Bahadurs and Rai Bahadurs are engaged in anti-movement. One title holder had told me that we have turned mad - or our brains have been effected. Now I would tell you something about mass Civil Disobedience in Bardoli. Brethren now the time of delivering and listening to lectures has past away. Now tell that you are ready for Civil Disobedience (mass). Bardoli mass Civil Disobedience would be done by the beat of a drum. Looking to the state of Muzaffarpur I say Muzaffarpur people are ready (the public replied in affirmative) and when the order for mass Civil Disobedience would be received I would do it. Machine guns have been brought to Muzaffarpur and

Now gentlemen it is your duty to non-cooerate with such a Government which is against your religion. You should therefore withdraw your help and remain non-violent. Let them do Zulum as much as they can and tell them "Sar-i-taslim kham hai jo mizaj-i- yar men aye." My head is bowed down before you, do whatever you like with it."

You know that Bardoli is going to observe Civil Disobedience on or from the 12th instant and Dr.Mahmud, Secretary of the Provincial Committee is going to take lessons from the Mahatma at Bardoli. What to say of Bardoli I tell that Muzaffarpur is also ready for the Civil Disobedience and I would prove it practically. From today we have no connection with the British Government (which is against us) nor will we have any connection with it. It is disgraceful a true son of the country has gone to the jail and the others are not ready to follow suit. We will go to jail if the Almighty so desires. We are not fond of jail but we would combat (muqable) with this Government and what to say of the jail we would go to any place where they would desire. Nay we would go to London (Here the public said Insha Allah) and fight with them (muqable/karenge) Brethren have courage. Bi Amman had said at Darbhanga that you have no bangles on your wrists those who had (women) have come out of the four walls of their houses. If you are not prepared for the warfare then either die of shame or sit within the four walls of your houses and put on bangles on your wrists like females. According to the Hadis we will gace our enemy. Do not ask the meaning of the Hadis from Khan Bahadurs as they do not know the meaning thereof. They do not know Koran but know how to maintain titles and get honours in this world. You know perhaps the light in which these Khan Bahadurs are regarded these days. There was a Khan Bahadur at the Railway Station, nobody cared for him nor anybody saluted him. Those who have given up title are shown every possible regard in the general public and thousands of men are ready to obey them. However there is not the time for such discussion. As the mother of Ali Brothers had told at Samastipur you must obey your leaders and act up to their advice. You should challenge the Government and carry on your propaganda without any violence. When the time would come when you would be required to proceed further the present limits even then you should say you are quite ready. It is disgraceful that our mother in her old age and infirmity has stood up for the Jehad and you are not ready for it. Are you afraid of death? Oh Muslims for you do draw sword to go to jail and to die is Sunnat-i-Nabwi. Let them show and use machine guns, artillery etc. They are nothing. An Allah o Akbar has 10 thousand times greater power than these. I again impress on you that you should not leave patience, calmness. You should obey the orders of the Central Khilafat Committee. Do whatever you are told to do. I tell you I would rise in the air

plague raged and other sorts of hardships we had to undergo, we silently bore them, the famine in a country like India should have been impossible. But when the modesty of our females was outraged and they were dishonoured we felt it very keenly but still we remained quiet. But when the matter went further, i.e., when the Government went so far as to interfere with the Muhammadan religion then we could not endure it. One could endure famine, scarcity of cloth and everything but not the interference in religion. It is better to die than to see ones religion being interfered with. Hindu Brethren you must remember that when the Muhammadan religion has been interfered with, there is no security that the same thing would not happen to Kashi, Somnath, Jagannathji and other religious places. It is therefore your duty to help your brethren in their difficulty. You should regard the Khilafat of Muhammadans like Jan Eakh Sha and try to save it. If you fail to do so you cannot be called men. There is no guarantee that what is happening to Islam today would not happen to Hindu religion. It is down in the Ramayan that when such time approaches the God comes on the earth. You know the history well. The God had come on the earth as Gobardhavan. The mother-land has come to our help and as the public helped Gobardavan in the past so is your duty to help the cause of the country. The milkmen had come to the help of Gobardhavan although their help was nothing yet it was their duty to answer the call. What can we do for the mother-land? All have neither wealth nor money. We have only slavery and that we can give. Our mother has come out and given up Purdah. It is disgraceful that we can do nothing. We have, as I have said, nothing with us, but we can offer our hearts which are pure and on which the oppressive Government cannot rule. If you possess such heart then pray to the Almighty that you may prosses the same strength of character as our mother possesses and that we may not flinch at any sacrifice as she has not at the time of sacrificing her 2 brave sons for the cause of the country and the attainment of Swaraj. We should therefore pray to the Almighty to give us courage and strength of character as the Ali Brothers possess. Though it is difficult that we would possess courage and strength of character like the Ali Brothers, yet we must try to attain at least 1/16th part of their courage etc. God may bring success to our cause.

Maulavi Abdul Wahab then read a verse from the Koran and explained as follows:

"Oh Muhammadans and Hindus Brethren, I have just read a verse from the Koran. You know it is the saying of the Almighty - He says, "Get away and withdraw yourself from those who are your enemies and against your religion."

The President then asked a boy, named Ramdeyal Singh to sing a National song. The following songs were sung by Shah Jafar Husain, Jagdish Prasad and Latif.

1. Aha ha Mohan ki munh se nikla Satantra Bharat Satantra Bharat.
2. Boli Amman Muhammad Ali ki jan beta khilafat par de do
3. Naz ham keon na karen Saheb-i-farma ayen
4. Jail ka dar kise dikhlate ho ham keya is se dar jaenge.
5. Chorus. Bande Matram in Bengali - Bolo Bhai mete jai Bande Materam.
6. Mai hamen jagai eahi hai kahae Labri utho ho Purab men.

The President then addressed as follows:

It is the good fortune of Muzaffarpur that our Mother has come here. Her arrival has elevated us. I feel very much the absence of our great leader Muhammad Shafi and several other devoted men. It is regretted that they are not present here today to welcome the mother of Ali Brothers. Brethren Muhammad Shafi and his staunch co-workers are in Buxar Jail yet their hearts are here and their soul force has reached to that high stage that we can emphatically say that they are here.

Now you would be addressed by the mother of the Ali Brothers and several other leaders and I hope you would remain calm and quiet and listen to them. As I have little time at my disposal I would only tell you 2 or 3 things. It is needless to tell you anything about Ali Brothers and their Mother. If I try to say anything it would be like throwing dust on the sun like showing a lamp to the glare of Sun. Their names are known far and wide, not only in India but throughout the whole world. Sometime ago the Ganges of Hindus was separated from the Jumna of Muhammadans by the policy of a 3rd party. Sikh and Parsis were also aloof. Thanks to God that these leaders have brought them all together. All 3 streams have become great river. The Ganges of Hindus and Jumna of Muhammadans have met together and formed a holy Tribeni in which now all classes bath and obtain Satanter Bhagti. This Tirbeni has been established by Ali Brothers. Brethren I do not find words to draw an outline of the work done by Ali Brothers. Their Mother has now come in their place. Look to the spirit she possesses in her old age. The time is a critical one now, I am sorry I have not gone through the religious books of Islam but I would tell you something from the Hindu religion. It is down in our religions books that when there prevails great oppression on the earth, there is trouble, the religion and honour are threatened then the God transforms himself in some shape and comes to the rescue of the oppressed. Now that the Hindu and Muhammadan religions are being threatened the time has come. Brethren as long as famine prevailed,

I hope women would encourage men today too in this War which is with the King of the country. The police in Calcutta have no room to accomodate men in Jails and factories even.

Whatever Bi-Amman has said you must act up to it.

Note taken by Syed Muzaffar Uddin
Reserve Sub-Inspector of Police
Police Lines, Laheria Sarai

No. 2281 S.B.
874-L-22

Office of the Deputy Inspector-General of Police, C.I.D.,
Bihar and Orissa.

Patna P.O
The 20th February, 1922.

Copy forwarded to the Chief Secretary to the Government of Bihar and Orissa for information in continuation of this office Memo No.1792 S.B., dated the 11th February 1922.

Sd/-
Deputy Inspector-General of Police
C.I.D., Bihar and Orissa

Proceedings of the meeting held at Muzaffarpur on the 11th February 1922 (Tilak Ground).

The mother of Ali Brothers with 4 ladies and 2 girls (one of Muhammad Shafi and the other of Dr.Mahmud) arrived in the Pandal at 10 a.m. The other important men with her were M.Ashfaq, Secretary of M.Shaukat Ali and M.Abdul Wahab of Bilaspur. They were received under the applause of Allah o Akbar, and Jais. About 5,000 persons attended.

One Ramdeyal Singh, Secretary of the District Congress Committee, Muzaffarpur, was proposed to the Chair and elected unanimously.

One Abdul Wadood of Muzaffarpur introduced the President to the audience and said that the President was well known to the Public of Muzaffarpur. It was he who awakened the sleeping masses. He was ready to sacrifice himself for the cause of the country and there was no other befitting men to hold the position.

Dr.Mahmood (Addressing to the women)

We have been slaves for the last 200 years but you have been living in Parda (inside walls) and hence it has produced no effect on you. We are weak and crave for help from you. If you would not lend your helping hand the success we hope in this war for our country's sake will not be achieved.

Khaddar which is the first uniform of the soldiers should be worne. Mahatma Gandhi has gone to Bardauli and you can hear in 2 or 3 days that he had been shot down. Even if Mahatmaji is shot down he will leave work for us behind him. It is your bounden duty to lend help in the country's work, rather you must go ahead. All your good men have already gone to jail and it is possible that the rest may also be put in jail and you all be left to work alone. You can do much - you should not think that your Pardanashin can do nothing. There are many instances to show that Turkey women have fought against the Greeks and won. -- Would you like to remain behind them. There is no reason why you should not work along with men and attain freedom which we are so anxious for. The war which your men are fighting today is not an ordinary one rather it is to clear off .... from the country. When your country is freed from the sin it is like heaven. If you do weep for your men and prevent them from going to jail, your future postevity would invite curse on you because you would enslave them rather strengthen the feters of slavery. Therefore attain Swaraj in these 2 months else you would have to remain slave for the next 100 or 200 years.

Gholam Sarwar Saheb

My dear brethren - I would like only to impress on you how you should be united. The Hindus and the Muhammadans should be united toghether like the Pahara of 9 which multiplied by anything the product is added it would come to nine and not like the Pahara of 8 or like milk and water. The number of volunteers is not sufficient here. It is the duty of everybody to enroll themselves as volunteers.

Mathura Singh of Darbhanga

Recited some Hindi verses.

Baijnath Prasad Deora Marwari of Darbhanga

My dear brothers and sisters it is not the time to offer thanks, but to work. You see when our forefathers joined any battle, their females used to prepare their funerals. They said to them you should die in the field and not take to your heels. It has also happened that the door of the houses had been shut against those who run away from the field and then mothers have said "I like not to see the face of a son run away from field."

Shauk se ja kaid men ai yusufe gul pae rahen
Misr ke yusuf ke surat ban ai fakhre dahan
Ja khuda hafiz teri sab muskile asan hon
Eh dahakti ag ban jaegi ek range chaman
Hatkari beri pahen saman araish hai eh
Jism ki aur ruh ki jinat hai eh tauke rasan
Aj tu jata hai aur kal tere lakhon muktadi
Kaid men aenge rakhe sar par ek khuni kafan
Chahte hain voh jo eh saiyad karte nahin
Ham ko karden ruh ko barbad kar sakte nahin

Arshad Ali and Abdul Moid of Darbhanga

The following verses were recited by them.

Sar khilafat ka hua dhar se juda eh keya hua
Ah ai islam sache khuda eh keya hua
Chhut geya muzlum muslim ka sahara chhut geya
Lut geya wa hasrata darul khilafat lut geya
Shahr kuchh tun tunia hua taraj sitam hae hae
Sar nagun turki ki shaukat ka alam hae hae
Ho gai taslis kabiz millate tauhid par
Ah keya bijli giri hai gulshane umid par
Kufr ke tufa me iman ka bera ghér geya
Abrue Millate baiza par pani phir geya
Dushmano ne milke luta ishware Islam ko
Kardia betaj ada ne sare islam ko
Khel bedinon ka ba dine hanifa ho geya
Ho ke ham palla muslim ka khalifa ho geya
Wof zillat aur ek Azad Shah hansa ko
Ah yeon tauhin ho sultan Alijah ko

Moulvi Ibrahim of Darbhanga

If you work at spinning wheels - We would be able to drive away our enemies sooner whom we wish we could.

In view of the Hateachar and oppressions at the Punjab and pluner of our houses, it is the time for us to free ourselves.

----

stand on your own feet. This is the time for you to stand up, to display bravery and to be soldiers. It is a matter of utter shame that India should become coward. The English who came here only the other day should say that "Are the people of India men?" while they are themselves monkeys. My sons it is the time to show courage.

Sd/-
Syed Mozafferuddin
R.S.I.
Laheriasarai

10-2-22, 9.20 a.m. to 10.25 a.m.

Moulvi Mohiuddin Saheb

The following verses were recited by him

Marhaba ai jan nisare mulk milat marhaba
Ruh o jane kaum murda marhaba ruhi fida
Muddaton se kan the mushtak jis awaz ke
Le mubarak sun voh paighame asiri ageya
Shauk se ja ja ke akr abad is wirane ko tu
Jisko zinat de chuke hain aulia o ambia
Kaid me ja ja ke is jins se gira maya'ko dhundh
Nakd azadi ka le a kaid khane se pita
Jins azadi ka talib kaid se darta nahin
Jan sara ne muhabat maut se darte nahin
Aishoae nur jeba ishe kashana ban
Shama Khud bujh jaegi uth aur pare parwana ban
Tere dil men hai jo laelae haqiqat ki talash
Misle majnun iska diwana ho aur diwana ban
Thokren dunya ko khelwaegi teri be khudi
Mast paimana alast uth laghzishe mastana ban
Jalwae dildar beshak dekhna dushwar hai
Ai nigahe hasrat afza khun ka paiwana ban
Jo mitane wale hain tere vo khud mit jaenge
Teri thokar se sare magrur takkar khaange
(voice of Insha-alah)

Muhammadans besides it is not the first instance, rather the Government has always made us fight each other and thus cut our throat.

The Government is not so afraid of any instrument as with the present unity among us. The Government is doing his best to make us disunite. Mr.Lord Northklif talked to me at Bombay "that it is very difficult to gain Swaraj but I am ready to consider the demand of the Khilafat." But for the Khilafat Swaraj is essential, as he who will bestow Khilafat can withdraw it, therefore to achieve Swaraj is highly essential. The Hindu brethren should understand that untill Khilafat is gained, Swaraj is impossible --- that in the same way as the Moslims of that place have been enslaved by the military help of this place, our heads will be crushed preparing soldier from that place, and so to achieve both Swaraj and the Khilafat is essential. Now the time for speech is gone. The war is to begin in two or three days. You should not understand that your lementations (.......) have gone away for nothing rather your leaders have spread a sensation (activity) throughout the whole Moslim world. The Moslims have got a fire in their hearts which would consume the whole world when enflamed, if they do not try to save themselves.

Bi Amman (mother of Ali Brothers)

I cherish no care for Muhammad nor anxiety for Shaukat. They are the creation of God, they know and God knows (I leave them on the mercy of God) I have an anxiety for you all. It is a very critical time. Wealth is to command respect in the world but in the next your faith. I hope both of you Hindus and Muhammadans. Both of you are my two eyes. You must also obey such a mother. Be both of you so united as milk and sugar. I consider, Muhammadans, Hindus, Christians, Jews every one as my brother. But this treachrous nation of the English has never been with anybody nor would ever be. The whole Indians should unite together and Non- co-operate with them altogether. These English become friends for their own motives. Be united together perfectly. Unless you are thoroughly united you would be able to do nothing. The Muhammadans ruled this country but they did not commit opressions. They never took away anything from this country. Grain was never sold at the rate of 3 seers a rupee. Whatever the produce was at that time they enjoyed it together in this country. I do not wish ill of the English, they are also a creation of God. May God bestow on them kingdoms but our country is ruined (distress) now, our holy places have been --- plundered away. The English are a handful and you are 32 crores, you can do every thing --- No -- when the enemy is killed by sweets what is the use of administering poison. Be soldiers, go and take admissions in the Khilafats (committees). What is Swaraj --- Swaraj is your kingdom. Take

The audience began to melt away and Hasan Arzoo was obliged to sit down. A set of singers wished to amuse the audience but it produced no effect. Some amount was collected at the spot. It amounted to Rs.500/- but the correct figure could not be obtained. The meeting dissolved at 12.15 p.m. then the party left for Darbhanga by 3.50 p.m. by train.

9-2-22. 1.40 p.m. to 4 p.m.

Moulvi Ibrahim

(Pointing towards B.Brijkishore who was elected as president) he said, "He is the first man who put off the yoke of the tyranical Government from his neck.

Dr.Mahmood

"Brethren ultimatum for war has already been given. Fighting is not far (long to wait) now. On the 12th instant fighting for the Moslim freedom is to come of. Are you not ready to commence preparation in Darbhanga just as your Mahatma (Gandhi) is to begin in Bardauli. There can be no such salvation as to sacrifice our lives for the freedom of our country. We must pray God for our success in this examination. You have won the .... Swaraj -- you will say that the English are yet in India how could we win the Swaraj? --- Yes, a foreign nation has only two means to govern a country --- the one is justice, and the other fear of jail and awe, but truthfulness and justice have already left the English. Everybody is aware of the oppressions done by the Government upto date. The other is that India is not afraid of the jail now i.e. both the ways are lost. It is our great fortune that the English did not grant us Swaraj yet and now the time is nearing when we would have the Swaraj by our own might rendering the English helpless. The next two months are the time of our last (final) examination. Try to achieve success in this. You must prepare yourself to undergo the greatest distress (repressions). Now the time is to come when --- Air-Ships, Bullets and Cannons would be on your head. You must be prepared if for the freedom's sake of your country and religion the blood of some thousands (...........) is to be shed. Every effort should be applied for the success in the examination which is to commence at Bardauli from the 12th instant.

By means of this Non-co-operation it is an ordinary thing to win Swaraj rather we would give a successful instrument to achieve freedom to all the depressed nations of Asia. You must understand that you are not fighting for the freedom of yourself alone but for all the depressed of the world. The Government is on the effort to disunite the Hindus and the

other gentlemen too who have helped the cause. I wish **they may also** become like Bhola Babu and Moin. The money has been showered like the drops of rain on Bi Amman. A iady offered 1600/- to Bi Amman by selling her property. It is praise worthy. Females in India love their ornament but innumerable ornaments have been presented by the females here. The females were pouring down like anything and the old mother had to remain awake the whole night.

I hope Bhola Babu would carry out his works with great zeal than ever and set an example to others. The first instalment of 50 lacs has not yet been collected. Turks always served the religion and country with the lives - who possess the holy places can not compete the Turks. Brethren the present question is not only a religious one but it is the question of Asia. Khilafat is for Swaraj and Swaraj for Khilafat. Both are equally important for the .... of one another. Such has been said by the All India Congress. If you not help your Hindu brethren then you would not be able to help us. The sword of Turk is killing our enemy. The bravery of Turk is known everywhere and every effort is being made by the enemies to wipe them off. Already their population ratios 16 to 6 i.e. they are 16%. You should help them so that they may be able to guard your holy place for ever. If the Turks lose their cause then the Muhammadans of India would be responsible for it. I would appeal to Hindu brethren also. If you wish to attain Swaraj, your freedom, freedom of Egypt, Arabia, Baghdad, Busra are as necessary for us as Swaraj. Persia and Afghanistan are thank God, free states but their perpetual freedom, freedom of all places is absolutely necessary. It would therefore a.... to you that Swaraj. Swaraj is as necessary for the Khilafat as the Khilafat for Swaraj. I therefore thank the citizens on behalf of the beggars (His party) party.

Subscriptions were being collected when Hasan Arzoo rose on the platform and addressed as follows:

I want to question the Muslim whether they would like to get the Baitullah back, the House of God which was built by Ibrahim. Do you with to free the tomb of the prophet and Somnath temple to be freed from the impunity of these Christians? Do you wish to safeguard your Ganga Kashi and other holy places from these tyrants (atyachari)? I presume you would reply in the affirmative. If you wish that your holy places be restored to you then there is no other ...... except by helping the Ghazi, Mustafa Kamal Pasha, whose sword is ringing in Europe. His brave followers are sacrificing their lives, wealth and property, can you sacrifice your wealth. I am an ordinary man and a foreigner to the place; I want to auction an article woud any one come out who would offer the highest bid.

being exhausted. At that very moment Omar the great was reading khutba at the Juma prayer and felt drowsiness. He dreamt that the Almighty ordained him to go to the graveyard and pay certain amount out of the Govt treasury to a man who may be found sleeping over there. He left the prayer and went to the graveyard with the required money. There he searched for the man but could find no other except the musician whom he disliked. He returned to the mosque and he again felt the same sensation, and saw that he was again ordained to approach the musician to always pay him certain amount out of his treasury as God had taken liking for the man. Omar the great then complied with the order. So you must remember that the man who earnestly believes in God gets anything he desires. Since you have been created by that Almighty He would provide you with your necessaries. Beg of Him as I begged and you will get. He has given me strength in this old age and am working for Him. God may bring you to the right path. I forgot to tell you one thing. It is about the Angora Fund. Angora Fund subscription should not be stopped till the Khilafat question is settled, and till Ghazi Mustafa Kamal Pasha returns his sword to his scabbard. If you will stop subscribing, where would the Turks get money. They require money for amunition, widows and destitute children. Govt treasury even does not pay anything to the flatterers and title holders why will Govt pay these Turks and why would the Turks accept. It is your Khilafat and your work. It is due your duty to help the cause and your Hindu brethren are ready to help you. Those who drew an income of Rs.10/- a month should spend Rs.9/- on them and pay Re.1/- towards Angora Fund. Pay whatever you have at present and alway pay.

Here it was announced that volunteers should be sent round to collect subscription and that the public should pay them. Rs7486/11/3 was presented to Bi Amman and 3251/- to be paid to her at Darbhanga which had been sent there before hand. Rs.2000/- was said to have been sent to the District Congress Committee, thus the total amount collected from Samastipore subdivision uptodate exclusive of Gold and silver ornament amounted to 12737/11/3.

Sayid Ahmad

Yesterday we came to beg of you in Samastipore. I tried my best to solve it and at last came to know that the town originally was called Sarmastpore. Sar mast means a man who truns mad through the love of God.

So have you shown yourself to be Sarmast by your devotion to the religious cause and the hospitality to Bi Amman. I thank Deva Narain Singh. The devotion of the public here is not a forced one. Sec 144 C.P.C. is not applied here but it is the love of that Almighty which prevails here. Satya Narain Singh, Bhola Babu and Moin Sahib are worthy of .... There are

you take your meals every day regardless of the starving children. You are passing your life in disgrace. You are slaves. When would you overthrow your slavery and disgrace? I ask my brothers and children what are you thinking over. I wish to remind the Muhammadans regarding the life of prophet. Did your prophet any kingdom. How did he spread Islam. He used to eat bread made of barley, he used to wear the kurta made of blanket. The prophet passed his life on gunny bags. It was thus the Islam was spread. It is strange you are afraid of jail. You are not soldier like. You ought to become soldiers. You won't break your bangles in jail nor would your nose ring come off nor your hairs would be disarranged. These are the things for the females and not for the soldiers. What to say of you people I do not think, the sweepers and chamars of the country would like to be mentioned as cowards by historians nor would anyone like to be called beimman or traitors. You should unite together and work. You should cement your unity. Be courageous. I tell you too made of flour are even stronger than one. Two are two and one is one after all. We are a few on the stage and if you all wish to take off our clothes it would not be difficult task for you to do nor would we have courage to resist you. Why are you afraid of a handful of men. I do not want to say anything more. It is my desire to see how many of you are ready to enlist as volunteers. I want to see the number of both the communities. Both are like my two eyes. The Jews Parsis and Christians (Indians) are like my brother. A word to a gentleman and whip to a noble horse are sufficient. Become manlike and soldier (As her voice could not reach far off Sayid Ahmad explained to the audience what was meant by Bi Amman and added that the second appeal lay with the moderate class, on account of whom the Swaraj was delayed. Malaviya was the head of that class. The aims and objects of these moderates are to obtain something from the Govt to hush up the movement and to maintain their titles. The mother of Shaukat Ali warns them that they should not remain under delusion of the European Light and they should also become free).

"You are labouring under misapprehension that if you would leave your service you would not be able to maintain yourselves, consider you may be dependent on any one but your God is the monarch of all. God will provide for your wants. The man who trusts in God can not starve. I quote an incident - there happened to be a man who knew no art except playing at his flute. He was serving a well-to-do man. It was in the reign of Omar the great, who hated such luxuries. The man under whom the musician served died and nobody cared to see the man play at his flute. Consequently the musician went to a graveyard and there he began playing at his flute saying that since nobody liked to hear him he would play his flute before the Almighty. He played so hard that he got tired and slept in the graveyard

Bi Amman (Abadi Begum)

My Hindu Muhammadan brethren and children - what have you been listening just now and since how long are you listening this story. You might have heard lengthy speeches before this. I am an old woman and illiterate too. In my time Quoran was regarded to be the highest education for female. I can not deliver any speeches. I ask you what effect have these speeches produced on you. You have been hearing these speeches for the last one month. Do you wish to do something or not? If you are ready for it let me see how many of you are ready to become volunteer. When I will (see) you in large number I shall be much pleased. (Here about 1000 men stood up and showed their readiness to become volunteers) Now I address the Khan Babadur brethren as they are also Muhammadans. They should also join the volunteer corps. (Sayid Ahmad brother of Dr.Mahmood explained the audience and Bi Amman continued).

Let the Khan Bahadur also side the religion. They should leave the friendship of these Nabakars. These (British) are "Farebi, Jalsaz, Beiman Makkar" Our forefathers rightly told that this is a European network. Do not enmesh yourselves in it. Do not think they would help you and do anything for you. What they did with the wife of King Zafar who had given them enormous wealth? They did nothing. Remember my words and after my death you will experience this. The British are not the men who would oblige you in return of your good work. They are selfish and time server. After they have taken works out of you they would tell you are worthless creature as you played false to your religion and your brethren and you could not be trusted. They would reward you for your services in this way and put the iron ring (Tauq) round your neck. They have said and done so before this. They care for their own interest. Brethren therefore it is time for practical work. Stand on your own legs and acquire the strength to remain firm on your own legs. They say Indians are worthless and that you can do nothing. You should show them that Indians are something. The path which has been framed by your leaders for you should be traversed. If you won't follow their advice then you would rub your hands like a fly and repent for ever. You have given your kingdom through your neglect. You have committed two blunders. The first was done by giving your kingdom to foreign rulers and the 2nd one you committed in 1857. If you had unity at the time when the troops had gone against them at the introduction of greased cartridges they would not have been seen in India today. The Indians gave India to them by their own actions and now you are undergoing punishment that out of 54,50 are starving and 4 take their proper meals. The men who cause the deprivation of food of others commit great sin, and the abbettors are likewise. The wealthy do not care for the poor. It is disgraceful

Karun se puchhie vo khajana kidhar gea
Hatim se puchhie vo sakhavat kaha gai
Lakho Hasin kunj lehad me sama gae
Vo naz kya hua vo nazakat kaha gai
Ale Nabi par Zulm kia keyon Yajid ne
Zalim ke panch roz ki naubat kaha gai
Shaddad ruh siah tu jahanum me keon gea
Kaisi Khudai thi teri jinnat kaha gai."

Dear brethren, it is not the time for duplicity. I have already told this in my speeches at Partabgunj, P.S. Bhagalpur. Those who want to join as they should join the movement and those who want to remain aloof they should remain where they are. We require the right persons. Some of our brethren profess to be non-co-operator when they are amongst us and go to lick the feet of Govt officials at the same time. If you do not have any regard for your religion and country then go away. We do not care them. The Almighty would create a nation which would help us. Why are we lacking behind in doing our duty on the occasion of the visit of Bi Amman! We should die of shame. In the early period of Islam no lectures were delivered. Only important matters were explained once and the Muhammadans regarded to be their bounded duty to carry out. It is a pity that we are not doing our duty by adopting the full programme of Non-co-operation movement for which not only one but several hundreds of our leader are in jail, nor are we culturing the soul force. I hear litigation is still prevalent in Samastipore. A gentleman told me personally that Swaraj which was promised by 31st December has not been given. I told him that our promise was justified but so long the public did not change the course and become true non-cooperator they were enlarging the gulf of separation between themselves and the Swaraj. If you do not boycott courts and establish Punchayats to settle your disputes, you should die of shame. Murtaza Husain Deobandi who is my teacher told me that he had been to Karachi Jail and there he heard that all employees of the jail had promised to set Ali Brothers free at the risk of their service etc but the Ali Brotehers refused comply with their request and said that they had not been imprisoned for any criminal offences relating to property or persons etc and that they would leave the jail ward when their Swaraj brethren would come to take them out of jail. You should be ashamed that your leader and Ali Brothers are in jail and you are sitting idle in your home. Establish Punchayatis and boycott courts. These courts have made the Govt proud. I step now as Bi Amman will speak now and give you instructions. Listen to her patiently and act up to her advice.

to test his Almighty. The non-Muslim again insisted and wanted to see the power and presence of that Omnipotent. The Muhammadan then addressed his God "Almagis O Ya Elahi" In a second the dead body of the Muhammadan whose head had been severed a few minutes before became alive, snatched away the sword from the hands of the non-Muslim and killed him. What was this power. It was not the strength of arms, guns, arrows etc. It was the soul force. The present movement is a religious one. Try with your soul and heart to spread it. You should preach the doctrine of God whether you find in your way thorns, oceans or the Govt. We should remove everything from your way. However weak you may appear you would be succesful if you would use your soul force. We have had such instances - in a battle 60 Muhammadans went to fight with 60,000. This is a historical fact. Actually 30 went to face the large army of 60,000 and they were victorious. Why were they victorious? You have not understood the cause of their success. It was their soul force. Hindu brethren don't you remember Kumar Singh of your province. If you were not traitors and faithless to him otherwise he would have cleaned away his enemies. Rajputs and Babhans are Bahadurs - When their Bahaduri would be of any use to them? Why don't they come forward and enlist themselves as volunteers. Muhammadans should also enlist themselves as "Mujahiddin" and cause their names to be written in the registers of that Almighty. Are you afraid that your brethren have been shot down at places? Do you reckon the power of that Almighty lesser than the worldly power? What do you know of His strength. All the powers are like an ant before that Almighty. I tell you we would oppose the oppressors and prove the power of that Almighty by bringing them down to their knees. We have to show our strength but that Almighty does not require it. How was Firaun killed in a second. This king declared himself to be "God". He was drowned in river Nile and buried in the mud. Give out fears from your hearts. Become bold and fear none but God. I tell you all sorts of oppressors how left this stage for ever. And that other oppressors would also die and ruined. Oppressors rather die soon. You should become ready and enlist yourselves as volunteers. You should lay your lives in the way of God and not for your personal benefit. I remember a poetry...

"Ai malikana takht wo doulat kaha gai,
Vo nam kya hua vo hukumat kya hui.
Kahti thi ro ke kabra Sikandar par bekasi
Vo dab daba vo shan vo shaukat kaha gai
Dara ka Khun kar ke Sikandar ne kya kia
Lalach kia tha jiska vo doulat kaha gai

and sufferings. We should not fear jail and govt oppressions. If the blood of your forefathers is running through your veins, you would prove worthy sons of your forefathers by remaining staunch and fearless. If you have no bangles on your hand like women you would accept that challenge of the Govt which has been thrown over us to test our love for our religion and country. The Govt have declared the volunteer corps unlawful. You should tell the Govt. to regard it in whatever light they like but that you would become "Qoumi Khidmatgar" Tell them you would go to jail and possess it in this way. If you would hold jails in this way that would turn out to be the temple of Swaraj. I therefore with this appeal finish my lecture.

Moulvi Abdul Wahab of Bilaspore

He read an Ayaet from Quran and explained it as follows:

The Almighty ordains that the man who neglected his orders would be ruined and that his life would be made miserable and that he would be blind on the day of ressurrection. The man would then pray Him to tell the cause of his blindness, he would be replied when they oppressed you and ruined your Islam you were blind and did not mind for your religion and therefore you have been made blind. It would therefore appear that it is not the time for you to sit idle and those who do so are committing a sin and are worthless. To Hindus I can not say much as I am not fully conversant with their religion but I ask them was there any man more pious and religious than Ram Chandra ji. When He was oppressed by Rawan what he did. He took Ram Lakhshman (His brother) with Him and took up arms to fight with Rawan. Musalman brethren I would quote another example for your guidance. It relates to Abu Bakr Siddique. Abu Bakr was the most kind and good natured man. After the death of the prophet a party sprang up who interfered with the religion and forbade people to pay Zakaat (2.5 percent per annum to be paid to beggars or the near relatives who stood in need of it. Abu Bakr Siddique then had to draw out the sword against them. The above two examples I have quoted in order to prove that is is not the time for silence but it is the time for coming out in the field (battle). But the mode of your fight is quite a different one. This has been laid out by the eminent leaders and it teac Sari taslim kham jo mizaje year me aye" My head is bowed down before you do whatever you like with it. My dear brethren you should strengthen your Islam and your soul force and you would see that no power could match you. I quote another incident. There were two followers of the Prophet. They fell into the hands of non-Muslims (Kaffirs). One was killed by the non-Muslims and the other was at the point of being slaughtered. The non-Muslims asked the Muhammadans to call his God to come for his help. The Muhammadan asked his opponent to kill him and not

who may be prepared to go to jail, bear all hardships of fetters and handcuffs, bullet etc. etc, on the other hand it is also the order of the Congress that the volunteers in reply should not raise their hands in defence nor should use any of their body even they should not open their mouth even. It also require that every volunteer should use khaddar from head to foot. Here I would say, not only the volunteers but every Indian should use Khaddar and leave foreign cloth. The foreign cloth polutes the soul, impurity should be removed at once. This foreign cloth, irreligious thing, has destroyed our soul force and given an immense power to our enemies with the result that they have become proud of their power. This foreign cloth has given them the riches through which they are trying to enslave all the inhabitants of the world. This very foreign cloth was responsible for the Jallianwala Bagh and other affairs. I ask you, why the British Government is carrying every sort of ..... oppression, is it not your duty to withdraw you ..... such Government? Therefore you should boycott foreign cloth and regard it to be Haram, socially and religiously. It should be your first duty to use khaddar, charkhas and handlooms. It is therefore the duty of volunteer, nay of every Indian to use khaddar, charkhas and handlooms. If you would do so there would be an eternal one for us and we would ..... of the palatial buildings of Lancashire and ..... pride of the Europeans, which they have attained ..... sale of foreign cloth, would fall down. Their .... be over and they would have to bow down at you .... would therefore appeal to you to leave this for........ you wish that Jallianwala Bagh may not occur again ...... wish that the tomb of your Prophet may not be .... your other holy places occupied,if you wish ..... sisters may not be outraged and like atrocities ..... committed here and elsewhere. You should give up this foreign cloth and remove their impurity ..... feel my throat is dry and I cannot speak longer..... was offered to him and he continued again). The ..... to you is regarding your enlistment as volunteer .... Association and Volunteer Corps have been declar...... by the Bihar Government. You should disregard ...... rather we should not care for such oppressive....... You should join this Qaumi Sewak Dal, which has ...... by the Central Khilafat Committee as well as by .... Indian Congress. You know what you are required ... enlist yourself as volunteers. Government report ..... writing that I am inciting you to become volunteer .... punishment of such an act would be imprisonment .... not care. It is not the first occasion that I ...... people to become volunteers under the new .... have done .... you are afraid of jail. I would tell you that you should regard jail as Heaven and the sound of shackles should be regarded music you count free India without such sacrifices. Jail is nothing for us. We rather, get heaven through jail. Gibbet is also an ordinary thing. Those who love the almighty care little for such things and endure all sorts of hardships

misfortune that have befallen the Indians especially on Muhammadans are due to our neglect. If you had followed the principles laid down by your leaders and ulemas, which you have heard several thousands time, you would not have suffered. It is needless to narrate the stories of oppression by the Government and if any impression has been left on your mind then you would set on work at once. If you possess an atone of soul force manliness, patriotism and courage then you would at once begin travelling on the high road which has been paved by the eminent leaders. The road is before you and it is for you to travel on it. I would touch 2 points at present. You must be aware that the present of every Indian is the life of a warfare. The Government and public are fighting with each other. It is not the war of rifles, guns, shells and other warfare materials. These things are relied on by the materialists. Our warfare is the warfare of peace and our arms consist of soul force. This soul force of ours, when fully acquired would destroy the power of materialists. All rifles, bombs, shells, guns, aeroplanes, gun powder etc etc. would become extinct against our soul force. You should now become ready with your soul force. If your soul force is weak, make up the deficiency. You know it well that your soul force is far stronger than the strength of the oppressive Government whose strings of oppressions extend far off. Those who believe in God and possess soul force can bear all hardships and atrocities with perfect calmness and could conquer India, nay the whole world in no time. If you have read history you would have noticed similar examples in it. Look to Imam Husain, he finished the last stage of his soul force in the battle field of Karbala. His head was seen on spears. If you think over it then you find:

The murder of Husain, in fact is the death of Yazid, as the Islam revives after every battle field of Karbala. If you would hold on your soul force till your death and prove thereby that you were the oppressed then you would set an example of another Karbala by putting your necks to the halter placed by the Government. I therefore wish to impress on you that atrocities after atrocities are being committed. The recent one is the declaration of volunteers corps as unlawful. As I have explained above it is the time of warfare and we are required to recruit our soldiers for carrying out our propaganda work as quietly as possible. Such volunteers or soldiers should acquire soul force to such an extent that they be ready to undergo all sort of hardships regardless of the prevailent laws of the Government. I have already enlisted myself in the volunteers corps and I appeal every Hindu and Muslim to become volunteer. Before signing the pledge you should be prepared to go to jail and put your neck in the noose of the halter. The All India Congress which is the best representative of India, has laid down certain conditions for the enlistment. The volunteers should be of that class

Another boy sang the well known song "Bharat janani teri jai, teri jai ho, composed by Baba Khalil Dass. Thereafter another song "Boli Amman Muhammad Ali ki, jan beta Khilafat par deo do" was sung but is was stopped by the mother of Shaukat Ali saying that it was not the time for singing such songs but it was the time for earnest working.

Babu Girwar Prasad

Brethren, last year, when Mahatma Gandhi paid a visit to this town Shaukat Ali was with him. You might have seen him then. Today he is in jail and his mother has come to this place on her tour. She is 73 years old and her energy is worth envying. It would be useless to remind you about the Ali Brothers as you all know them very well. There is not any creek or coner where the name of Ali Brothers is not known. You know it as well the work for which they are undergoing imprisonment. Their mother has taken up the cause on her shoulders and I hope you all would listen her patiently and act up to the advice given and not go to your houses straight away and sit idle. The object of hearing lectures does not end as soon as you leave the meeting but you are required to work according to the instructions which are given to you. Before Bi Amman say something, Hasan Arzoo and one or two more speakers would address, which please listen. Last night thousands of women visited Bi Amman and she remained awake imparting instructions to them. We should take a lesson from her. She is too old for bearing this fatigue and exposure yet look to her courage and zeal with which she is working.

Hasan Arzoo

Mr.President, Bi Amman and my dear brethren. Before I express my thoughts and explain to you the object of our gathering here I want to tell you one or two things. Just as you have been instructed by Babu Girwardhar it is not the time of shouting Allah o Akbar, Jiakara and show your effervesence in this way. The meetings are not to be regarded as a theatre or a place of amusement. You should not take it in that light. In fact the time of delivering and hearing lectures has gone by. Before Indians a path has been laid open by the leaders and it cannot be traversed by hearing lectures alone. When you will travel on that road then you could call yourself to be Indians and the true sons of the motherland. You should open the ears of your heart and listen to what would be said to you. You should remove all the impunities from your heart and begin to work earnestly. I again tell you that you should not regard our arrival like a farce and recreation and if you do so then you would be most unfortunate men. If your sympathy with us turns into any practical time then we regard ourselves to be very fortunate. All the

Copy forwarded to the Chief Secretary to the Government of Bihar and Orissa for information in continuation of this office Memo.No.1748 S.B. dated the 10th February 1922.

Deputy Inspector-General of Police,
C.I.D., Bihar and Orissa.

Proceeding of the meeting held at Samastipur on the 8th February 1922.

At 10.20 a.m. the mother of Shaukat Ali arrived in the Pandal and she was received under a great ovation. There were 10,000 men present, majority of them being Muhammadans. Many persons from distant villages had arrived on the 7th instant and the others were pouring down by morning trains.

The meeting was opened by reciting a verse from the Alquran and one B.Basant Lal was proposed to the chair unanimously.

B.Basant Lal, thanked the audience for his election and said that he could not refuse to offer although he thought he was unfit for the position. He requested the audience to hear Bi Amman patiently and to act accordingly.

Two boys aged 8 and 10 years sang the following song:

Sar pit ke kahta hai ehi Muslime Mazlum,
Saiade Masum, Bedino ne ghar bar hai Muslim ka ujara .
wa hasrato darda, Ai Sher e Khuda bahare Hasano o ......
ao dushman se chhurao, Islam ke pahli se na Shaukat ....
na sharbat ek dam hai buri gat, bedino ke hatho se
gai Khilafat luti kismat meri futi. Ai Saiyade Asrar
hai ek etera sahara kara rahm khudara, Ai kahar e
Elahi tu inhe pis de ek bar jitne ke hai kuffar ai
Fazale Khuda tu dare maksood ko vakar hajat ko rava
kar, Har bar par ab hathkari pehnate hai hamko kuchh
boojh na gham ko, Aah Hukm hai ada ka zaban ko bhi na
kholo kuch munh se na bolo bezurm kie hamie
Mazhab ko giraftar aur dete hai azar, dekhlaie ada
ko zaman vo karb bala ka ai Saiade Vala. Be hurmati
bani vo haram ki ho majamat ie khab ie gafalat afsos
ki mouka hai ehi rone ki ja hai mat puchhie kea hai.

Look at Bi Amman, how carefully she has come.
How (nice) looks her sari made of khaddar, her kurta (jacket), bag and the sheet over her person.
How she gives us to drink the lovely heavenly juice of non-co-operation.
Look at...
How she (looks) swadeshi in body and mind, plain in action and transparent in happiness.
No shoes in her legs and how peaceful is her abode.
Look at....
How dignified and proud is the mother and how she has sacrificed herself for India.
This goddess is for the destruction of the Demons, how the great enemy of demons she is.
Look at....
How (great) are her 2 sons, how fair is Shaukat and how happy is Muhammad, now happily that are passing their days in jail.
Look at....
How she has come to communicate to us the message of India, and to awaken us. She is the mother of the brave and the ocean of bravery.

"Bhramar"

Read by: Sri Chaturbhuj Singh.
Sunday the 8th Shukla Mag 1978.
Radha Press - Bhagalpur City.

No. 2077 S.B.
874-X-22

Office of the Deputy Inspector-General of Police, C.I.D.,
Bihar & Orissa
PATNA P.O.

The 17th February 1922

Reports of meetings held in Darbhanga district on the 8th, 9th and 10th February 1922.

No. 1844 S.B.
L-18-22

Office of the Deputy Inspector-General of Police, C.I.D.,
Bihar & Orissa
PATNA P.O.

The 13th Februray 1922

From
R.S.F.Macrae, Esquire, C.I.E., C.B.E.
Deputy Inspector-General of Police, C.I.D., Bihar & Orissa

To,
The Chief Secretary to the
Government of Bihar and Orissa

Sir,

I have the honour to submit for the information of Government a copy of a leaflet entitled "Bande Mataram" alongwith its translation prepared in this office. The poem appears to have been sung at a meeting held at Bhagalpur in honour of Bi Amman, the mother of Ali Brothers. The passage marked obviously refers to British Government and as such objectionable; but it is a question whether it should be proscribed now that the mischief has already been done.

I have the honour to be,

Sir,

Your most obedient servant,

Deputy Inspector-General of Police
C.I.D., Bihar and Orissa

Translation

"BANDE MATARAM"

Read over in the general meeting at Bhagalpur (Shahjangi)
The bright sight of Bi Amman.

We have been hearing lecture, but we have not prepared ourselves for the last stage. When I hear that Bardoli and Champaran are fully prepared to adopt civil disobedience, I am greatly disappointed to see that Gaya has not prepared itself for same. In the face of Gandhi's order only five men of this district have gone to jail and the others are leading their usual life. If you are unable to do anything else then at least work charkhas and wear khaddar. I have read in papers that the Marwaris of Calcutta who promised not to buy foreign cloth have again sent indents for same and foreign cloth worth lakhs of rupees is coming to India. You should all preach Swadeshi and should always prefer khaddar even if it is sold at one rupee per yard over the foreign cloth which you may get at two annas per yard. Simple and ordinary good of one's house is much better than the rich fishes of others' house. If we shall wear foreign cloth and shall not arrange for country cloth, we are worse than animals. You have got Mahatma Gandhi amidst you to advise, whom you will have to admit as an incarnation of God. If you will not hear him and do what he says, then there will be many instances like Jalianwala Bagh, and you will go on seeing the outrages of your womenfolk.

We ought to fall at the feet of Bi Amman and be ready to shed our blood, what to speak of money. It is our duty to help her. She is not asking money for her own use as if she is doing so, it would be great sin. We tried our best to stop liquor and liquor shops but it is being sold as usual. Our volunteers would take up picketting again so that the last order of Mahatma Gandhi may not go unreplied.

Matuk Prasad

He thanked the President and Bi Amman and her party for the trouble she had taken to come to Gaya. .

The President announced that he had paid Rupees fifty towards Angora Fund and requested others to make some promise, but the response to this request was a very poor one.

The meeting dissolved at 9 p.m.

Sd/-
Gul Muhammad
Sub-Inspector of Police
C.I.D., 6.2.22.

keenest interest in the matter. You have not shown sympathy fully and money has not been subscribed sufficiently. If the Muhammadans subscribe 20,000/- the Hindu ought to have given 40,000/- at least, because the Muhammadans are numerically less and are poorer than the Hindus. Therefore the Hindus ought to increase this sum so that Muhammadans may not say that the Hindus did not help them. Those who have money with them ought to give now and those who have got no money with them should make a promise so that their total sum may increase that sum subscribed by the Muhammdans. (Then subscriptions were called for).

Dr.Mahmood's brother

He said that Gaya is a holy town whose pilgrims from all parts of India, China and Japan come to seek for salvation as this is a holy place. We along with Bi Amma have come here as a beggar to beg of you for the sake of country and religion, and we thank you heartily for the response you have made for our requests, and I hope other cities and towns will follow your example. You have given us 15,000/- but if you try a little, I am sure, your district is able to give us one lakh. In the Arrah Conference many persons showed what is Hindu and Moslem unity. When I first came to Bihar I was taking exception to the language of this province. When anyone in our side speaks he says "hemara" (I in the first person) but in this province the addressing person says "ham". When I think over the meaning I would say that we are wrong as the word "hamara" contains pride whereas the word "ham" shows "unity" as the letters H and M of which it is composed represent Hindu and Muhammadan. Therefore I hope what was done in the Arrah conference you would do likewise.

President Rai Hari Prasad Lal

Gentlemen, after what Bi Amman has said it is not desirable for you that after leaving the meeting you should put aside what you have heard. Mahatma Gandhi, Shaukat Ali and Muhammad Ali came here and you have heard their speeches, but it is a pity that you have not acted accordingly to their advice. Charkhas have not been sufficiently introduced and thread has not been spun in sufficient quantities. The National Congress can only work with your strength. The Congress cannot come and introduce Charkhas in your houses, but you have to give effect to the injunctions of the Congress and to work accordingly. At present khaddar is not sufficient to clothe all and if people would undertake to work charkha vigorously, and prepare thread then this difficulty can be overcome.

Our leaders have come here, but we are not prepared to meet them in the way that it should be.

what has been said and whether it has produced any effect on your hearts. What for you invited the old venerable mother? who is a vivid proof of firm faith and her family has undergone much sufferings. Now she is making a tour so that we may take a lesson from her. She has come here to enjoin you to keep unity and to give subscription for Angora Fund and to ask you to take example from her sons Shaukat Ali and Muhammad Ali. If you have learnt this lesson then I pray for you hundred times, otherwise our time was merely wasted.

Lalji Sahai

President of the Gaya District Congress Committee President, Bi Amman and brethren.

After hearing the speech of Bi Amman, it is out of my ability to speak any more. All of you have heard Bi Amman's speech and if you act according to what she said, I hope you will attain Swaraj without which we cannot help Angora Fund and without which we cannot get rid of slavery.

You are well aware that her two sons Shaukat Ali and Muhammad Ali are in jail. To live under the existing conditions is more miserable than to remain in jail. 5 men only were arrested and then the gates of jail were shut against us.

Mahatma Gandhi has been made your Director in the Ahmadabad Congress and whatever he says you to do you should act accordingly, and we cannot only make Bi Amman cheerful until we can get Muhammad Ali, Shaukat Ali and other leaders released from jail. But they cannot get out of it until we get Swaraj, to get which is our first duty. The way of getting them out of jail is that the whole of India should throw itself into jail, so that the officials who are not worthy of dusting the feet of our leaders may become tired of us. If this is done, no more of our leaders or any one of us would be thrust into jail. Therefore in order to get all these privileges you should try to get Swaraj.

Those who have come here dressed in foreign clothes should get rid of them and should wear always khaddar. Where charkhas have not been introduced, they should try to introduce same broadcast. What Bi Amman has told you I hope you will consider over it and act accordingly and I am sure you will prosper. Sufficient money has not been collected in Gaya. Though Warasat has told you much about it, yet a paltry sum of 20,000/- is not sufficient for a district to subscribe which has a population of 22 lacs. At least one lac ought to have been collected. Had our brethren imposed subscriptions at the rate of one anna per head it would have given 1.5 lacs of rupees. I want to say to my Hindu brethren that you have joined hands with the Muhammadans to help them in the Khilafat so you ought to take the

the mother. If there is any strength in the country and nation, then this severe law, which is touching to all our rights, can be repealed, but you ought to strike against it in a manly way. It will be your duty to break such severe laws if Government enacted them and to enroll yourself in the Volunteer Corps. Follow Qazi Ahmad Husain and your other comrades have gone to jail and you should also follow suit.

Another appeal of the mother is to give subscription towards Angora Funds. According to the existing conditions, the Muhammadans are leading a miserable life and under such circumstances, Jehad bocomes imperative. There are two kinds of Jehad - First is "Mali Jehad", i.e. Jehad with money, then is "Jani Jehad" i.e. bodily Jehad. According to Koran you are to sacrifice the dearest thing and in these days money is dearer than life as according to a proverb.

i.e. if you ask life, I have no hesitation to give, but if you ask for money, it is a matter of consideration. Therefore it is the duty of every Indian to sacrifice the dearest thing, i.e., money in the path of God. May not the time come when along with money you may have to sacrifice your life; but if the time came then every individual Indian should be ready to make the sacrifice. When you are ready to make the second kind of sacrifice, which according to the Koran comes in the second place, then why not make sacrifice which rank first. Therefore it is the appeal of my mother that if you want to lead a life of honour then subscribe towards Angora Fund in which both Hindus and Muhammadans should take part alike, as it is connected with our right of freedom. If the Turks remained free, the Indians would have no chance to see the scenes of Jallianwalabagh, but God forbid, if the Turks were defeated, then the Government would have a strong hold over you, and Jallianwalabagh scenes would be displayed in every part of India. If you want that such thing may not occur, then it is your duty to prove yourself true. Therefore I shall appeal both to the Hindus and Muhammadans that they should not take religious feelings into account and should help in the Angora Fund with money as it incorporates the undivided honour of both.

Maulana Sajjad Husain:

More than hour ago since the proceedings of this meeting commenced and the time is drawing near when the old mother would break up the meeting. Before you leave this place I want to ask you what lesson you have derived by your coming here and what for you came here. I told you the object of the meeting at the outset. If you came here solely with the object of hearing speeches then I would say it is very unfortunate. Have you heard,

Hindu brethren have lent you their helping hand. There is no Khilafat, there is no Khalifa. There is no money with the Turks, who are fighting not only for Khilafat but for you also. What face would you show to your prophet after death? So to protect Islam you should subscribe and go on doing so till Khilafat is regained. Every one who is getting Re.10/- should pay at least Re.1/- or what he can according to his means. Give something now and go on subscribing afterwards. If you will spare your money and lives, you would be much ashamed before God.

There are two things in the world, good and evil. If you will perform good deeds, your names will ever be remembered and if you will commit evil deeds, you will always be remembered in bad names. Therefore do not be like women, but take up courage and subscribe towards Angora Fund open-heartedly.

Warasat Husain:

Dear brethren, I received charge of the Angora Fund from Qazi Ahmad Husain on the 1st November 1921. While he was amidst us he as well as other gentlemen of the town like Kheruddin Muhammad Rafiz, Abnabi Mukhtar and some gentlemen of the Mufassal like Hakim Muhammad Omar, Muhammad Shorb, helped in the course. The money that has been received by me up to the 30th January in addition to what has been remitted direct to the Central Khilafat Committee or the Provincial Khilafat Committee, is Rs.15,225/- which I present to Bi Amman who has honoured us with her visit. In addition to the above amount Rs.100/- was presented by the Jehanabad Khilafat Committee and Rs.256/- was collected in the meeting of ladies held today.

Maulvi Idris:

When Rs.256/- was collected in the women's meeting, I hope that double or more than that would be collected at this meeting. He read a form the purport of which is -

Get up males and females of the country and be prepared to go to jail.

It is not better to live under slavery as if you want the delight of life, then you should go to jail.

Hasan Arzu (again)

The venerable mother has appealed to you for two things. One is within the limit of law and the other is to enroll in the Volunteer Corps which has been declared unlawful by the Government. The crime, which my two friends have just now committed, I again commit, though I have enrolled myself as a volunteer already, and I strongly support the appeal of

seers a rupee. Those who are getting higher pay can have their meals easily, but those who get 10 or 15 rupees a month, can hardly afford one meal a day. Swaraj depends entirely on your labour and wisdom and if you will endure little hardship, Swaraj itself will come to you. God helps those who help themselves. When you will work God will help you. Khilafat cannot be saved without Swaraj and Swaraj cannot be attained without Khilafat. Therefore it is necessary both for Hindus and Muhammadans to unite to gain their ends. If you would not attain Swaraj your condition would be worse than a slave. Our ship is drowning and you have the power to bring it ashore. You are 32 crores in numbers and a few lacs of people cannot do anything in front of you, but you have not got those measures, which the Government possess, but if you work peacefully, those arms can be of no use. You are men. You are not wearing bangles which would break in jail. You should do the same as your brethren have done. O Muhammadans get up, and do not retract your pace. Do not take rest and do not forget everything when you go home.

Government had adopted the habit of committing thefts. Whenever they came to arrest they came in the later part of night at about 2 or 3 a.m. I told those who were 14 in number, what was the use of doing in that way. Had they sent a constable with instructions for us to proceed to such and such jail we would have obeyed these orders without murmur and would have gone to that particular jail. When we have stepped out to work for the country and the nation, we are not afraid of going to jail. My sons have not committed any theft or dacoity, they are working for the country and if the Government will order them to sit or to go they will surely obey. Had they been thief, they would have fled away. You should fear God and there is no need to fear the Government. God has control over the lives of you and your relatives you should only fear him, Government are men like you, so why should you be afraid of them. Your rulers are not your countrymen, but they belong to Europe, and if you will cease co-operating with them, they cannot stay on for a day in this country. This is the time for you to work and not to show your cowardice. No one can kill you unless it is ordained by God. If you will trust in God, no one can kill you. If you will go on doing your work patiently, trusting in God, he will help you.

Hindu-Moslem unity and to give up liquor etc. are highly necessary for the attainment of Swaraj. The latter is the root of all evils. If you want to non-co-operate with the Government you will have to cease selling and drinking liquor. Unless Swaraj is attained poverty cannot be exterminated.

I want to say to the Muhammadans about Khilafat. What is Khilafat and what the Muhammadans ought to do for it? If you want to protect your religion then work hard and do not lose this fortunate opportunity when your

Jehad is of two kinds..... (Here the speaker was cut short as it began to rain and the gathering became much noisy).

Maulavi Idris sang a poem "Babu Darogwaji" in order to pacify the crowd.

A printed copy of the leaflet is attached herewith.

Bi Amman

My dear brethren and sons, all Hindus, Muhammadans, Parsis or Jews who are of age equal to me are my brother and those who are equal in ages with my sons Shaukat Ali or Muhammad Ali or younger then they are my sons.

Our leaders have been sent and are being sent to jail and I am afraid lest M.Gandhi who has not been touched up till now, may not be arrested and you may miss your best adviser. If you have any regard for the Mahatmaji and his sayings and also for other leaders, you will go on doing the work in same zeal, with which you have been hitherto doing, and I have sanguine hope that you will try your utmost. Swaraj it not the fruit of a tree, which can be plucked; it is not a morsel of food which can be swallowed. You gave your country into the trap of the enemies. Had you not done so, and had you acted courageously, then these traders would not have become your king. When you made them your king, you came to know of their doings. The necklace of curse (lanat ka tauk) which adorns your neck should be broken. Let byegone be byegone, I am afraid if M.Gandhi is snatched away from our midst, Hindus and Muhammadans may not work wisely, make use of their wisdom badly and slacken their courage, and may commit such a blunder, for which they may have to suffer. You will have to work patiently. You all admit God, who created you. You are the sons of one Adam so you should remain as your brothers and work patiently. You will have to work and not merely talk. Are you the Indians not willing to serve the country are you not willing to enroll yourselves as volunteers. If you will not enrol, then wherefrom would you bring Volunteers? Unless you work hard, you cannot get peace. You should volunteer boldly. Is there any one willing to stand up (none stood up but all replied yes). No work can be done by mere words but with deeds. I am yet alive and shall see how many responded to the call. There is nothing to be afraid of. Don't be afraid of any one else except God. This is not the time to show timidity and cowardice. The time of deceiving us has passed. We were deceived in many ways. The biggest deceipt was that they put Hindus against Muhammadans and created disunity among the two communities. This is not the time for you to be deceived again. You lost your country and it is the time now to regain it. So take hold of the hands of your brethren. Grain is being sold at the rate of 3

looked upon as an eye-sore by the Government. We only want to have the following grievances redressed:

(1) Khilafat wrongs,
(2) Punjab atrocities,
(3) Swaraj

There is no use in holding meetings, but every one should work for the common cause sincerely. Even if one man, who is willing ot work honestly and earnestly for the common cause comes forward and works, is much better than even hundreds, who are against it. We have been exorting the public for the six months past to leave foreign cloth and to use Khaddar, but it seems it has had very little effect. This foreign cloth is the reflection of our poverty and miseries and if you want the welfare of your country then always wear country made cloth. When I cast a glance around I see very few men in pure Khaddar and a large number of men wearing foreign cloth. If I ask you what harm the country made cloth does you, I am sure you have no reason to offer. By your wearing country made cloth, you are doing duties to yourself and to your country as the salvation of you and your country lies in this. India is a country which produced men like Harish Chandra and Prahlad, who never left truth, and you are the sons of the same motherland and you should try to prove so.

One year has passed, but India has not got Swaraj. Swaraj is not a fruit that one can pluck from a tree or can be bought from the market of Ahmedabad Congress. Swaraj is with you. How many of you have fulfilled the Non-co-operation programme, how many left liquor, how many have left bidding for liquor shops. Many said that they would never bid for licenses of liquor shops. Many said they would never indent for foreign cloth, but I am sorry to say, most of them have broken their promises and violated the pledge. Unless you correct your faith you cannot get Swaraj. If you will correct your faith, the very day Swaraj will be at your doors. I appeal to you to enroll yourselves in the Volunteers Corps. This is the very class of men from whom we cannot get work when we shall get Swaraj. This Qaumi Sevak Dal would work when the Civil Disobedience is adopted.

Hasan Arzu:

Mr.President, Hindu and Muhammadan brethren, the object for which this holy meeting is being held and the aim which has dragged you to this pure meeting is to lay before you the critical juncture in which India is involved at present. The period which is passing is that of doing Jehad, but

declared by the 31st December, but that date had passed and Swaraj had not been declared. Is Swaraj a thing which Mahatma would have given you out of his pocket? Swaraj was not with Mahatma Gandhi, but it was with you and in your hearts. This is a soul force that you ought to have ascquired. If you determine and be ready just now in a body, you can get Swaraj before day break. If you will fulfil the conditions set before you in his non-co-operation programme, you are sure to get freedom and Swaraj. Therefore, I request that all men of and above the age of 18 years get themselves enrolled as Volunteers, and also to fulfil the conditions of the pledge sincerely; that is the condition set forth by the National Congress. If you do all this, then the ways to freedom and Swaraj would be cleared of all obstacles. In order to get India free and to help Islam, it is inçumbent on every one to do so. Money has been collected for Swaraj Fund, but men are badly wanted. I want to get a response to this call from the men present here, who are willing to have themselves enrolled as Volunteers should give their names (None replied).

Maulavi Bashirul Haqq:

Gentlemen, the crime that Maulavi Abdul Bari has committed, I also stand up to commit same, and I request you all to have yourselves enrolled as Volunteers as soon as possible. If you want to defeat the Government and to obtain freedom for India, then you should break the law of repression that the Government passed on the 10th December, as it is the desire of your National Congress that you should join as Volunteers. I have to come to know that in a speech Mr.Macpherson has said that the Volunteers do zulum. I say that had he been in Gaya on the 3rd January and had he seen the affairs, I would have asked him there who were doing zulum - Volunteers or his men. Let we be fixed upon with machine guns or we are pierced through with spears, we shall not retaliate even with a stone. We have pledged to be non-violent and shall remain so. I say to the students, that when Maulana Abul Kalam Azad had addressed a meeting here at this very place he exorted them to leave schools and colleges and to join the national propaganda, but there are still hundreds of students in the schools and colleges. Many of them have come here to see Bi Amman, but many of them are still learning in the Government Schools in utter disregards of the injunctions of the Fatwa. We are doing what we can. Those who want to remain as slaves for ever or have no disregard for the dishonour of the females as has been done in the Punjab, let them remain so. If we want to pass our lives with honour and respect, then we cannot do so under the present Government. Though we are not prepared to do anything, yet wherever our Volunteers go, they are

2. O inhabitants of Jail, I pray for you and I congratulate you. Your fetters smell like the dress of Joseph and the Khaddar adorns your body handsomely.

The chains of the Jail of hardship say that your own labour will free you (from these chains).

By going to jail, you left the troubles of the world, and won the pleasures of the after-death.

You are the only persons who will make slaves free and the improvement will turn out beneficial after all.

Those who are giving you trouble for no fault of yours will not be able to show you your faces.

Abdul Bari -

Bi Amman, President and brothers -

I want to say what has been entrusted to me that is I stand up before you to adopt Civil Disobedience in respect of Criminal Law Amendment Act Sec 17(1) in other words I stand up to appeal to you to enroll yourselves as volunteers. This is not a new thing. Brethren, your leaders have appealed to you for same and you have accepted same in order to go to jail. You have responded to the call in order to secure freedom, which we want. Freedom is such a thing in order to attain which you will have to give the dearest thing which you possess. Dear friends, this demand is being made of you for the last one year and a half. Who is present here who is not willing and ready to free his country from the bondage of slavery. O Muhammadans, we are heaving sighs, but your feet never move; even if your feet move, they do not move sincerely. If you want to free Mecca and Holy Places from the hands of infidels, then muster up courage in your minds and make your determination strong and bear all kinds of hardship. If you read the pages of the English History you will find England secured her freedom by sacrificing the lives of her dear sons. France and Itally have done likewise, but when India with a population of 32 crores of people demands freedom, if not 32 crores, 32 lakhs even should come forward for that cause. Formerly the people considered it a great dishonour to go to jail, but now the people consider a honour in going to jail. If you will not enroll yourselves now when will you be ready? This soul force, which we have generated now, will never revive, if it died out. This is the last demand of you in order to win the spiritual war that is going on between England and India. England has set their entire force of law against our soul force; but if we possess real soul force then we shall obtain freedom not by killing but after being killed, Half of France was killed and rivers of blood flowed, only to retain their freedom. Many people say that Mahatma Gandhi had promised that Swaraj would be

Amman for which he begged to be excused, and as it was getting late it was necessary to commence with the proceedings of the meeting.

Maulavi.Bashirul Haq seconded the motion and eulogised the services of Rai Hari Prasad Lal, which he had rendered in furthering the cause of non-co-operation. He said the gentleman proposed to be the president of the meeting was more fitted for the job.

Rai Hari Prasad Lal - Dear brother, I thank you for the honour you have done me, though I consider myself not fitted for the job. As you have eulogised my services rendered in the cause of N.C.O. I thank you heartily for same also.

What is the object of today's meeting? Because Bi Amman, the mother of Ali Brothers has come here. The services, which the Ali Brothers have rendered to the country none else has done so. Not only that, what their mother told them - she told them that whether they were sent to jail or were hanged for the sake of country they should never leave that cause and not to show her their faces if they retracted from the path of righteousness, i.e. the path of God. That very mother has come here. When Mahatmaji made a tour in Bihar, Muhammad Ali also accompanied him. But he is not present now, he is in jail, and is not before .... of his mother, who sacrificed her sons in the path of God. As she has made the use of her sons in a good way, we have made a success in our aims. One who is on the right path, never fails in his object. When Harish Chandra promised to give something in the name of God to a Brahmin, the latter was never satisfied till he had taken the entire kingdom of Harish Chandra in charity. He also gave his wife and son in the name of God and sold himself to a Dom for service, but never left the truth and kept up his promise. While serving under a Dom, the son of Harish Chandra died. The mother brought the dead body of the boy to burn on pyres but Harish Chandra never allowed her to do so till he got his tax due to his master. That was true righteousness. In the same way this mother has made a sacrifice of her sons. From the day the Ali Brothers undertook the work, for a short time they were out of jail. The path the Ali Brothers has paved before us, no body else has done. Now Bi Amman would speak and I hope you would hear her patiently.

Molvie Idris sang a national poem the pruport of the song is that the mother addresses her sons and advises them and says "I shall give my life in the cause of religion, and country and my grave be dug in the jail.

"My sons have been sent to jail I shall take their cry wherever I go."

"(O My sons) never turn your faces from the path of God even if you are hanged, otherwise you will be answerable to me on the day of judgement.

O Daroga! Why...

The big gate (Jail) has now been packed with 5 men viz. Qazi Ahmad, Shanker Babu, Dass, Kishun and Bajrang.

O Daroga! Why....

At the gate of Ahmedabad every work is being done rightly. The more the charkha sounds the more the whole Kingdom (Raj) shakes.

O Daroga! Why...

Hear me O Babu, no amount of force will do now, says Idris. India has now awake from its slumber and there is a great turmoil now.

O Daroga! Why...

To be had from -- Muhammad Habib Chowk, Gaya.

Loke Sewak Press, Gaya - dated 27.1.22 -- 1000

Gaya – 3.2.22

The mother of Ali Brothers left Patna on 3.2.22 by the 6.5 a.m. train accompanied by Isa and others, and the wife of Mr.Abdul Majid Khwaja left by the Pubjab Mail for Aligarh.

She was accorded an ovation at every Railway Station en-route along the Patna-Gaya line. At Jehanabad she made a short speech and exhorted the audience to keep unity and never to be afraid of going to jail for the sake of country and religion, as the Islam was in danger. The Khilafat Committee of Jehanabad gave her 100/- subscription towards Angora Fund.

A large crowd attended the train at Gaya to receive her and shouted "Allah-o-Akbar" when the train arrived. She was taken in a car to the National School where she put up along with her party.

12/2 p.m. - A meeting of females was held in Panchaiti Akhara, where I heard she was unable to deliver any speech, as the females created a great row as they were more anxious to kiss her feet rather than to hear a speech, -- which annoyed her most. Rs.256/- were collected at this meeting.

6.45 p.m. to 9.00 p.m. - A meeting was held under Shamiana in the compound of Madrassa Anwar-ul Uloom, Gaya. About 3,500 attended. She arrived at the place of 6.45 p.m. on 3.2.22.

Maulavi Sajjad Husain in proposing Rai Hari Prasad Lal to be the president of the meeting said that every one present was aware with the object of the meeting and as there has been some delay in the arrival of Bi

The offence of Qaziji is the same as that of mine, I shall also take active part for the sake of my country.

O Daroga! Why....

I cried out to the people to use charkha and to wear khaddar and I had the shops closed during the Prince's visit.

O Daroga! Why....

I had my name enlisted as a member of the Congress after paying annas four. I tore out and burnt my former dress and dressed myself in khaddar.

O Daroga! Why...

I had my name enrolled as a volunteer of the National Volunteer Corps (Sewak Dal) today. I don't mind broomstick and basket now as this is the time to serve the country.

O Daroga! Why...

I asked people of every tola to set aside Muthia (handful of grain) and also circulated Fatwas.

I entreated pleaders with folded hands inspite of their scoldings.

O Daroga! Why...

I gave up the vices of drinking wine and smoking ganja, Gandhi Babu has wiped out the dust of my eyes now.

O Daroga! Why...

Now my duty is, to wake up early morning and offer prayers and to serve charkha and to take the price of my service from it (charkha)

O Daroga! Why...

I held meetings which opened the eyes of my brethren. Babaji arouse all the Domes of the country (from their sleep).

O Daroga! Why...

I shall now go to the Police, Army and Courts and then they shall feel ashamed seeing my Dome brethren as Volunteers.

No. 1792 S.B.
874-G-22

Office of the Deputy Inspector-General of Police,
Bihar and Orissa, Special Branch
Patna P.O.

The 11th February 1922.

From
R.S.F.Macrae, Esquire, C.I.E., C.B.E.
Deputy Inspector-General of Police, Bihar and Orissa.

To,
The Chief Secretary to the
Government of Bihar and Orissa

Sir,

In continuation of my letter No.1764 S.B. dated the 10th instant, I have the honour to forward herewith a copy of a report of a meeting held at Gaya on the 3rd February 1922 together with a copy of a translation of the song sung by Muhammad Idris.

2. Abdul Bari, Bashirul Haqq, Bi Amman, Hasan Arzoo and Muhammad Idris, who is also the author of the song referred to above, all appear to have committed offences under the Criminal Law Amendment Act.

I have the honour to be,

Sir

Your most obedient servant

Sd/-
Deputy Inspector-General of Police,
C.I.D., Bihar and Orissa.

Translation of the leaflet "DOMES BICHAR".

DOMES' DECISION

Tune: Babu Darogaji what offence....

O Daroga why don't you send me to jail.

be estigmatised with cowardice and timidity. No one Hindu or Muhammadan should take it into his head that he would be benefitted by this Government. May have seen how much benefit they have derived and many would see. I shall not be amidst you then, but the people would remember my words. They (Englishmen) are not of your religion nor do they belong to your country. To weep before a blind is to lose one's own eye sight. Bid farewell to this Government who would never hear you.

Babu Nemdhari Singh - President

You have heard the speech and advise of the old venerable mother. She has said that Hindus and Muhammadans are like her two sons Shaukat Ali and Muhammad Ali. What is your duty now? Maulvi Ali Azim has told you that if the Muhammadans are in trouble and the Hindus do not help them then what would be the result and vice versa. Its result would be disastrous. Zulum is being committed on the Muhammadan religion. Do you know what is being done in Angora, and in what sad plight the Muhammadans of that place are? Therefore the Hindus should not consider that the Muhammadans only are in trouble, but they should consider that they (Hindus) are in trouble also. If you do not render help to the Muhammadans today, then how can you expect help from them tomorrow. Therefore the Hindus and Muhammadans ought to free themselves from the bondage of slavery with their combined efforts. Unless the Muhammadans and their countries are not free, you cannot expect freedom. In order to attain that object what should be done. This old venerable mother, who has given her two sons in order to serve you who are now in jail for your cause is making a tour in India. Therefore I appeal both to Hindus and Muhammadans to sympathise with her and consider her trouble as their own. Therefore every one present in this meeting ought to subscribe towards Angora Fund whatever he has got with him, and those who have got nothing with them should go to the Congress and Khilafat office where the mother is staying and give subscription there.

The mother will only be pleased with you when she shall see not only you, but all your neighbours in khaddar. Therefore during the period of her stay in Bihar every one should endeavour to preach and introduce charkhas in every house and in every village. They should not only introduce charkhas, but get thread prepared therefrom and also get khaddar prepared by means of handlooms (Kargahs). Unless you do this you cannot be successful.

At this time the people began to collect subscriptions towards Angora Fund so a great noise ensued and the meeting close at 3.35 p.m.

you will get your reward at last. It matters little if thousands necks are to be sacrificed for the sake of country, religion and faith but only those will die who are destined to die. If the time of death is not near, Government cannot kill you, as the question of life and death is in the hands of God. Trust in God and fear only Him and no one else. Father dies in the presence of his son and vice versa, but none has the power to save one another, if his last day arrives. Only God can save and kill.

This bondage of slavery under which you are groaning is merely due to your cowardice and weakness. Had the Indians be courageous, then these traders would not have become King. Now you have seen the pleasures of their rule! You should now try to keep the respect and honour of your fore-fathers. Remember the deeds of your Prophet. What difficulties he had to face in order to spread Islam; he had to give his grandson in sacrifice. Hindus should remember the deeds of their fore-fathers and they should not stain the holy garments of Rajputs (they should not bring dishonour to them). Therefore all of you should get up on your legs and have themselves enrolled (as volunteers). Look at the wind that is blowing in India at this time. Don't sleep in carelessness you are not women, you are not wearing bangles which would break if you would work. Go to jail and take me also there. You would get food there. In going to jail you should consider that the Government has invited you. What would the historians write about you, when they would write the history of India? Your relations with one another are like the relation between "choli and daman" (you are closely connected). So unless you attain Swaraj and have your grievances about Khilafat redressed, do not take rest. Unless you unite, you cannot do anything. The existing circumstances show that you have more love for the Government than your country. Formerly grain was being sold @ 1 to 1.5 maund per rupee, but now it is being sold @ 3 seers per rupee and time will come when you would hardly get grain @ three chhataks per rupee. You have nearly lost your country, but if you will stop it now getting out of your hand, it may stop.

Hindus and Muhammadans should not quarrel with one another, as they are like my two sons Shaukat Ali and Muhammad Ali, quarrelling with one another is not good, as it has done no good to either party but on the other hands both have suffered from it.

It is rumoured that Mahatmaji will also be arrested and if he chooses to accept the invitation of Government and goes to jail, then I am affraid you may not quarrel again with one another. Unless you unite nothing can be done. You should not retrace from the path what Gandhiji has passed and other leaders have done. I have done my duty and I am still ready to sacrifice myself. May God grant you strength. May not the name of a sweeper even

You all remember a meeting was held this very place on the 19th December at which it was resolved to congratulate Shah Muhammad Zubair and other leaders, who have gone to jail. At that time I said that if you have any true love or regard for your leaders, it should not be shown by mere words or by shouting "Jai" and those congratulations would be fully responded if 10,000 people of Monghyr are taken to wear Khaddar within the next five days. I reiterate that resolution today that in honour of the visit that our old venerable mother has paid to us, you will spend your next ten days, the period she is in Bihar, in exhorting the public to introduce charkhas in the town and as well as in the Mofassil and within these ten days all the inhabitants of the district take to wear khaddar. When a large majority of Monghyr would be seen in khaddar, it would be ample proof that you have fully respected and regarded the old mother. If you want to show true love and regard to the mother of Ali Brothers then act according to what I have said and there should be none in the district in foreign cloth.

Now I want to bring my speech to a close as the mother has to attend the "feminine meeting". I only spoke at your request.

Bi Amman

My dear brothers and sons. If you would not be annoyed then I may say a few words. At this critical juncture, it is very essential to do two things; one to stand up on your legs on the principles that have been repeated to you many times. If you really love your country as I think you surely do, then stand up on your legs, if not all, one-fourth at least should stand up and have your names enrolled, otherwise it is useless to hear my talk. This is the time to work and if you will not give way to slackness our work would be done. If you showed slackness, then India would drown. Hindus and Muhammadans to me are like my two sons, Shaukat Ali and Muhammad Ali, but I do not care for my sons (Ali Brothers). I only care for Khilafat, Islam, my country and Swaraj. I have already given my two sons for the sake of country for the past 7 years, and I do not care for those who are in my house in the face of this dire necessity of the country. God would keep alive those whom He wishes. Do you want to retain your country or like to pass your days in slavery. This is the time to work and you should get up. No one says you to fight but to work and if you are sent to jail while you are serving your country, you should not care for same. What is jail? It is a pucca building, it is not of iron that you would be crushed, it is not a hell that you would be burnt, but it is a house and if you will go there, there is no harm, but on the other hand you will have the road to Swaraj. A labourer works for the whole day and gets wages in the evening and if you will work,

those countries in the same way as they are doing for India. Money is collected in order to help the Turkish countries, as, if those countries were enslaved, then India would never be free for the four centuries to come. As your money and Indian army has brought under subjugation Mesopotamia and other countries, in the same way their money and army would keep you under slavery. At that time if the Police or other Government servants left Government services, the Government would not mind, as they would be able to manage India with the aid of those countries. Considering all these facts, the Indian National Congress has also said that unless Mesopotamia and other countries are free Indian can never be free. Therefore those countries can never be free, as long as the power of India is in their hands. As regards Baitul Moqaddas, Lord Allenbay said that it was conquered with the Indian army of whom nearly two-third were Muhammadans and also Mesopotamia, Palestine etc. were conquered with the help of Indian army. If you want that those countries alongwith Persia be free, then the freedom of India should be first attained. As long as India cannot be free, Khilafat cannot be free. It should be the duty of every Muhammadan that unless India is free, he should not sit still, and it should be duty of every Hindu that unless the countries around India are free, he should not take rest. The real thing is Hindu-Moslem unity and as long as these two communities were against one another, a third nation derived its advantage. As soon as unity between the Hindus and Muhammadans is broken, the strength of the Government will increase. The Muhammadans are thinking that when Swaraj is attained, there would be a Hindu Rule and they would be nowhere as they are in minority in India. If the 7 crore of Muhammadans cannot save themselves from the Hindus who are in majority, then it is better for them to die. This idea in their heads is the result of slavery and English Education. When the Muhammadans first came into India, how many they were in number. It would be only seven or eight thousands. When they could save themselves at that time, why should they not be able to do so now. The same condition is of our Hindu brethren, who think that when Swaraj is attained the Muhammadans would injure them. If the 22 crores of Hindus cannot save themselves from the 7 crores of Muhammadans, it is better for them to die. This is the result of slavery and English Education, that the Hindus and Muhammadans consider that they are unable to save and protect themselves from one another, unless there be in India one lac of Englishmen - neither the Hindus nor the Muhammadans can free themselves by themselves unless they unite, and work vigorously the non-co-operation propaganda. As long as disunity exists between the two communities, they cannot gain strength, but if as soon as there is true unity between the two, they can attain Swaraj the very moment.

and it mattered little if her relatives were killed. The deeds of those females have become mere tales, but the presence of this old venerable mother revives the old stories. During the crusades when the Muhammadans and the Christians were fighting near Damascus, the Muhammadans were nearly going to suffer a defeat when a woman who had already lost her husband stepped in and recited a war song (Rajz) saying that "O Muhammadans take vengeance of your martyr brethren; the Christians would be defeated. Go on attacking." On hearing this the Muhammadans got spirit, attacked and conquered the fort. The fort of zulum and injustice of the British Government which is in our sight will only be destroyed by the Hindu-Moslem unity. The appeal of this venerable mother is not only to collect funds for Angora, but is an appeal to the Hindus and Muhammadans to keep unity. By collecting funds for Angora does not only means to strengthen the power of Ghazi Mustafa Kamal Pasha and to free the Muhammadan powers, but it is a hidden secret of Hindu-Moslem unity. 32 crores of Indians are slaves of a few lacs Englishmen whose power is not based upon social, religious or spiritual laws, but is maintained by Army. As long as they have army it is difficult to attain freedom. Therefore in order to get freedom, it is essential that we should get Swaraj as soon as possible in this splendid atmosphere, otherwise you will lose this golden opportunity. This Government is being carried on in India by means of Army, Police and Government servants, but time will come when men of the Army and Police and other Government servants leaving their services for the sake of their religion would join us and at that time they would have no Indian helpers. Do you think that they want to possess Constantinople, Mesopotamia, Palestine and other Turkish possessions for the sake of grain or money? No. They do not want to possess those countries for that purpose as India affords sufficient grain and money. The British Government is very anxious to take possession of those countries in spite of suffering losses because they consider that India is getting a sort of hot bed for them, as the Indians have come to know that the system of Government is very bad and they cannot expect any help from the Indians. They are trying to take possession of other countries in order to keep you under subjugation and to snatch your freedom with the aid of the army raised in those countries. The Egypt is trying to get independence, but is not getting it. Lord Curzon had said what would be sowed in Egypt, it would be reaped in India. Therefore, it is necessary that the countries i.e. Mesopotamia, Palestine, Egypt, Constantinople should be independent, as without their independence India cannot get freedom. Therefore we all want the independence of those countries as it comprises of our selfishness in it, as unless they are free, Indian cannot be free. If the 32 crores of Indians want freedom, they ought to try for the independence of

the latter course over the former. They are now in the Karachi Jail. They committed no crime, they did not abduct the wife or daughter of any Englishman. If any crime they committed was what every Indian who has some regard for his country or religion has either committed or is prepared to commit. In any case this old venerable mother after sacrificing her comfort and also her sons, has come out to sacrifice herself for the sake of the country and religion. The British Government (whom I do not consider my Government) has committed sin in the Islamic land. They have left no stone unturned to efface Islam from the world and to annihilate the Islamic powers. To some extent this British Government has been successful, but nature has still kept a hidden secret, which lies in the existence of Angora Government and Ghazi Mustafa Kamal Pasha. This is not the time to take rest for the Muhammadans particularly and for others generally. The existence of Mustafa Kamal Pasha is very essential for Islam and for the freedom of India. That power of Islam (Angora Government) has no money. Therefore it is the duty of every Indian to help Kamal Pasha with money even sacrificing his other wants in order to help Islam and to get freedom of India. I therefore would appeal to you that it is your imperative duty to help and subscribe in the Angora Fund in order to upkeep the freedom of Turks and of Indians as well.

All Azim

The object of this meeting is not to hear and deliver speeches, but the main object of this meeting is that the inhabitants of Monghyr should hear from the lips of their old venerable mother what are their duties and what should they do, but before that I want to draw your attention to a few things. In the history of Islam, after the Badr War, there was Ahd War. The special features of the latter were that along with the males, females were also taking part in the field. Many Kuresh leaders were killed in the war, therefore in order to have a vengeance, war of Ahd was waged in which there were many females. That time was in a way a sort of examination. The males had nearly lost their courage, but merely on account of Aisha and other females the battle was won. When the men were nearly to run away and the opposite party charged very severely, a woman Umalakara by name came in and suffered all blows on herself and was killed in the action and thus saved the situation. Another female was told by enemies that her father, husband, brother and son had been killed, but she took no notice of same and simply asked whether the Prophet was alive. She was told by the enemies that the Prophet even had been killed. On hearing this she left her house and did not take breath until she saw the Prophet alive with her own eyes, and on seeing the Prophet she uttered that by his existence everything can be done

resolution is put before him unanimously, he should be ready and prepared to act on it without any fear of Government and Government servants. You have read and heard the resolution which the Indian National Congress passed at Ahmedabad and now time has come to act on it. The spiritual war which broke out and was going on between the foreign rulers and the Indians two year ago, is now spreading over a vast battlefield. In order to carry on this social, religious and spiritual war, it is necessary that we should have sufficient number of soldiers. You might have heard that the Government of Bihar and Orissa like the other Governments of India have declared our Qaumi Sewak Dal or Volunteer Corps, with which we can carry on our work, unlawful. This place (Monghyr) could not be spared from the severe law of Government and our brethren Shah Muhammad Zubair and his comrades in spite of this severe law, organised Volunteer Corps and on account of this fault were sent to jail. The Government considers it a crime, let it be granted for a moment, but the Government and Government servants should bear in mind the crime which Shah Muhammad Zubair and *his comrades have committed, other 32 crores of Indians are ready and* prepared to commit. They are ready to commit the same crime, which my brother has committed and has stepped in heaven (gone to jail). The Volunteer Corps has been declared unlawful. If you have any regard for your country and want to break the bondage of slavery then there is no other better way to do this than to kick off the severe laws that have been enacted by the Government or his servants. Let them send you to jail, let them adopt other repressive measures, but you should go on enrolling yourselves as Volunteers in the Volunteer Corps after fulfilling the conditions set forth by the Indian National Congress and signing the pledge. It will also be your duty to fill jail, and to try to take possession of the hidden treasure of Government (to overcome these severe laws), which is the only way to get Swaraj. If you will throw yourself in jail, armed with the social, religious and spiritual power, then you will take possesion of the fort of the Indian freedom.

The other thing which I would say would be full of religious feelings. It would be a sort of examination of the people of this place and its neighbourhood whether how many of them are ready to sacrifice themselves for their country and religion and know the value of serving one another. My old venerable mother in this old age leaving all her comforts has come here in the guise of a begger to beg of you by laying before you her most difficult object. This was not the age in which she would have stirred out of her house, but she should have passed her days in her house comfortably and her sons would have been around to serve her. But they were compelled to leave serving their mother for the sake of their country and religion and preferred

The Proceeding of a meeting held at Monghyr on the 6th February 1922

A meeting was held in the compound of the Monghyr National School on the 6th February 1922, where a shamiana had been erected for the purpose. Bi Amman and her party arrived in the meeting at 2.5 p.m. amidst shouts of "Allah-o-Akbar", "Bharat Mata ki Jai", "Gandhiji ki Jia", and "Shaukat Ali Muhammad Ali ki Jai". Many men from Jamalpur also attended. About 3 to 4 thousand in all attended the meeting.

Maulavi Abdur Rahim read verses from the Koran, and then read "khutba" wishing success of the Khalifa, Ghazi Mustafa Kamal Pasha, Gandhi and Shaukat Ali and Muhammad Ali.

Maulvi Ali Azim in proposing Bubu Nemdhari Singh eulogized his services which he had rendered in the cause of non-co-operation movement. He said that in the district of Monghyr, there were not only Shah Zubair and Sri Krishna (now in jail) of whom the district could be proud of, but there was Nemdhari Babu also, who had given his life, energy and money for the sake of non-cooperation. He therefore hoped that if Nemdhari was proposed to be the President of the meeting, the people would accept his proposal.

3 boys then sang a national song which was in pure Bhasha.

Ram Prasad sang a song "Sachchi Bharat ki chhatrani" mainly admiring the work that was being carried on by the mother of Ali Brothers - a copy of the song is attached herewith written in Hindi.

Nawab volunteer sang a national poem:

After he had sang the first verse, he at once said "Yah Naukarshahi i.e. these Government servants".

Hasan Arzu of Phulwari

My dear venerable mother, President, Hindu and Muhammadans brethren.

For the last two years you have been hearing and reading the miseries of the Indian and what is the duty of every Indian towards his country and nation, and now I do not think there is any necessity to repeat those things again and again, by delivering speeches. I therefore do not want to waste your time by a lengthy speech, but I shall only say what is your duty you owe to this old venerable mother.

Now the Indians and India have made much progress in respect of their life and work, and it should be the duty of every Indian that whatever

You know that there are 35 or 36 patriots in Bhagalpur jail. These men had a desire to see Bi Amman in the jail. I also regarded it to be a good opportunity and this morning went to jail with Bi Amman to see our brethren, Zubair, Shri Krishna Sinha, Kalika Singh Kuar of Gidhaur. Bi Amman accompanied me and the party reached in the birth place of Shri Krishna, Jail, at 6.30 a.m. There a blanket was spread and we all awaited that our dear brethren would come and see us. You will be surprised to hear that after some interval, which was spent in sending chits to the Superintendent of Jail and getting replies thereto, Col.Masson, the Jail Superintendent passed an order allowing interview to all outsiders except Bi Amman. What you think we did. It was the best opportunity to show our patience. We shook hand with the Jailor and informed him that not one of us had come to interview the political prisoners. You must remember that these things happen in order to maintain Law and Order. It is said there is general permission to see the political prisoners. Whatever the reply now the Superintendent of Jail would give, would be quite correct as everything depends on his discretion. However good legislation be framed in the Councils yet the discretion is left in the hands of the officials. Do you think we can get Swaraj by the means of these Councils. We can see our brethren in jail next week, but they will not be able to see Bi Amman. This is a small story. Now this meeting is going to be dissolved but before it breaks off and volunteers begin collections I put this small phial of dust for auction. It is more valuable than the pearls and diamonds and I hope every countryman would offer highest bid. This phial contains the earth of Jalianwala Bagh which has been saturated with the blood of 1500 brothers and sisters. Jagdhar had brought this with him.

Mr.Dip offered 50.- his wife Rs.100/-, Puran 125/-. Then there was lull. Mr.Dip remarked that the volunteers willingly to sign the pledge which binds them down soul and heart, yet it was a pity they were not coming forward to purchase the phial. He wanted to see how far the people were ready to sacrifice their wealth. He again offered Rs.150/- another gentleman made 160/- and this was Puran Mall Dhandhaina. The phial was sold to him at Rs.175/-.

At 3.50 p.m. the meeting dissolved and collection were made on all the gates as well as on the dias. Correct amount has not yet been known. About 1,000/- was collected at the spot.

Muhammadans have double gain. Paradise is open for them. Jehad is the religious duty of Muhammadans, but there are different ways of Jehad. There is a Jehad by giving life, men and money. It has been admitted by all and no one can recommend the Jehad by means of arms, rather according to Hindu doctrines it is sinful to use any weapon against an enemy even. I cannot therefore advise that sort of Jehad but they can equally earn the same reward by sacrificing their wealth. You should bear a little hardship on you by the way of parting your savings and thus help your brethren. You get Heaven by doing this small sacrifice. Non-Muslim also equally earn the reward by helping the men in need. I therefore appeal to you to put as much as you can, in the bag kept for Angora.

There are collectors on each and every gate. Those who want to pay inside they can come forward or they can pay at the gates. It is rather disgraceful that Bhagalpur has not contributed much. We thank Bi Amman for the zeal with which she has taken up the cause of the country in her old age in place of her 2 sons and we wish her every success. Rs.3,000/- has been collected in this district towards the Angora Fund and this amount we place at her disposal as a Nazar. I hope Bhagalpur would contribute more and shall always help the country.

Bi Amman:

I donot care a fig for the imprisonment of my 2 children. As you know very well, when they were interned at Chhindwara and the Government intended to set them at their liberty provided they signed a pledge that they would not take any part in the Political Movement, then I asked my sons as to what they intended to do. I also informed them that if they signed any such pledge which would go against their religion and Khilafat then I would discard them. Both of them remained staunch and informed the Government that they would not sign any document which would bind them to do anything against their religion and conscience. Today their imprisonment is much appreciated by me, I am rather proud of them. I do not care if their lives are sacrficed for the cause of Khilafat, country and the religion. God may protect the Islam and bring you out successful in your campaign. I am quite prepared to sarcrifice every child of my family for the cause of Islam and the country.

Mr.Dip Narayan Singh:

Dear brethren I am sorry we could not entertain Bi Amman as we wished to do, however, you have honoured her with your soul and hearts and as far as you could do. Here I want to tell you one thing more. Listen! Today it is Sunday, a day on which you could see your friends and relatives in jail.

she has taken up the causes of the country which her 2 brave sons were carrying out before.

Another thing in which I find you lacking is this that wherever I go I hear the people shouting Jais of Mahatma Gandhi, Shaukat Ali and Muhammad Ali. These Jais do not please these leaders in jail. You can only please them in jail by taking up the cause they were advocating before their imprisonment. If you wish to convey the message of your love to the leaders, if you sympathise with them, then promise and assure Bi Amman that if her lions are in a cage there are thousands of the true sons of the motherland to replace them. You should take a vow that you would not use foreign cloth. Assure her that the citizens of Bhagalpur will wear pure khadi hemceforth. Assure her that you belong to the volunteer's board, not 100 or 200 of you but thousands in number. Tell her that you are prepared to sacrifice your everything for the sake of your religion and country. When such messages from you would reach the ears of her children then they would be pleased that you were doing your duty. But alas I find you love show and processions and shout jais when a leader arrives. The real work of non-co-operation and the Congress i.e. the use of charkha and khadi is less attended to. Therefore show your sympathy by your deeds and not merely by words and thus please the 2 lions who are in jail.

There is another thing for you i.e. subscription towards Angora Fund. You know what is Angora Fund. The time for the repetition of these things has gone by. The attainment of Swaraj chiefly depends on the unity of Hindus and Musalmans. Hindus and Muhammadans should live like two brothers of the same mother. Today the religion of our Muhammadans brethren is in great peril. You know that on the Government's promises thousands of Muhammadans fought with their co-religionists in the German War. What were the promises of the British Govt.?" That the religious places of Muhammadans would not be interferred with, that there would be no danger to their religion. That their holy places would not be touched and that the Khilafat would remain with the Sultan of Turkey. Today for the protection of the Khilafat and the sacred places Ghazi Mustafa Kamal Pasha is fighting in Angora. For this fund I appeal Muhammadans and particularly Hindus. Hindus regard Muhammadans as their brother but I demand the proof of their brotherhood. When the religion of your Muhammadans brother is in danger and if you would not help them in their diffculty then no brotherhood exists. Brethren remember today Muhammadan's religion is in peril, one day your Hindu religion could also fall into it. This is the opportunity to show your love and sympathy. We should prove our brotherly feelings by our acts. The religion of Muhammadans is hanging in the balance and we should help them with our heart, soul and money. The

cause in order to secure his discharge and save his honour. Look today to the jails of the country. There you find Chittaranjan Dass, Moti Lal Nehru, Jawahar Lal Nehru, Lala Lajpat Rai etc. In our Province our leaders like M.Muhammad Shafi, Khurshed Hasnain, Zubair etc. are there. Are they sitting in their homes through fear of fine. No it is for the sake of the country that they have embraced the jail regarding it to be the gate of heaven. Besides them, those people who have launched in the field of non-co-operation movement, none in the country is such who does not desire - "Sarfaroshi ki tamanna ab hamare dil men hai - Dekhna hai aur kitna zor bazo-i-qatil men hai". 'Now I have the desire to sell my life and I want to see how strong is the arm of my murderer. The time has come when the people have no fear of jail and I hope the Indians would exterminate the fear of bullets from murder. This is the non-co-operation. Now you should see how far soul force has been acquired by you. It is for you to see and measure it. You should compare the state of the country which was 6 months before than the state of the present time. Our progress is not a discouraging one. We should only mark out our shortcomings and weaknesses. We should fill up all the gaps. We should well consider our position. Our progress is not an ordinary one. I hope there would not be a single Indian who would hesitate to make himself perfect and act up to the advise of Bi Amman. What are the weaknesses and shortcomings here. When I cast a glance I find my district lacking in many things. In other districts and provinces there are places where all the public are seen dressed in pure khadi. You know about Indra Das, Bezwada and Bardoli. There are all dressed in khadi. In Punjab too 60, 70% are dressing themselves in khadi. Now if we cast a glance in the Bihar Province, then we shall have to admit that we have not taken to swadeshi yet. You should bear in mind that the people of places, where there is no swadeshi movement, have no right to question the Mahatma as to why Swaraj promised to them by 31st December has not been given. Your state is like a patient who refuses to take medicine and yet insists why he has not been cured. 2 days ago I happened to pass through Shahkund P.S. in this district. This P.S. is in Sadar Subdivision. To tell you the truth I am much pleased to find out that 3 to 4 thousands of charkhas are at work and marked progress has been made. The state there is very hopeful and encouraging. In a small place like Shahkund it is very encouraging to find so many charkhas and handlooms at work. A grog shop has been converted into Gandhi Ashram. Volunteers are being enlisted and the work is being done with very great satisfaction. I wish the whole Bhagalpur District may become like Shahkund. I congratulate M.Atiq Ahmad in this meeting for his success in his undertaking. This is one object of the visit of Bi Amman. Another is that

Bihar Province. I am much pleased to hear about her work and I wish her every success and courage. If there be but a few courageous men the success is theirs. I wish that you all may remain happy and come out successful in your undertakings.

Hindu and Muslim brethren and children you ought to look to the condition of the country and act accordingly. Now the time is such that if you would neglect your work you would lose your cause. I am thinking over the question and it has near puzzled me. It is in respect of the arrest of Mahatma Gandhi. I do not foresee what you would do after his arrest which I understand would shortly happen. At that time you will require great courage and strength of unity. You will have to follow the leaders who have paved a road for you. You will have to follow the footsteps of your leaders who are in jail as well as of the Mahatma remaining strictly non-violent. This is the time for work and not of sleeping. God may help you and direct you. Unite together. Swaraj is not a fruit of any tree which you could pluck. You will get it by your united efforts. You should sacrifice your wealth and lives for Swaraj and Khilafat.

Here, there was a great noise and she stopped for a while. Mr.Dip Narayan got up and requested the audience to hear her but it produced a little effect. When Mr.Dip saw that she would not be heard at a distance he requested her to allow him to explain her thought to the audience. With her permission Mr.Dip Narayan Singh Addressed as follows:

My dear brethren it is the good fortune of our city that the mother of Shaukat Ali (Bi Amman) has come here. She has come here to give you some directions and you ought to listen her patiently, not to listen her only but to act accordingly. Brethren Bi Amman says now the time of making speeches is over and it is the time for practical work. It is not necessary now to tell you what is Swaraj and what is non-co-operation. She hopes that the message has already reached in each and every village of Bihar Province. Now is the time to work.

If you will look to the works done by you during the past year you would find out what progress you have made and what is wanted. We should weigh our deeds and find out the shortcomings and try to fill the gaps of our programme. This is the only thing to be done. Brethren it is not for me to tell you about the progress you have made. You yourselves feel it and can see it. A year before if there were such a large gathering you would only have found 5 or 10 persons wearing Swaraj caps. Perhaps there would not have been more than 5 or 10 dressed in pure khaddar from head to foot. But today I rejoice to see so many persons dressed in pure khaddar. Brethren you know it well that a year before if anyone was fined with Rs.10/- by any court he used to go to the Barristers and Pleaders and requested them to plead his

The mother of Muhammad Ali arrived at the Idgah at 2.35 p.m. and the meeting was opened by singing national songs. Atiq Ahmad of Shah Kund P.S.District Bhagalpur, Ramnarain and Azhar were the singers. The songs were very pathetic and effected very much. Some people were sobbing.

Amongst the prominent men were:

1. Mr.Dip Narayan Singh
2. Mrs.Dip Narayan Singh
3. Mr.Abdul Majid Khan, Bar-at-Law
4. M.Jamaluddin Khan,
5. Muhammad Ahsan an ex.Sub-Dy.Magistrate
6. Abdul-Aziz Khan
7. Babu Jagadhar Prasad
8. Babu Murlidhar Shroff
9. Ali Azim Khan, Pleader
10. Basant Babu
11. Hasan Arzoo
12. Brother of Dr.Mahmud
13. Mahadeo Potedar
14. Agha Meharban Khan
15. Haji Muhammad Qasim
16. Head Master of the National School.

There wre some 10,000 men present. National songs were sung till 3.5 p.m. Then Mr.Jamaluddin Khan, read out an address on behalf of the citizens of Bhagalpur welcoming the mother of Shaukat Ali. The address was printed on Bhagalpur Tussar cloth and silver fringe was put round. Printed copies were distributed at first and subsequently sold at -/-/6 each and the sum collected was to be credited to the Angora Fund

3.15 p.m. The mother of Shaukat Ali said:

"You have honoured me very much. I do not think I am deserving it. However, I thank you for this honour. It is that Almighty who has elevated me so much otherwise I have so far rendered no valuable service to the country. The Almighty may reward you for your kind deeds and bring you out successful in your undertakings. My dear children and brethren, both the Hindus and Muhammadans have their aims and objects one and the same and I wish you every success.

I thank Mrs.Dip Narayan Singh for her kind attention towards my humble self and for the inconvenience she has undergone to render me every possible comfort during my stay here. My head is bowing down before her. Not only that there is an uproar of her praiseworthy deeds throughout the

CONFIDENTIAL.
Memo No.1683 S.B.

Bihar Special Branch,
Patna, P.O. 8th February 1922

Copy forwarded to the Chief Secretary to the Government of Bihar and Orissa, for information in continuation of this office Memo No.1624 S.B. dated the 7th February 1922.

Sd/- 8.2.
Deputy Inspector-General of Police,
Criminal Investigation Department, Patna

K.R.

MEMO No.1748 S.B.
874-22

BIHAR AND ORISSA
CRIMINAL INVESTIGATION DEPARTMENT,

Special Branch
PATNA

Dated the 10th February 1922.

Proceedings of the meeting held in the Idgah of Shahjangi Police Station Bhagalpur Mofassil on the 5th February 1922.

Copy forwarded to the Chief Secretary to the Government of Bihar and Orissa, for information in continuation of this office Memo No.1683 S.B. dated the 8th February 1922.

Sd/-
Deputy Inspector-General of Police
C.I.D., Bihar and Orissa.

Proceedings of the meeting held in the Idgah of Shahjangi P.S.Bhagalpur Mofassil on 5th February 1922.

Mr.Haqq admittedly gave some vent to his feelings for the notices served on him by the Government but it did not carry any effect over the audience.

CONFIDENTIAL
Memo No.1624 S.B

Bihar Special Branch
Patna, the 7th February 1922

Copy forwarded to the Chief Secretary to the Government of Bihar and Orissa for information in continuation of this office Memo No.1596 dated the 4th February 1922.

The portion at A of Mr.Mazharul Haqq's speech is repored by all the four officers who attended, the one at B by only two of them. The portions at C and D in Bibi Amman's speech are reported by only two of the four officers.

Deputy Inspector-General of Police,
C.I.D., Bihar and Orissa.

S.P.

A meeting of Pardahnashin ladies was held at the National school, Rumana on 2.2.22 between 10 & 11 a.m. Some 150 ladies are said to have attended. The mother of Mr.Md.Ali who presided is said to have appealed for Angora Fund and explained the necessity of using Charkha and Khaddar. A sum of Rs.250/- and some ornaments valued Rs.100/- was collected at the spot.

The original report of Pirbahore Police Station is submitted herewith.

Sd/-
Dy.Superintendent of Police,
Patna City 4.2.22

No.92/94 D.S.C.

Copy forwarded to J.W.C. Jackson Esqr. for information.

Superintendent of Police
Patna 4.2.22
Zafar
4.II.

When you have marched on, never think of retracing your step, think that the land behind you is marshy.

These diplomacies and other works of the same kind which are prevailing have been started by these Englishmen. Now take a lesson, be careful and get up.

Poor Indians are starving, they should try to go to jail where they will get food as a guest of the Government. I am glad to say that our females of India are on alert now. They say if their men will not work they will leave them in houses, for using charkha and cooking food and they will come out for the work.

Remember the time when Prophet spread Islam. He had to encounter many difficulties, people used to spread thorne in his way, call him mad and so much so that when he used to pass a certain way one man threw dust on him. One day he found that no one threw dust on him. He enquired of the man and on learning that he was ill he went to see him. Therefore the man (sick) who used to throw dust on him, touched his feet and accepted Islam. He overcame all difficulties by patience, hence you all must go on doing your work patiently.

You are unfortunate if you do not take any part in serving your religion Islam. This is the third time when Indians are fighting for their liberty. Once the king was captured, next the Mutiny of 1857 and this is the last if you lose this chance, you are done for. Had you not neglected yourselves from the very beginning these traders would have ruled over you; or put the chain in your neck.

Then she asked, people to collect money.

8. S.Ahmad announced the following donations:

(i) Wife of Nehal Mian of Simli P.S.Chowk through her Munshi Zahoor Mian 100/-

(ii) Abdul Hakim Vakil 100/-

(iii) Ladies of Gilani P.S. Bihar through Najmul Hoda 346/14/-

Then Tamanna and his son read poems; and the meeting dispersed peacefully.

The chief aim was for the collection of funds for Angora. Nearly 100/- was collected at the spot. The entire audience were impressed by the fact that she being so old is taking the trouble of touring for the cause of Indian Moslems. Her speech admittedly impressed nearly 2 dozen of men who were around her, but not all who only saw her face as her voice was inaudible.

sent Ali Brothers to jail. They demanded the return of Holy places to the Ottoman Empire but for this you sent them to jail. Over and above that you are sending other big men of India to jail for no fault. (I know Deputy Magistrates and Police officers are in this meeting and this challenges of mine will reach the ears of the Government).

Now we must stand on our own legs and will show the Englishmen that if you wish to remain in India you must do as we wish.

7. Then came the turn of Bi Amman and she began her speech amidst deafening shouts of Allah-o-Akbar.

"My dear brothers and dear sons! The wind is blowing from all the four sides, find out which way is blowing and act up to it. If you sleep during the night peacefully, you have got to be anxious for the day and likewise.

This Government though calls herself powerful is acting just like a thief. She arrests people at 1 to 2 a.m. I told her many a times that if you want to arrest any of us, send a constable and we will go to anywhere you ask. We were not thieves had not done any mischief or abducted the wife of any one. No guard or lock was required for us. But the Government arrested at Chindwara during the night and similarly at other places.

Dear Hindu and Moslem, Government has got chains (tauks) for you, will you use them (silent as people could not understand). You have called me mother and sister and I have called you brothers and sons. Now you must bear to what I say and do up to it. I want you all to stand up on your legs and be prepared to go to jails, goals, face connons, machine guns etc. Izrail (the angel of death) is alone and cannot possibly take the life of 32 crores.

My sons are in jail for the last 7 years and I am at a loss to understand why is such. I think they are suffering for their past evils or are being tried by God for their bold stand for a noble cause. But every one must *understand this much that if your aim is holy, the result is bound to be good.* When King Ghaznavi came to India and saw a large of Rajahs against him, he went to Shah Abul Hasan for advise. Shah Abul Hasan said if your aim is holy you will win and subsequently he did win. Never think for a moment that our God has gone weak or the Prophet is ignoring us; they are trying us and if our aim is holy and cause noble and we remain truthful, we will get our aimed object. God makes good of bad things. He can make or unmake a man; and do whatever He likes. Now leave your work in the hands of the God and His Prophet and you remain alert on your duty. Because you cannot get food unless you cook it. Now there is no time to sleep or lag behind, be careful! I have awake you all after a great distress and trial.

Hindus and Moslems are just like the two parts of a skirt, if one is torn the body becomes open. All Indians who are shouting for Swaraj must work unitedly (Put aisi kare jaise kare kapas).

The Moslems though not Indians have actually done so, by placing their necks under the sword for Islam (Angora Government) non- violence has been adopted by Indian Moslems only. Lastly he said it is incumbent upon every Moslem who wants to maintain the prestige of Khilafat to mend his social and religious habits and then enter politics of the present time.

2. M.Tammana read a poem in which he said that now Islam or Muhammadanism is in delapidated houses and plaints and not in mansions.

3. Mahmud Sher had got up to speak when Bi Amman arrived and he stopped.

4. Fazlur Rahman proposed Mr.Haqq to Chair.

5. Ram Krishna Pathak seconded.

6. Mr.Mazharul Haqq rose and said:

"Gentlemen! I had given up delivering speeches as it does no good and the time has come for practical work alone. The last I spoke here was the day when Ali Brothers my closest friends were arrested. Here is our revered mother before you. She alone is not a lioness but mother of two lions who are in Karachi Jail. She is not the least sorry for her sons, as she says her heart will not cool unless and until her sons are sacrificed for the cause of Khilafat. Today she has come to you in such old age for money for the Angora Fund who are the saviours of Islam, and I must clearly say that this money is only meant to enable the Kemalists to purchase arms and ammunition for fighting the infidels. Every Hindu or Moslem must sacrifice something for this noble cause. This is a calamity over both. If Moslem's Islam is crushed today, Hindu must bear in mind that their religion will also not remain safe. This British Nation (I do not want to use harsh words, may God bring them on the right path) has gone blind and is intoxicated with pride and power, and does not realize what is actually happening or what will happen. God is above Lord Reading and Mr.Loyd George. Many kingdoms, like this have been ruined for their tyrannies. Britishers' tyrannies have gone beyond the limit; but they do not realise because God has covered their eyes, ears and hearts and this cover will not be taken out unless they are ruined. (Khoda ne inke ankhon, kanon aur dilon par parda dal dia hai aur iah parda uthega nahin jab tak iah log tabah na honge).

Viceroy said that he and his Government has supported and pressed for the demands of Indian Moslems on Khilafat Affairs but I fail to understand that what they have done and to what good.

Similarly Gladstone's and other speakers may be taken in any light.

This is nothing but diplomacy by which they are carrying on their work and they should never be believed.

If Lord Chelmsford and Lord Reading knew and fought for Indian Moslems demands, how is it that thinking the Moslems demands right they

Maulana Sulaiman read out a passage from the Quran and explained that people should become "God's volunteers" and defend their religion. They should not fear jail. He also praised Mr.Md.Ali's mother and asked the people to subscribe towards the Angora Fund.

Maulana Mohiuddin said people had on several occasions subscribed for Angora, but that was not sufficient; they have still got to contribute more. He said, he wished to repeat the same things what he had said on Friday, the 20th January, 1922 (He was ....

Report of a meeting held on 2nd February 1922 in the compound of Mr.Mazharul Haqq's house

A public meeting was held in Mr.Mazharul Haqq's compound on 2nd February 1922 at 3.30 p.m. and lasted till 4.30 p.m. Nearly 2500 men, majority of whom were Moslem students attended the meeting.

Among the prominent were:

1. Mr.Mazharul Haqq
2. Dr.Mahmood
3. M.Abdul Hakim Vakil
4. M.Yasin
5. M.Fazlur Rahman
6. Ram Krishna Pathak
7. B.Nageshwar Prasad
8. M.Ashfaq Ali
9. Bi Amman
10. M.Mohiuddin Tammana

As the lady (mother of Ali Brothers) did not come in time being busy in addressing a ladies meeting at Pirbahore, people were kept engaged by songs and poems and speeches by:

1. M.Etemad Husain who said that the recent happenings on the bloody surface of India was not only for the freedom of India but for Khilafat as well. Though the decision regarding the affairs Khilafat and Swaraj is in the hands of others, but it is the action of the Indians which will get the decision in his favour. When India has stood up, from God's help, the favourable decision is glimmering and will come out fully soon. If Khilafat which is the seat of the Holy Prophet and is in existence for the last 1300 years is lost and not maintained, Moslems should give preference to death than to lead a life of no vital importance or existence.

come out successful rather the Government would be seen bowing at our feet and giving Swaraj. I also appeal Hindu brethren to help us in this crisis and I assure them they would not find Muhammadans ungrateful.

The meeting dissolved at 12.40 p.m. Rs.146/- was collected till then. Soon after this the mother of Muhammad Ali went to attend a Purda meeting.

Confidential

Memo No. 1577 S.B.

Bihar Special Branch
Patna, the 4th February 1922.

Copy forwarded to the Chief Secretary to the Government of Bihar and Orissa for information.

Deputy Inspector-General of Police
C.I.D., Bihar and Orissa.

Copy of report of S.I.Chowk P.S. re. meeting held at Madarsa Mosque on 1.2.1922.

On 1.2.1922 a meeting was held at the Madarsa Mosque Chowk. Some 2000 persons attended.

Maulana Shah Sulaiman of Phulwari presided. The following persons were prominent.

1. Mr.Mazharul Haque
2. Shah Mohiuddin of Phulwari
3. M.Yasin
4. M.Md.Sher
5. Hasan Arzu
6. Hafiz Abdul Ghani

Hafiz Abdul Ghani opened the meeting and introduced the mother of Muhammad Ali to the audience and suggested that Shah Sulaiman should preside. He advised the audience to carry out the instructions of Mr.Md.Ali's mother.

Hasan Arzu praised the mother of Md.Ali, who had taken so much trouble and had come to Patna to collect funds for Angora. The people should not leave the meeting without subscribing something towards it. He said the Muhammadans at Angora were sacrificing their lives for religion, and the Muhammadans here should at least sacrifice some money for the cause of Islam.

attitude and we ought to thank them for their courage giving your thanks should not be merely by words but by deeds. The aims and objects of her visit to the place are known to you that is the collection of funds for Angora. Many people might be under the impression that Friday of the 20th January was the only day for calling on subscription. They are mistaken. As I have already told you on many occasions, to subscribe for a good work, amounts to Jehad-i-Mali. Therefore it is your religious duty to help the Angora Government with money. I also want to impress on you that it is sinful to withdraw the help or to stop it once when you have promised to do so. You should continue subscribing till the complete success of Mustafa Kamal Pasha. You are to obey God and His Prophet. If there be no religious compulsion in the first place but when you have begun the work it becomes sinful for you to leave it unfinished. Though you have subscribed before yet there are many instalments to be paid. You must remember that Bi Amman has undertaken this long and troublesome journey for collecting funds and you must do your best to pay her. Here the mother of Muhammad Ali remarked that so long the Turks are giving their lives the Indians ought to give money.

Hasan Arzoo

Two appeals have been made, one by the mother of Muhammad Ali and the other by Shah Mohiuddin. There is not the least doubt in it that to help the Turks by the way of money is the religious duty of Muhammadans. You are aware that this is the time of Jehad. It is passing away. The Jehad is of 2 kinds, Mali and Jani. We are to follow the doctrine of Mali Jehad as the Turks are doing the Jani Jehad. Mustafa Kamal Pasha has drawn his sword and the Islam is in danger. If there is any way of restoration of holy places and the Khilafat then this is the one. Your help by the way of money is equal to that of giving your lives in the way of God. Is it not the time of help by money. I cannot say if the time will never come for the sacrifice of your lives but at the present moment you are only required to part with money. When the time of self sacrifice would come I have no doubt every Muhammadan would be ready for it. Kamal Pasha is doing his best to bring back the lost prestige of Islam and the Khilafat for which our Prophet had shed the blood of his followers like water. It would be very degrading for you if you would not help your Turk brethren with money who are shedding their blood for Islam. Turks are giving away their children for the cause, can't you part with your money. I appeal to both the Hindus and Muhammadans, who are like right and left hands of the body, to pay as much as they can. Our freedom and Swaraj also depends on the success of Kamal Pasha. We will not have to beg for Swaraj when the Turks would

kings dethroned and captured. Those people who were false to their king are nowadays holding big Estates as Hyderabad, Kashmir and in Lucknow etc. We created new Kings of other nations to rule over us with the result that our religion is today being crushed down. You know what Prophet Daud did when he was ordained to accept 3 things by way of punishment. Plague, His wrath and the foreign ruler. Prophet Daud called in a darbar and asked his Minister which of the 3 things they preferred. After great deliberation they proposed that Plague should be accepted by way of punishment for the sins they had committed. Nowadays all the 3 things are raging here. Famine is here, plague as well and the foreign rule. Were the Indian rulers bad? Supposing if they were, after all they were Indians. The Indians themselves gave the reign of India in the hands of foreigners. If they had not lost their courage was it possible to become slaves. You are lost from both ways. You neither got the world now the religion. (Na Khuda hi mila na wisal-i sanam Na idhar ke rahe na udhar ke rahe) you ought to die of shame.

Another thing for you to do is the accomplishment of the Hindu-Muslim unity. Leave aside envy and hatred. The war has two sides. One wins and the other party fails. Those who excercise soul force win the cause. I would tell you, you have not yet acquired sufficient soul force and you are labouring under misapprehension. The man who acquired soul force could only see the Almighty. God is always near you. Jews also thought that the Almighty was not everywhere and they suffered the consquence. So you regard the Government as your omnipotent and have forgotten the Almighty; obey God and His Prophet and pray for your success. Awake and do such work that you may get possession over your lost house.

Here a great noise was made by the children and although I happened to be sitting at a few yards distant I could not catch the remaining portion of her speech. Her voice was hoarse and as she was sitting she could not be heard at a distance of more than 3 yards in radius.

In conclusion she said that Ghazi Mustafa Kamal Pasha was fighting for the cause of the Khilafat and it was the time when all Muhammadans should sacrifices their wealth and life and the children.

Maulvi Mohaiuddin alias Bare Babu

Brothren the time has approached when the meeting would be dissolved. Before dismissing the meeting I want to thank the audience especially the ladies who have come to this place after bearing fatigue and hardships of the journey. It is praiseworthy that the old venerable mother of Muhammad Ali has taken up the cause herself after the arrest of her sons. It is a proof of our miseries that the ladies have now come out of the houses and taken up the cause. They have set an example of their unflinching

old woman has come here for this very purpose. It is not that Friday the 28th January was the only day. Every day is Friday for us. We should always stretch our hands for help. She has received subscription everywhere. Become helping hands. It is not that you help but you are an instrument of God who is going to protect his Quran and the Khilafat. These days materialism is regarded supreme power. You must remember that God is God. Aeroplanes, which prove perfection of the science, will one day be unable to withstand Ababils (birds flying high in the air). (Here he read Alamtara Kaifa fa'ala rabboka be ashabil fil" and explain as to how a big army was destroyed by small birds). God would crush the aeroplanes. Our soul force would one day make them acknowledge their wrongs. You remember Changez Khan Halakoo had tried his utmost to destroy Khilafat, but our soul force made him to embrace Islam. He ruled for many years over us. If you would follow the path of virtue and righteousness you are bound to bring other nations on your side. If you will create differences amongst yourself then the cause of Khilafat would be ruined. I would have said much but my heart has received a wound after the arrest of Ali Brothers. I heard the shocking news at Rangoon. I was about to faint by my friend Abdullah Haroon consoled me. You must mark the progress we have made. Formerly our ladies did not come out on the platform but if you will read the history of Islam you would find that our ladies used to work as pioneers and commisariat agents at the time of war. The time is not very far when our children would also take part with us. Our ladies used to render first aid at the time of war. Now that time of warfare is not before us yet our females have come out to serve the country and the cause of Khilafat. They are afraid neither of death nor of jail. You should continue subscribing towards the Angora Fund.

Bi Amman:

Dear Brethren, be it you, a Hindu, a Parsi, a Jew or a Mausalman, heard the arrest of my children I have raised my veil and I have become like you. Brethren you should remember that this is the time for work. You should be ready and I wish you success. If you have put in bangles on you wrists through the fear of Government do break them and become like man. Do not be afraid of jail. It will be a heaven to you as was the fire on Ebrahim. You go and work hard for the whole day and earn your wages. Those wages are not full wages. Full wages you can only get in jail and from then you would earn your Khilafat as well. Mother does not give milk until the baby cries. You remember God only in the time of mishap. You will remember God when you will go to jail. This is time when you ought to stand on your legs. You have been deceived twice. It were you who got your

attack the Khilafat every now and then (Jab nazla girtha hai Khilafat par) we demand our births right, the right which every man has on his limbs. Such is the right of Swaraj to Indians in India. This cry has disturbed others. They ought to have regard for gentlemanliness and should not always have a recourse to repression. Oppression is oppression whether it be committed by white or black. I would appeal to them to do justice in the name of God. These were the demands of Ali Brothers for which they have been sent to jail. There are certain words which can come within the scope of the Penal Law of the country but the real object of the speaker should be seen.

Bi Amma has not come here in order to give out the story of her calamity that has befallen her on account of the loss of her 2 jewels. The people who resent and demand their birth rigts are being repressed and those who flatter do well. You know who are the most oppressed people in the world. They are Indians but still the worst are Muhammadans. God alone knows about it. However, we are thankful to our Hindu brothers for having taken part with us in our miseries. The Punjab wrongs concern both but the Khilafat question was purely ours. We cannot claim it now to be purely our question as our Hindu brothers were also taken keen interest in it. She has come here for the cause of Khilafat and she would come out successful from her undertaking.

Here the speaker narrated a story from the history of Islam describing the courage of Moslem ladies at the time of early Muhammadan war and remarked that as they did not care for the loss of their near and dear relatives and loved their Prophet, so the Indians ought to prove by taking up the cause of Khilafat with greater zeal than ever.

"You should not mind if Muhammad Ali, Shaukat Ali, Mazhar, Dr.Mahmood and we die, you should keep the Khilafat aim in view and should not retrace a step that has been taken otherwise there would befall on you an eternal.disgrace and you will not be worthy of showing your face to the Prophet on the day of incarnation. Oh Muhammadans beware that if you will lose the Khilafat which has already been trampled but the adverse party, then it will go to the rightful owner but you will be nowhere. The Khilafat first would go to the tomb of the Prophet, and cry out "Oh Prophet, Thy followers have given me up, I am the same Khilafat which thou hast nourished by shedding the blood of thy grand sons. The Khilafat is already crying for help. Those who have their ears open they hear it. You cannot hear her call as your ears are shut. Brethren you know that Ghazi Mustafa Kamal Pasha is trying his utmost for this Khilafat. Thanks God our Hindu brethren are also helping for this cause. You should not lose this opportunity. Your hands would not be severed if you would help the cause. The Government is not against subscribing towards the Angora Fund. The

Meetings held during the visit of the Mother of Shaukat Ali to Bihar & Orissa

Political Spl.90/1922

Proceedings of the meeting held at Phulwari in the Khubi Sao's garden on 31st January 1922

The meeting was announced to be held at 9 a.m. but as the mother of Muhammad Ali did not arrive till 11.30 a.m. the meeting did not commence till then. Some 300 persons attended the meeting. The mother of Muhammad Ali motored with M.Mazharul Haqq. She was received by the public on the road which was some 50 paces from the garden. There were 4 other ladies. All of them except the mother of Muhammad Ali were putting on veils. Ladies were received under an applause of Gandhi ji ki jai and Allah-ho-Akbar.

Shah Sulaiman of Phulwari opened the meeting by reading Sura-i-Maryam, from the Quran and thereafter addressed as follows:

Today an extraordinary scene is before you which the power of vision had never witnessed before. You can find such things in the godly books. Today's meeting has been convened for these women, especially Bi Amma, who is the mother of 2 great friends of mine, Muhammad Ali and Shaukat Ali. Look to her old age and weak constitution. Weigh the calamity of a woman, whose 2 brilliant and shining children, who were proud of the country and the nation, be imprisioned without any fault. God forbid that such a calamity may fall to an enemy. What ought to be the state of her mind cannot be imagined but it is praiseworthy that inspite of all this she, regardless of her pangs of the heart, has stood up to serve the nation. You know why they have been imprisioned. It is not that they are ordinary criminals, dacoits or robbers but for the cause of the country, their religion and for being lovers of Prophet. When she thinks that her sons have gone to jail for the cause of Khilafat, religion and country she forgets her sufferings. She rejoices at the idea that our Prophet would be pleased with them. There cannot be any pleasure in both the worlds better than this. Our Prophet is the spiritual Viceroy and His Pleasure is the chief aim of our life.

What did the Ali Brothers say? They said what is required by Islam, and what is the true doctrine. They said, for God's sake don't trample the Khilafat, do not cut it to pieces but their appeals were disregarded. The Government ought to take medicine for the false appetite of usurping land (J'uul arz ka ilaj karen). Just as a disease attacks on a weak person, they

Mohammad Ali. They were tried at Karachi and sentenced to rigorous imprisonment. When Gandhiji was left alone to shoulder the burdens of the movement Bi Amman came out and plunged into the movement. She travelled throughout the country. She came to Bihar also and addressed several huge gatherings at Patna, Biharsharif, Phulwarisharif, Islampur, Barh, Gaya, Monghyr, Bhagalpur, Darbhanga, Samastipur, Muzaffarpur, Chapra, Motihari and other places. She addressed exclusive gatherings of ladies also which kindled the spark of nationalism among the masses. Her daunting exercise united women and ensured their participation in the freedom movement in Bihar on a larger scale.

The present volume is one of the finds of Sri Shrikant, a senior jounalist attached with the local Hindi daily Hindustan. During his research on "The Trends of Various Caste Conflicts", he discovered a secret file on the day-to-day activities and movement of Bi Amman in Bihar. I found the file very interesting and informative. I informed Dr.A.R.Bedar of the same who suggested to get a book published so that people keener about the role of Bi Amman at a time when vested interests are trying to marginalise the role of Indian Muslims in the freedom struggle. This book will set the record straight.

****

Bi Amman, whose actual name was Abadi Begum, was a farsighted and a progressive lady though she belonged to an orthodox family. She discarded the shackles of a secluded life to come forward and attempt to free their motherland from imperial subjugation. Bi Amman is one of those glorious Indian ladies who contributed their ornaments, jewellery and also proved to be a source of inspiration and strength to the Indian freedom fighters.

A lady of multi dimensional qualities, she became Bi Amman for everyone, as her sons Shaukat Ali and Mohammad Ali always called her "Bi Amman". She did away with the purdah and left her imprint of the psyche of the masses as she added her mite to the fight for freedom. Bi Amman and Begum Nishatunnisa both had a rudimentary knowledge of Persian, Arabic and Urdu, and had never gone to any school. But their enlightement, and their breadth of vision ensured that the two nominally educated ladies' role as mass leaders was second to none. Both Bi Amman and Begum Nishatunnisa are remarkable in more than one sense, chiefly for doing what even a towering personality like Sarojini Naidu could not do. Sarojini Naidu, who came from and educated and enlightened family could not influence the middle class womenfolk, who were mostly purdah clad. Neither could Sarojini Naidu familiarise or endear herself to them nor could she leave any impact on their lives. Bi Amman and Begum Nishatunnisa did precisely that. Herein lies their great triumph.

Bi Amman's husband died in his youth leaving behind three teenaged children. But the doughty Bi Amman faced the travail with a stoic front. She took pains and endured all hardships but ensured that her three sons, Zulfiqar, Shaukat and Mohammad, went to Aligarh for their education. She sold off all the property to pay for their studies. When the youngest, Mohammad, had to go to Oxford for higher studies, Bi Amman sold off her jewellery and provided the money. Her spirit of nationalism was unparalleled. When the Ali brothers joined the Khilafat and non-cooperation movement she felt immensely proud of their decision.

The contribution of Ali Brothers to our freedom struggle is a testimony of the constructive training imparted by Bi Amman. Despite stiff opposition from Lala Lajpat Rai, Pt.Madan Mohan Malviya, Motilal Nehru and C.R.Das, Mohammad Ali was successful in getting the resolution on nation-wide non-cooperation movement passed at the Nagpur Congress. His commitment to nationalism later compelled Motilal Nehru and C.R.Das to back him. And in the subsequent years Mohammad Ali and Gandhiji became the pivotal figures of the movement and the dream of Bi Amman came true.

When Gandhiji gave the non-cooperation call, the British Government got panicky and hurriedly arrested seven top national leaders including

BI-AMMAN

By Taqi Raheem
Patna

The dry pen of history has written the names of several outstanding female personages as those who contributed supremely to the cause of the motherland and left their indelible stamp on the firmament of Indian glory. A string of such names pass before our eyes when we leaf through the collections of memories, so grandly written and so carefully preserved: Razia Sultan, Chand Bibi of Ahamdnagar, Ahilya Bai of Indore, Begum Hazrat Mahal of Oudh, and Rani Laxmibai of Jhansi. But during the period between 1857 and 1947, more names like those of Sarojini Naidu, Bi Amman and Begum Nishatunnisa, remind us that feminine valour, ability to sacrifice their lives for the country, and attributes of the highest order, did not die out with the passing of warrior queens or noble ladies of royal blood. With due respect and honour to those noble ladies of medieval and also modern times, we concern ourselves with the profile of Bi Amman. Alongwith Begum Nishatunnisa, the wife of Maulana Hasrat Mohani, Bi Amman, who was the celebrated mother of such Indian personages as Maulana Mohammad Ali and Shaukat Ali, stands out as an example of sterling Indian womanhood.

INTRODUCTION

Umpteen stories of struggle have either failed to find their place in history or have deliberately been omitted by the historians. The story of Bi- Amman (the Mother) who played a significant role in the struggle for the emancipation of the country from the British yoke is one of them. Bi-Amman who visited Bihar in 1922 was the mother of Ali Brothers, the heroes of the Khilafat Movement. She contributed a great deal in the movement that was then in progress to end the British monarchy. However, neither, the book, Freedom Movement in Bihar authored by the prominent historian, Mr.K.K.Dutta nor the famous autobiography of Dr.Rajendra Prasad contains the account of Bi-Amman's Bihar visit and her role in the freedom struggle.

A study of the speeches delivered by Bi-Amman among the people, spontaniously kindles the memory of the Maxim Gorki's magnum opus - *"Mother"*. Moving among the women confined within the walls of the Hindu-Muslim houses in the remote areas of Bihar, Bi-Amman had tried to make aware the people with what the struggle for independence actually meant. It was a remarkable political contribution of a woman in that age. Probably, she was the first woman in the history of Bihar who participated in the struggle against the British rule and made positive efforts to restore Hindu-Muslim unity.

Though ignored by the historians, Bi-Amman became a leading character in the poems of an unknown poet of those days. A CID report of that period has recorded those poems. Bi-Amman's speeches have still a relevant message to give to the strife-torn Bihar which is in the grip of caste and other conflicts. At a time when the people are engaged in an unending fight in the name of religion and caste, Bi-Amman's speeches give the message for peaceful co-existence.

In fact, Prassana Kumar Choudhary had suggested me to work on the Muslim community and document its role and contributions. Working on the "assignment" of Mr.Choudhary, I came across the documents and papers containing the accounts of Bi-Amman in the state archives. It was exciting to unravel a fact of history which had been ignored by the historians. The account of Bi-Amman's Bihar visit is reaching to you through Khuda Bakhsh Library and Mr.Taqi Rahim, and of course, through the assistance of Mr.Masum Raza Kazmi, Assistant Director of the State Archive, which enabled me to acquaint you with that Indian woman of substance. It is a happy moment for me.

Srikant

An Account of
Bi-Amman's
Bihar Visit 1922

Introduced by

Srikant

Travelogue

A Daily-Diary of Patna visit (1930) of late Mumtaz Ali, Hyderabad, Deccan : A gift from Abdus Samad Khan - 201

Periodicals

Dilgudaz : A renowned literary & historical Urdu Journal ed. by Abdul Haleem Sharar - 225

Audio Cassettes in KBL

Audio Cassettes of Deccani Language preserved in Khuda Bakhsh Library - 229

Reviews & Appraisals

"*Zakir Saheb ke Khat*" published by Khuda Bakhsh Library : A Review — Naqi Ahmad Irshad 231

"*Babur ka Wasiyat Nama*" & *Old Muslim Inscriptions at Patna* published in Khuda Bakhsh Library Journal No.101 : A Review — Ziauddin Desai 236

"*Diwan-e-Mushafi*" 8th vol., published by Khuda Bakhsh Library : An Appraisal — Prof.Noorul Hasan Naqvi 240

Comments on An appraisal of N.H.Naqvi on *Diwan-e-Mushafi*, 8th vol. — H.R.Chighani 249

Letters to Editor — Nazeer Siddiqi 253

- do - — A.H.K Sherwani 253

Errata — Editor 254

CONTENTS

<u>**English Section**</u>

An account of Bi-Amman's Bihar visit 1922	Introduced by Srikant	i

<u>**Urdu/Persian Section**</u>

Research & Editing

Poetic Writings of Ranjoor Azimabadi	Prof.Moinuddin Aquil	1

Philosophy

Existence & Entity	Md. Abdus Salam Khan	79

Persian Literature

Diwan-e-Hafiz : The Royal Copy of Mughals	Prof.S.A.H.Abidi	91
Persian *Ghazal* in Iran after Islamic Revolution	Prof.Z.A.Siddiqui	111

Regional Literature

Urdu Language in Gujarat : A Survey	Dr.Ghulam Raziq Shaikh	135
The Story of *Azad Hind Fauj* as told by Col.Mahboob Ahmad	Arun Singh	149

Abul Kalam Azad

Thirty pages of Maulana Azad	Taqi Raheem	159
Diwan-e-Abul Kalam Azad edited by Abdul Ghaffar Shakeel : An Appraisal	Dr.Abu Salman Shahjahanpuri	180

Biography

Sadiq Ali Shah : An unknown yet a noteworthy mystic poet	Dr.Husainul Haque	188

Reg. No. 33424/77
Vol. No. 105

Annual Subscription: Rs.300/-
Asian $ 60, Other Counteries $ 120
Price of this Issue Rs.75/-

Editor
Habibur Rahman Chighani

1996

Printed by Mustafa Kamal Hashmi at Pakeeza Offset Press, Shahganj, Patna-800006 and published by Khuda Bakhsh Oriental Public Library, Patna.

KHUDA BAKHSH LIBRARY
JOURNAL

105

Khuda Bakhsh Oriental Public Library
Patna